
40 سے زائد ممالک میں
سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اردو میگزین
بچوں کیلئے
ماہنامہ پھول لاہور
اپریل 2004ء
اشاعت کا
164
واں مہینہ
خاص تحریریں۔ منفرد سلسلے اور
انعامات کی برسات
آیئے اپریل فول منائیں!
نوائے وقت
موسم بہار
پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
قیمت 15 روپے
Pakistanipoint
Waqar
Azeem

ہر عمر کے بچوں کیلئے
ماہنامہ پھول لاہور

چیف ایڈیٹر... مجید نظامی

ایڈیٹر... محمد شعیب مرزا

اپریل 2004ء

میرا نام .... ہے
اور یہ میرا پیارا پھول ہے
اسے پڑھنے سے پہلے مجھے ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ
نماز کی ادائیگی میں دیر نہ ہو رہی ہو۔
آج کا ہوم ورک مکمل ہو گیا ہو۔
ابو امی نے جو کام کہے تھے وہ کر لیے ہوں

پھول کی ادا سب سے جدا

پھول رنگ

سب ایڈیٹر.. ارشد سلہری

ڈیزائنر... عامر شکیل عامر

السٹریٹر: آیت اللہ

شعیب قادر

ٹائٹل: عیشہ

انز: سائرہ میر

ٹائٹل پر علامہ اقبال کی تصویر
کی مصورہ: ساجدہ حنیف
یہ تصویر سوزن کاری
(سوئی دھاگے)
سے تیار کی گئی۔



//www.phool.com.pk phool@
nawaiwaqt.com.pk

ماہنامہ پھول 4 شاہراہ فاطمہ جناح لاہور۔ فون۔ 6367551/4 فیکس 6367616
مجید نظامی پرنٹر پبلشر نے ندائے ملت پریس سے چھپوا کر دفتر روزنامہ نوائے وقت لاہور سے شائع کیا
اگر آپ ماہنامہ پھول بذریعہ ڈاک ہر ماہ گھر بیٹھے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔۔ سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک
پاکستان میں۔۔ 400 روپے۔۔ براعظم یورپ ایشیا۔۔ 1200 روپے۔۔ براعظم امریکہ آسٹریلیا 1400 روپے

حمد باری تعالیٰ

رنگ گل، رنگ چمن، رنگ بہاراں دیکھا
ذرے ذرے سے ترا حُسن نمایاں دیکھا
دیدۂ کوہ سے بہتے ہوئے چشمے دیکھے
سینہ بحر سے اٹھتا ہوا طوفاں دیکھا
پتے پتے کی زباں سے تری روداد سنی
غنچے غنچے کے جگر کو ترا خواہاں دیکھا
جن کی شہرت تھی زمانے میں مسیحائی کی
ان کو بھی در پہ ترے طالب درماں دیکھا
اپنی قربت سے جسے جتنا نوازا تو نے
تجھ سے اتنا ہی اسے خائف و لرزاں دیکھا
ہو کوئی تاج بسر دہر میں یا کاسہ بکف
جس کو دیکھا، ترا شرمندہ احساں دیکھا
ذرے ذرے کی جبیں ہے ترے جلووں کی امیں
گوشے گوشے میں ترا حسن فروزاں دیکھا
جن کا دنیا میں کوئی دوست ہے باقی نہ عزیز
ان غریبوں کا الٰہی تجھے پُرساں دیکھا

(عبدالرحمان عاجز مالیر کوٹلوی)

نعت رسول مقبول ﷺ

خداوند تعالیٰ تجھ پہ رحمت کی نظر رکھے
درود اپنے لبوں پرتو اگر شام و سحر رکھے

سوا آقا ﷺ کے، کوئی بھی نہیں ایسا زمانے میں
عطا کرنے میں جو ہر ظرف کو مدنظر رکھے

جو نقش پائے سرور ﷺ کا کوئی عرفان پا جائے
تو ٹھوکر پہ وہ تخت و تاج رکھے، مال و زر رکھے

بلاوے کا سندیسا لازماً تیرے لئے آئے
اگر مجبوری طیبہ میں تو آنکھوں کو تر رکھے

درود مصطفیٰ ﷺ ہو لاحقہ اور سابقہ اس کا
دعا جو اس طرح مانگے، وہ امید اثر رکھے

شمار اسکا صف ابرار میں محمود ہو جائے
اگر دل میں محبت اپنے آقا ﷺ کی بشر رکھے

(راجا رشید محمود)

کرنیں

عروبہ بتول

”شہزادے اور شہزادیوں کی عید“

اسلام میں قیادت تقویٰ سے مشروط ہے۔ صاحب تقویٰ شخص اس زندگی کو آنے والی زندگی کی تیاری سمجھتا ہے۔ قرآن کا ہمیشہ طابع اور حضور ﷺ کا اطاعت گزار رہتا ہے۔

حضرت سیدنا عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے کو عید کے دن پرانی قمیض پہنے ہوئے دیکھا تو رو دیئے۔

بیٹے نے عرض کیا ”ابا جان آپ کس لئے رو رہے ہیں؟“

آپؓ نے فرمایا ”بیٹے مجھے اندیشہ ہے کہ آج عید کے دن جب لڑکے تجھے اس پھٹی پرانی قمیض میں دیکھیں گے تو تیرا دل ٹوٹ جائے گا“

بیٹے نے جواب دیا ”دل تو اس کا ٹوٹے گا جو رضائے الٰہی کو نہ پاسکا۔ یا جس نے اپنے ماں باپ کی نافرمانی کی ہو اور مجھے امید ہے کہ آپ کی رضامندی کے طفیل اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے راضی ہوں گے“۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے بیٹے کو گلے لگایا اور دعائیں دیں۔

☆☆☆☆

امیر المو[illegible] ت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں ایک دن عید سے پہلے آپؒ کی بچیاں [illegible] اور بولیں۔

”بابا جان کل عید کا دن ہے ہم لوگ کون سے کپڑے پہنیں گی؟“۔

فرمایا ”یہی کپڑے جو تم نے پہن رکھے ہیں ان کو آج دھو کر صاف کرلو اور کل پہن لینا“۔

”نہیں بابا جان آپ ہمیں نئے کپڑے بنوا کر دیں“ بچیوں نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

آپؒ نے فرمایا ”میری بچیو عید کا دن اللہ کی عبادت کرنے اور اس کا شکر بجالانے کا دن ہوتا ہے نئے کپڑے پہننے ضروری تو نہیں“۔

”بابا جان آپ کا کہا بے شک درست ہے لیکن ہماری سہیلیاں اور دوسری لڑکیاں ہمیں طعنے دیں گی کہ تم امیر المومنین کی بیٹیاں ہو اور وہی پرانے کپڑے پہن رکھے ہیں“۔

یہ کہتے ہوئے بچیوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

یہ دیکھ کر امیر المومنین کا دل بھر آیا۔ آپؒ نے خازن کو بلا کر فرمایا۔

”مجھے میری ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی لادوں“ خازن نے عرض کی۔ ”حضور کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ ایک ماہ تک زندہ رہیں گے؟“ آپؒ نے فرمایا کہ ”جزاک اللہ تو نے بے شک صحیح اور عمدہ بات بتائی ہے“ خازن چلا گیا تو آپ نے بچیوں سے فرمایا ”پیاری بیٹیو! اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی رضا اور خوشنودی پر اپنی خواہشات کو قربان کردو۔ کوئی شخص اس وقت تک جنت حاصل نہیں کرسکتا جب تک وہ کچھ قربانی نہ دے“۔

شہزادیوں کی سمجھ میں بات آ گئی۔ اور وہ خوش و خرم واپس لوٹ گئیں۔

اداریہ

اللہ تعالیٰ کے
نام سے شروع
جو بڑا مہربان
نہایت رحم
والا ہے

بہار کا موسم شروع ہو چکا ہے۔ خزاں رخصت ہو رہی ہے۔ جن درختوں سے پتے جھڑ چکے تھے ان پر کونپلیں پھوٹ رہی ہیں۔ رنگ برنگے پھول کھل رہے ہیں۔ باغوں میں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سبز قالین بچھ رہے ہیں۔ وہ شاخیں جو پتوں اور پھولوں سے محروم ہو گئی تھیں ایک مرتبہ پھر گل و برگ سے آراستہ ہو رہی ہیں۔ کبھی آپ نے سوچا کہ یہ شاخیں آج کیوں ہری بھری اور پھولوں سے لدی ہیں؟ اس لئے کہ خزاں کے موسم میں بھی یہ مایوس نہیں ہوئیں۔ انہوں نے نہ صرف کٹھن حالات کا ثابت قدمی سے مقابلہ کیا بلکہ انہوں نے درخت سے اپنا ناطہ نہیں توڑا اور اس سے اپنا تعلق قائم رکھا اور اس مصرعے پر پوری اتریں

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

لہٰذا کل کی ان خزاں رسیدہ شاخوں کی جھولیاں ہریالی اور پھولوں سے بھری پڑی ہیں اور یہ شاخیں مست ہواؤں میں جھول اور جھوم رہی ہیں اور ہمیں یہ سبق دے رہی ہیں کہ حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہو جائیں، مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اپنی بنیاد سے تعلق نہیں توڑنا چاہئے، شجر سے پیوستہ رہنا چاہئے کہ جلد یا بدیر بہار آ کر رہے گی۔ ہاں اس کیلئے صبر کرنا پڑتا ہے، انتظار کرنا پڑتا ہے اور خونِ جگر جلانا پڑتا ہے

خونِ دل صرف کیا ہے تو بہار آئی ہے
ہم نے خیرات میں یہ پھول نہیں پائے ہیں

قدرت ہم پر کتنی مہربان ہے۔ گرمی کی شدت ابھی زور نہیں پکڑتی لیکن ہمارے لئے چھاؤں کا بندوبست پہلے کر دیا جاتا ہے جیسے پھٹی ہوئی چھتریوں پر نیا کپڑا چڑھا دیا گیا ہو، کڑی دھوپ کے آنے سے پہلے گھنی چھاؤں فراہم کر دی جاتی ہے اور تپتی زمین پر جیسے ریشم بچھا دیا گیا ہو۔

جس طرح باغوں میں پھول کھلے ہوئے ہیں اسی طرح بچوں کے چہرے بھی کھلے ہوئے ہیں کیونکہ وہ امتحان پاس کر کے اگلی کلاسوں میں جا چکے ہیں، بچوں کو اپنی سال بھر کی محنت کا صلہ مل چکا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہر کلاس میں تین چار بچے ہی پوزیشنیں حاصل کرتے ہیں اور ان کو ہی سالانہ تقریب تقسیم انعامات میں اسٹیج پر بلوا کر مہمان خصوصی کے ہاتھوں انعامات دلوائے جاتے ہیں۔ یہ وہ بچے ہوتے ہیں جو باقی بچوں کی نسبت زیادہ محنت کرتے ہیں۔ اپنا سبق روزانہ اچھی طرح یاد کرتے ہیں اور اپنے والدین، اساتذہ، سکول اور آگے چل کر ملک کا نام روشن کرتے ہیں کیونکہ علم ایک ایسا پھول ہے جو جتنا کھلتا ہے اتنی ہی زیادہ خوشبو دیتا ہے۔ لہٰذا اس سال جو بچے کوئی پوزیشن حاصل نہیں کر پائے وہ پوزیشنیں حاصل کرنے والے بچوں کی تقلید کرتے ہوئے اگلے سال خوب محنت کریں تاکہ آئندہ سال پوزیشن حاصل کر سکیں لیکن ان بچوں سے صحتمند مقابلہ کرنا ہے حسد نہیں کرنا کیونکہ حسد دل کی سب سے بڑی بیماری ہے اور حسد کرنے والا اپنے ہی دل کو جلاتا ہے۔

جس طرح ہم دنیاوی امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے محنت کرتے ہیں اسی طرح ہمیں آخرت کے امتحان کی بھی تیاری کرنی چاہئے کیونکہ آخرکار ہمیں اس امتحان سے بھی گزرنا ہے۔ ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ آخرت کے امتحان میں بھی ہم کوئی نمایاں پوزیشن لے سکیں اور ہمارا اقبال بلند ہو۔

سربلندی اور عظمت ان ہی کو ملتی ہے جو زندگی میں خوب محنت کرتے ہیں، دوسروں کے درد کو محسوس کرتے ہیں، بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھاتے ہیں اور خودداری سے جینے کی امنگ دلوں میں پیدا کرتے ہیں۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے بھی مسلمانوں کی شکستہ حالت زار دیکھ کر ان میں ایک ولولۂ تازہ پیدا کیا اور خودی کا درس دیا۔ ایسی شخصیتیں خود بھی خوش قسمت ہوتی ہیں اور اپنے وابستگان کو بھی خوش قسمتی سے ہمکنار کر دیتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے والد شیخ نور محمد بیان کرتے ہیں کہ اقبالؒ کی پیدائش سے پہلے میں نے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑے میدان میں بہت سے لوگ کھڑے ہیں۔ اوپر فضا میں ایک نہایت خوبصورت رنگ برنگے پروں والا پرندہ اُڑ رہا ہے۔ اس کی دل کشی اور دل فریبی کا یہ عالم ہے کہ لوگ دیوانہ وار اپنے بازو اٹھا اٹھا کر اس پرندے کو حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ آخر وہ خوبصورت پرندہ ایک دم فضا سے اترا اور میری گود میں آن گرا۔

اس خواب کی انہوں نے یہ تعبیر نکالی کہ ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو گا جو اسلام کی خدمت کرے گا اور ناموری حاصل کرے گا۔ علامہ اقبالؒ کے والد کا یہ خواب پورا ہوا اور ان کے ہاں علامہ اقبالؒ پیدا ہوئے۔ اسی طرح علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کیلئے ایک الگ وطن کا خواب دیکھا جو پورا ہوا۔ علامہ اقبالؒ نے امت مسلمہ کی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔ آپؒ کو مطالعہ سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ ایک مرتبہ آپؒ مطالعہ میں مصروف تھے کہ بڑا زبردست زلزلہ آ گیا۔ مکان کی کھڑکیاں اور دروازے بجنے لگے۔ ملازم علی بخش بوکھلایا ہوا کبھی ایک کمرے سے دوسرے کمرے اور کبھی اوپر نیچے بھاگ دوڑ کرنے لگا۔ اقبالؒ بدستور مطالعے میں محو رہے۔ صرف ایک مرتبہ سر اٹھا کر علی بخش کی طرف دیکھا اور کہا "علی بخش! اس طرح بوکھلائے بوکھلائے نہ پھرو، سیڑھی کے پاس کھڑے ہو جاؤ"...... یہ کہہ کر دوبارہ مطالعے میں مصروف ہو گئے۔ یقیناً ایسے لوگ زندگی میں کارہائے نمایاں انجام دیا کرتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ کی زندگی سے ہمیں یہی پیغام ملتا ہے کہ

ایسے رہا کرو کہ کریں لوگ آرزو
ایسا چلن چلو کہ زمانہ مثال دے

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو پھر ملیں گے

------ ایڈیٹر بھیا



امانت کی واپسی

قرآنی کہانی

پروفیسر خالد پرویز

ایک دفعہ ایک قبرستان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ہوا۔ آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک خستہ حال شخص، ایک قبر کے پاس اعتکاف کی حالت میں بیٹھا رو رہا ہے۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا۔ اے شخص! تم کون ہو؟ اور یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ اور یہ قبر کس کی ہے؟ اس نے جواب دیا: یا حضرت! یہ قبر میری بیوی کی ہے اور جب یہ مرنے لگی تھی تو میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ تیری قبر پر اعتکاف کروں گا۔ اب میں اپنا وعدہ پورا کرنے کیلئے گھر بار چھوڑ کر اس جگہ معتکف ہوں۔ آپ کو اس پر اس قدر رحم آیا کہ فرمانے لگے: اے شخص! اگر تو اپنی نصف عمر، میری موجودگی میں اپنی عورت کو بخش دے تو میں اللہ تعالیٰ کے آگے دعا کر کے اس کو زندہ کرا دیتا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ: مجھے منظور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے خداوند قدوس و بے نیاز۔ اس مرد نے میرے سامنے نصف عمر اپنی زوجہ کو دے دی ہے اس کی عورت کو زندہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کی تو وہ عورت زندہ ہو کر چودھویں کے چاند کی طرح باہر آ گئی۔ اس کا خاوند بہت خوش ہوا۔ اگلے روز وہاں سے شہزادے کا گزر ہوا دونوں کو دیکھا تو عورت سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے۔؟ اس نے کہا کہ بچپن میں یہ شخص مجھے اغوا کر کے لے آیا تھا اور جگہ جگہ مجھے اپنے ساتھ پھرا رہا ہے۔ یہ چور ہے۔ شہزادے نے اس عورت کو اپنے ساتھ سوار کیا اور اپنے محل کی طرف چل پڑا۔ اتنے میں وہ شخص جاگ پڑا اور شہزادے کے پیچھے تیزی سے دوڑنے لگا اور کہتا تھا کہ اے شہزادے! یہ عورت میری منکوحہ ہے اس کو نہ لے جاؤ۔ شہزادے نے حکم دیا کہ اس شخص کو قید کر کے بادشاہ کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ سپاہیوں نے اسے زنجیروں سے جکڑ کر بادشاہ کے پاس حاضر کر دیا۔ بادشاہ نے دونوں کو عدالت میں سب کے سامنے کھڑا کر کے پہلے عورت سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ اس کو پہچانتی ہے؟ اس نے پھر وہی جواب دیا کہ یہ [illegible] شخص سے سوال کیا کہ کیا تو اس عورت کو پہچانتا ہے؟ اس نے [illegible] ہے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کیا تیرا کوئی گواہ ہے؟ اس نے کہا کہ [illegible]

اس پر سب حاضرین عدالت خاموش ہو گئے۔ بادشاہ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ معین نہیں کہاں سے تلاش کریں گے۔ اس نے کہا کہ میں دو روز تک ان کو تلاش کر کے لے آؤں گا۔ مجھے مہلت دے دیجئے! اگر نہ لا سکوں تو بے شک میں قتل کا سزاوار ہوں بہت تگ و دو کے بعد وہ تھک کر ایک درخت کے نیچے سو گیا۔ ادھر اس مکار عورت نے بادشاہ کو کہا کہ آپ نے اس چور کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس کو تلاش کر کے لائیں ایسا نہ ہو کہ وہ سزا سے بچ نکلے۔

بادشاہ نے ہر طرف سلطنت کے کونے کونے میں سپاہی دوڑائے آخر کار انہوں نے اس کو درخت کے نیچے سوتا ہوا دیکھ کر پکڑ لیا۔ اس کو گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس لے آئے بادشاہ نے پوچھا کہ پیغمبر خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گواہی کے طور پر کیوں پیش نہیں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اے بادشاہ وقت! میری سرگزشت سنو میں یہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جستجو کیلئے نکلا، بہتیرا تلاش کیا لیکن چونکہ وہ سیلانی پیغمبر ہیں ایک جگہ قیام نہیں کرتے میں تھک کر چور ہو گیا اور ایک درخت کے نیچے سو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جمال جہاں آرا کی زیارت سے مشرف ہوا اور تمام داستان الم ان کے گوش گزار کی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں کل صبح عدالت میں پہنچ جاؤں گا اور گواہی دے کر تیری خلاصی کراؤں گا۔ بادشاہ وقت کے پاس اب کوئی جواب نہ تھا اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد تک قید کر دیا۔ صبح ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی تشریف لے آئے اور ارکان دولت مع شاہ وقت، استقبال کیلئے گئے۔ قدم بوسی اور سلام و آداب کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تخت پر بٹھا دیا۔ پھر شریعت کی باتیں شروع کر دیں۔ بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آگے عرض کی کہ یہاں ایک شخص عورت کے اغوا کے الزام میں قید کیا گیا ہے۔ وہ ایک عورت پر دعویٰ کرتا ہے کہ یہ عورت اس کی منکوحہ ہے۔ لیکن عورت انکاری ہے۔ وہ کہتی ہے کہ یہ چور ہے۔ مرد کہتا ہے کہ میرا گواہ پیغمبر خدا عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یا حضرت! ان سے پوچھئے۔ دونوں کو حاضر کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ شخص سچ کہتا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عورت سے پوچھا کہ کیا یہ تیرا خاوند نہیں؟ اس نے کہا نہیں میرا خاوند شہزادہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو صرف اتنا کہہ دے کہ میں امانت اس کے سپرد کرتی ہوں۔ اس نے یہ الفاظ منہ سے کہہ دیئے اور زمین پر گر کر مر گئی۔ تمام حاضرین حیران و ششدر رہ گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔؟ فرمایا: اس مرد نے اپنی عورت کے زندہ ہونے کی التجا کی، یہ اس کی قبر کے سرہانے اس کی وفات کے بعد معتکف ہو کر رو رہا تھا۔ مجھے اس پر رحم آیا میں نے کہا کہ اس شرط پر زندہ کرتا ہوں کہ تو اپنی نصف عمر اپنی مردہ زوجہ کو بخش دے۔ اس نے منظور کیا۔ تو میری دعا سے اللہ تعالیٰ نے اس کو قبر سے زندہ باہر نکالا۔ اب اس نے جو کہا کہ میں امانت اس مرد کے سپرد کرتی ہوں۔ یعنی اس کی نصف عمر جو مجھے اس نے دی ہے، واپس کرتی ہوں پس وہ عہد اور امانت کے مطابق پھر مردہ ہو گئی۔ تمام لوگ عورت کی بے وفائی دیکھ کر رونے لگے اور مرد کو نصیحت کرنے لگے کہ خداوند قدوس کے سوا کسی کے ساتھ اتنی وابستگی نہ کرو۔



ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

محمد نوید مرزا

روزانہ کی طرح آج بھی تاج دین غباروں اور پلاسٹک کے کھلونوں سے بھرا ہوا بانس اٹھا کر شہر کے نسبتاً پوش علاقے سے گزر رہا تھا۔ اس کے یہ سستے کھلونے امیر غریب دونوں طرح کے بچے بڑے شوق سے خریدتے تھے۔ خوبصورت کھوٹیوں میں گھرے ہوئے اس علاقے کے بچے غریبوں کے بچوں کی طرح اس کے اردگرد جمع نہیں ہوتے تھے۔ مگر چند لمحوں کے لے اپنی بڑی بڑی کوٹھیوں سے باہر نکل کر اس سے غبارے کھلونے ضرور خریدتے تھے۔ بعض اوقات یہ بچے تاج دین کو فالتو پیسے بھی دیتے۔ لیکن وہ واپس لوٹا دیتا تھا۔ کیونکہ وہ رزق حلال کو اپنی زندگی میں بڑی اہمیت دیتا تھا۔ اور اپنے بچوں کو حرام کا ایک لقمہ بھی دینے کا روادار نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سارا دن گلی محلے میں آوازیں لگا کر کھولنے بیچتا تھا۔ اور جو رقم حاصل ہوتی اس سے اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پال کر خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کرتا تھا۔ آج بھی وہ اپنی روزی کے سلسلے میں گھر سے نکلا ہوا تھا۔ کہ اس نے دیکھا کہ سیٹھ یوسف کے بیٹے کامران کو دو افراد کاندھے پر اٹھائے ہوئے بڑی تیزی سے کوٹھی سے باہر نکل رہے ہیں۔ اور کامران بڑی طرح رو رہا ہے۔ تاج دین نے دیکھا کہ دونوں افراد کامران کو لے کر باہر کھڑی گاڑی میں بیٹھ گئے ہیں۔ تاج دین نے یہ منظر دیکھا تو بھاگا ہوا گاڑی کی طرف آیا لیکن اتنی دیر میں گاڑی چل پڑی تھی۔ تاج دین تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتا تھا۔ لہذا اس نے گاڑی کے پیچھے بھاگتے ہوئے جلدی جلدی اس کا نمبر ذہن نشین کر لیا۔ اور جیب میں پڑے ہوئے ایک پرانے سے کاغذ پر لکھ لیا اور کچھ سوچ کر سیٹھ یوسف کی کوٹھی کے اندر داخل ہو گیا جہاں سارے گھریلو ملازم زخمی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ دوسرے کمرے میں گیا تو بیگم یوسف کو ایک کرسی کے ساتھ رسیوں سے بندھا ہوا پایا۔ تاج دین نے بڑی مشکل سے ان کی رسیاں کھولدی۔ وہ اس وقت بہت خوفزدہ تھیں اور رو رہی تھیں۔ بیگم یوسف تاج دین سے اچھی طرح واقف تھیں۔ کیونکہ کامران تقریباً روزانہ اس سے کھلونے خریدتا تھا۔ اور تاج دین کو اس سے بڑی محبت تھی۔ تاج دین کو دیکھ کر بیگم یوسف کو کچھ حوصلہ ہوا اور وہ بولیں ”وقت ...... تاج دین۔ وہ ...... وہ...... میرے بچے کو لے گئے ہیں۔

”کون تھے وہ لوگ بیگم صاحبہ......“ تاج دین نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم...... لیکن وہ نوکروں کو زخمی کر کے اور مجھے یہاں باندھ کر کامران کو ساتھ لے گئے ہیں۔ اور جاتے ہوئے یہ کہہ گئے ہیں کہ پچیس لاکھ روپے دو گے تو تمھارا بچہ مل جائے گا۔ ورنہ ہم اس کی جان لے لیں گے“۔ یہ کہہ کر بیگم یوسف پھر رونے لگیں۔ تاج دین نے انہیں بتایا کہ اس نے اغوا کنندگان کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔ بیگم یوسف نے اس سے وہ نمبر لے لیا کہ شاید اسی طرح مجرموں کا کوئی سراغ مل سکے۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی بیگم یوسف نے بے چینی سے فون اٹھایا۔ دوسری طرف سیٹھ یوسف بول رہے تھے۔ کہ انہیں کسی نے فون کیا ہے کہ ہم تمہارا بیٹا گھر سے اغوا کر کے لے آئیں ہیں۔ اور پچیس لاکھ کے عوض اسے رہا کیا جائے گا ورنہ ہم اس کی جان لے لیں گے۔ میں نے ان سے چند گھنٹے کی مہلت مانگی ہے۔ تم فکر نہ کرو خدا بہتر کرے گا۔ بیگم یوسف نے اپنے شوہر کو بیٹے کے اغوا کی ساری کہانی سنا دی۔ اور تاج دین کا بتایا ہوا گاڑی کا نمبر بھی لکھوا دیا۔ سیٹھ یوسف نے فوری طور پر یہ نمبر سارے شہر کی پولیس کو نوٹ کروا دیا۔ کیونکہ ڈی ایس پی نواز خان ان کے دوست تھے۔ اس کام سے فارغ ہو کر سیٹھ یوسف ڈی ایس پی نواز خان کو ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ بیگم یوسف مسلسل رو رہی تھی' اور ایک کونے میں بیٹھا ہوا تاج دین انہیں حوصلہ دے رہا ہے کہ خدا نے چاہا تو کامران جلد مل جائے گا۔ تاج دین کو کامران اور اس سے کھلونے خریدنے والے دوسرے بچوں سے بہت محبت تھی۔ لہذا سیٹھ یوسف کے خاندان پر آنے والی ناگہانی آفت نے اسے اپنی روزی کی فکر بھی بھلا دی تھی۔ اور وہ وہیں بیٹھ گیا تھا۔ بیگم یوسف نے انہیں بتایا کہ گاڑی کا نمبر تاج دین نے انہیں بتایا ہے۔ سیٹھ یوسف بھی تاج دین

سے واقف تھے۔ لیکن ڈی ایس پی نواز خان اسے مسلسل گھور رہے تھے۔ اس وقت وہ گھر کے ملازمین سے کامران کے اغوا کے سلسلے میں پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ لیکن ابھی تک انہیں کوئی ایسا سراغ نہیں ملا تھا کہ جس سے رہنمائی حاصل کر کے وہ مجرموں تک پہنچ سکیں۔ اچانک ان کی نظریں تاج دین پر مرکوز ہو کر رہ گئیں اور وہ بولے "مجھے تو یہ شخص بھی مشکوک لگتا ہے"۔

"نہیں بھائی صاحب ...... یہ تو غریب آدمی ہے غبارے اور کھلونے بیچتا ہے۔ اتفاق سے یہاں سے گزر رہا تھا کہ کامران کو اغوا ہوتا دیکھ کر گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا اور مجھے بتانے یہاں آ گیا۔" بیگم یوسف نے کہا۔

"نہیں ...... نہیں میرا تجربہ کہتا ہے کہ ایسے لوگ مجرموں سے ملے ہوتے ہیں۔ کیا خبر اس نے آپ کو گاڑی کا نمبر غلط بتا دیا ہو تا کہ پولیس اس گاڑی کی تلاش میں لگی رہے اور اصل مجرم شہر سے باہر نکل جائیں۔" یہ کہتے ہوئے نواز خان نے ایک مرتبہ پھر تاج دین کو گھورا تو ایک لمحے کیلئے اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"یہ ٹھیک ہے نواز صاحب کہ آپ پولیس والے ہیں اور ہر ایک پر شک کی نگاہ سے دیکھنا آپ کی عادت میں شامل ہے لیکن یہ بیچارا تو غریب آدمی ہے اور یہ ایسا شخص نہیں ہو سکتا"۔ سیٹھ یوسف نے کہا۔

"ایسا ممکن ہو سکتا ہے ...... کیوں بھئی کون ہو تم ...... اور کیا چکر چلا رکھا ہے ...... صاف صاف اپنے ساتھیوں کے نام اور ان کا پتہ بتا دو اور یہ بھی کہ کامران کو کہاں چھپا رکھا ہے۔" ڈی ایس پی نواز خان نے تاج دین کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

"صاحب ...... صاحب جی ...... م ...... میں ...... تو ایک غریب آدمی ہوں اور گلی گلی بچوں کو کھلونے بیچ کر اپنا اور بچوں کا بمشکل پیٹ پالتا ہوں۔" تاج دین نے سہمے ہوئے انداز میں کہا اور نواز خان کا شک جیسے یقین میں بدل گیا اور وہ بولے "تمہارے جیسے لوگ ہی چند سکوں کے غرض بک جاتے ہیں۔ جلدی بتاؤ کامران کہاں ہے ورنہ تمہاری کھال کھینچ دی جائے گی۔"

"م ...... میں ...... جی ...... میں ...... تو ...... کچھ نہیں جانتا" تاج دین اس اچانک آفتاد سے گھبرا گیا تھا۔ اور سیٹھ یوسف کو بھی اس پر شک ہونے لگا تھا۔ لیکن بیگم یوسف بدستور کہتی جا رہی تھیں کہ تاج دین بے چارا غریب اور معصوم ہے اور یہ بے قصور ہے آپ اصل مجرموں کو تلاش کریں۔

"اصل مجرم یہی ہے بس اسے ذرا ڈرائنگ روم کی سیر کروانی پڑے گی" نواز خان کا ایک ماتحت بولا۔

"میرا خیال ہے سر اس سے یہاں ہی تفتیش کر لیتے ہیں۔" نواز خان کا دوسرا ماتحت بولا یہ دونوں ماتحت اس کے ساتھ ہی آئے تھے۔ کچھ توقف کے بعد نواز خان بولا۔ "ٹھیک ہے آپ اس سے اپنے طور پر پوچھ گچھ کرو لیکن ذرا ہلکا ہاتھ رکھنا۔ میرا خیال ہے یہ جلد ہی سب کچھ اگل دے گا۔" نواز خان کا یہ حکم سن کر دونوں ماتحت آگے بڑھے اور تاج دین کو گھسیٹتے ہوئے دوسرے کمرے کی طرف لے گئے۔ وہ بے چارا چیختا ہی رہ گیا' بیگم یوسف بھی بہت برہم ہوئیں کہ اس غریب کو چھوڑ دیں لیکن ڈی ایس پی بضد رہا کہ یہ مجرموں کا ساتھی ہے۔ حالانکہ انتظار کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ گاڑی کا نمبر سارے شہر کو موبائل پولیس' ناکوں اور شہر سے باہر جانے والے راستوں پر بنی چیک پوسٹوں کو بتا دیا گیا تھا۔ اور مجرم کسی وقت بھی گرفتار ہو سکتے تھے۔ دونوں ماتحت تاج دین کو کوٹھی کے ایک کمرے میں لے گئے اور تشدد کے ذریعے اس سے پوچھ گچھ شروع کر دی تاج دین بے چارا تکلیف سے رونے لگا۔ شاید اس کا مقدر اچھا تھا کہ اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی' پولیس کے محکمے کا کوئی سپاہی کہہ رہا تھا کہ ہم نے آپ کے بتائے ہوئے نمبر والی گاڑی پکڑ کر نہ صرف مجرم گرفتار کر لئے ہیں۔ جبکہ کامران کو بھی ان کی قید سے رہا کروا لیا ہے فون سیٹھ یوسف نے اٹھایا تھا اور اب نواز خان ٹیلی فون پر گفتگو کر رہے تھے اتنی دیر میں بیگم یوسف تاج دین کو دونوں سپاہیوں کے شکنجے سے چھڑا لائی تھیں۔ اور اب سیٹھ یوسف' نواز خان اور ان کے ماتحت سر جھکائے ہوئے شرمندہ کھڑے تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد پولیس کے چند سپاہی اور ایک انسپکٹر کامران کو اپنے ساتھ لے کر سیٹھ یوسف کے گھر پہنچ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ مجرموں پر سختی کرنے سے انہیں معلوم ہوا ہے کہ سیٹھ یوسف کے ایک کاروباری حریف نے انہیں کامران کو اغوا کرنے کا کہا تھا۔ اور تاوان لیکر بھی کامران کو مار دیا جائے۔ ساری گفتگو ایک نقاب پوش آدمی کے ذریعہ ہوئی تھی۔ اور یہ بات ہمیں معلوم نہیں ہو سکی کہ وہ کون ہے جو سیٹھ یوسف کو پریشانیوں کے گڑھے میں دھکیلنا چاہتا ہے یہ کہہ کر انسپکٹر خاموش ہو گیا لیکن سیٹھ یوسف بہت شرمندگی محسوس کر رہے تھے بیگم یوسف نے ہاتھ جوڑ کر تاج دین سے معافی مانگی تھی۔ حالانکہ وہ تو پہلے ہی اسے بے گناہ سمجھ رہی تھیں۔

تاج دین کی وجہ سے کامران کی زندگی بچ گئی اور پورا خاندان ایک بڑی آزمائش سے بچ گیا تھا۔ تاج دین خاموش تھا۔ مگر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی وہ کامران کو وہاں دیکھ کر اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی بھی بھول چکا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کامران کو پیار کیا اور بہت سے کھلونے اور غبارے اس کے ہاتھ میں پکڑا کر گھر سے باہر جانے لگا کہ سیٹھ یوسف نے اسے روک لیا اور بولے "بھئی ہم سب کو معاف کر دو۔ دراصل ہم شدید غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔ یہ کچھ پیسے رکھ لو تا کہ کوئی دوکان لے کر بہتر کام کر سکو"۔ یہ کہہ کر سیٹھ نے نوٹوں کی ایک گڈھی نکال کر تاج دین کے ہاتھ پر رکھ دی۔ تاج دین نے ایک نظر سیٹھ یوسف کی طرف دیکھا اور بولا" سیٹھ صاحب! آپ کا بہت بہت شکریہ میں اپنے اس چھوٹے سے کام میں بہت خوش ہوں اور اس محنت سے جو مجھے حاصل ہوتا ہے اسی سے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ گلی گلی محلے محلے پھرنا میری عادت ہو گئی ہے۔ کیونکہ مجھے یہ سب بچے اپنے بچوں کی طرح عزیز ہیں میں ان کو دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا"۔ یہ کہہ کر تاج دین نے روپے کامران کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور ایک مرتبہ پھر پیار سے اس کا ماتھا چوما۔ ایک معمولی محنت کش بظاہر بڑے بڑے باحیثیت لوگوں کو ان کی اپنی ہی نگاہوں میں حقیر بنا کر وہاں سے چلا گیا۔

اچھا رسالہ

دنیا میں سب سے اچھے کام دو ہیں' ایک تو اخلاق و کردار کی اصلاح' دوسرے علم کی روشنی پھیلانا۔ یہ دونوں کام ملے جلے ہیں۔ ایک سے دوسرے کا تعلق بہت گہرا ہے اخلاق و کردار کے لئے علم کی ضرورت ہے اور علم سے اخلاق کو بنانے سنوارنے میں مدد ملتی ہے۔ علم کی اشاعت کے بہت سے ذریعے ہیں۔ رسالوں کی اشاعت بھی علم کو پھیلانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اچھا رسالہ نکالنا بڑا مشکل کام ہے۔ ان میں بڑی محنت اور بڑے صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر رسالے نکالنے والے ذرا بھی سیدھے راستے سے ہٹ جائیں تو نہ جانے کتنوں کو بہکا دیں۔ بچوں کے رسالوں میں خاص طور پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچے ہمارا بڑا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں ان کے لئے جو رسالہ شائع کیا جائے اس میں خلوص اور سچائی کے علاوہ لگن اور ہمت بھی درکار ہوتی ہے۔

بچوں کا اچھا رسالہ جو خدمت سرانجام دیتا ہے وہ ایک لحاظ سے کتابوں سے بھی زیادہ اہم ہے۔ رسالہ چوں کے ہر مہینے شائع ہوتا ہے اس لئے بچے اس کا انتظار کرتے ہیں اور جن بچوں کو رسالہ پسند آ جائے وہ اس کو پابندی سے پڑھتے ہیں۔ بچپن میں مطالعے کی عادت ہو جائے تو وہ عمر بھر قائم رہتی ہے۔ کتابوں کے مقابلے میں رسالوں میں رنگا رنگی اور تنوع ہوتا ہے اس لئے ان کا مطالعہ بہت مفید ہوتا ہے۔

(شہید حکیم محمد سعید کی کتاب "کتاب دوستاں" سے سید مسندس گیلانی کا انتخاب)

محمد بدر منیر

شیر بنگال مولوی فضل الحق





ان کی ذاتی امداد سے پچاس ہزار سے زائد مسلم نوجوانوں نے گریجویشن کی

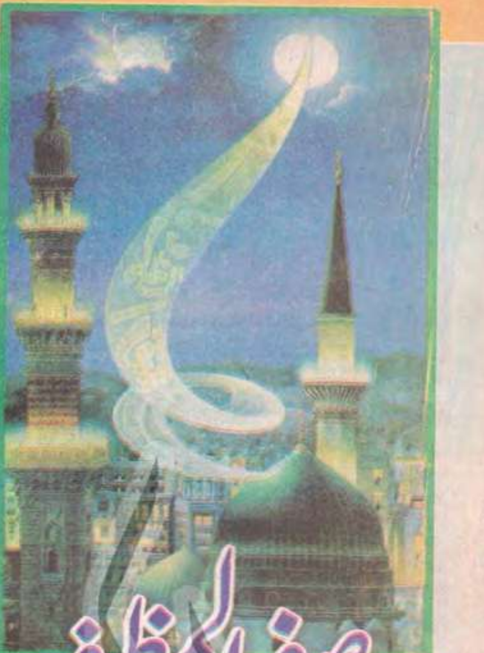
بنگال کے ایک دور افتادہ ضلع باریسال کے ایک گاؤں موضع چک سواری میں ایک خوش حال لیکن دردمند اور مخلص قوم خاندان میں ایک نومولود کی آمد کا جشن منایا جارہا تھا۔ دادا نے اس نومولود کے کان میں اذان دے کر جشن کا آغاز کیا۔ حویلی کے صحن میں گاؤں کے لوگ دریوں اور چٹائیوں پر بیٹھے اس نومولود کو خوش آمدید کہنے کیلئے قرآن حکیم کی تلاوت کر رہے تھے اور پھر دعا کے بعد اس تقریب کا اختتام ہوا تو دادا نے اعلان کیا کہ نئے مہمان کا نام فضل الحق ہے۔ اور اس کی کنیت ابوالقاسم پورا نام ابوالقاسم فضل الحق ہوگا۔ سب نے دعا کی کہ فضل الحق ملک اور قوم، اپنے گاؤں، خاندان اور اسلام کے لئے مسعود ثابت ہو...... یہ دعا سینکڑوں افراد کی تلاوت قرآن کے بعد پورے خلوص دل سے کی گئی تھی۔ اس لئے بارگاہ خداوندی میں باریاب اور قبولیت کے شرف سے مشرف ہوئی۔

فصل الحق نے گاؤں کے صحت مند ماحول میں ابتدائی تعلیم قرآن حکیم کی تلاوت سے شروع کی، دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہیں باریسال کے اسکول میں داخل کر دیا گیا اور پھر یہاں سے فارغ ہونے کے بعد انہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے چچا کے ساتھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھیج دیا گیا۔ علی گڑھ ان دنوں برصغیر ہندوستان کے ذہین ترین مسلم نوجوانوں کی تربیت گاہ بھی تھی۔ فضل الحق بھی اپنے اعلیٰ اخلاق اور ذہانت کے باعث طلبہ اور اساتذہ میں بے حد مقبول ہوئے۔ وہ اپنی جیب خرچ کا زیادہ تر حصہ اپنے ایسے دوستوں پر خرچ کرتے تھے جن کے وسائل محدود تھے...... اور پھر یہیں سے ان کی عظمت اور انسان دوستی کے سفر کا آغاز ہوا۔ فضل الحق اپنی آپ بیتی میں بیان کرتے ہیں۔

"مجھے سب سے زیادہ متاثر مولانا الطاف حسین حالی کی مسدس نے کیا۔ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے مسدس خود مولانا کی اپنی زبان سے سنی اور پھر میں نے عہد کیا کہ میں مسلمانوں کو اس دلدل سے نکالنے کیلئے اپنی تمام زندگی صرف کر دوں گا۔ جس میں وہ انگریزوں کی غلامی اور محکومی کے باعث پھنس چکے ہیں۔ میں نے یہی سوچا کہ مسلمانوں کی [illegible] کی اصل وجہ جہالت ہے اور جہالت کا یہ اندھیرا علم کی روشنی ہی سے دور ہوگا۔ میں نے یہ عہد کیا کہ میں ذہین اور محنتی نوجوانوں کو تعلیم کی طرف راغب کروں گا۔"

فضل الحق نے علی گڑھ کے لاء کالج سے وکالت کا امتحان بڑے اعزاز کے ساتھ پاس کیا اور پھر وہ اپنے آبائی شہر باریسال میں وکالت کرنے لگے۔ لیکن انہوں نے جلد ہی محسوس کیا کہ انہیں صوبائی دارالحکومت کلکتہ میں ڈیرہ لگانا چاہیے جو ان دنوں تمام سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ کلکتہ میں وہ جلد ہی مشہور ہو گئے اور انہوں نے وکالت کے علاوہ سیاست اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے قائم اداروں کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ کلکتہ میں انہوں نے رکشہ کھینچنے والوں کی ایک یونین بنائی جس کا مقصد ان مظلوموں کے حقوق کی بازیابی تھی۔ اس یونین کے ارکان کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی۔ جس میں سال بہ سال اضافہ ہوتا رہا۔ یونین نے اپنے ایک بڑے اجتماع میں ابوالقاسم فضل الحق کو تاحیات اپنا صدر منتخب کر لیا اور انہیں "شیر بنگال" کا خطاب دیا۔ یہ خطاب ان کے نام کا جزو بن گیا یہاں تک کہ اکثر لوگ ان کا نام بھول گئے اور انہیں شیر بنگال کے نام سے یاد کرنے لگے۔ شیر بنگال متحدہ بنگال کے پہلے وزیراعظم منتخب کیے گئے تو انہوں نے ساہوکار سسٹم اور بڑے زمینداروں کے مظالم سے عام لوگوں کو نجات دلائی۔ 1938ء کے سرکاری اعلان کے مطابق وزیراعظم کے اسی اقدام سے ایک کروڑ افراد کو نجات ملی۔ انہوں نے بنگال کے وزیراعظم کی حیثیت سے عام لوگوں اور خاص طور پر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کئی کارنامے سرانجام دیئے۔ انہیں تعلیم کی اہمیت کا شعور دیا چنانچہ صرف ان کے اقتدار کے دوران بنگال میں تین ہزار کے لگ بھگ مڈل اور ہائی سکول قائم کیے گئے۔ ہزاروں نادار طلبہ کیلئے وظائف جاری کیے گئے اور انہیں حصول تعلیم میں سہولت دینے کیلئے کئی دوسرے اقدام اٹھائے گئے۔

شیر بنگال کا سب سے بڑا سیاسی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے [illegible] اجلاس میں مسلمانوں کیلئے علیحدہ وطن کا مطالبہ کرنے کیلئے قرارداد پیش کی۔ مسلم لیگ کے اس اجلاس کی صدارت قائداعظم کر رہے تھے۔ اس قرارداد نے شیر بنگال کے سیاسی قد و قامت میں اضافہ کیا۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے چند سال خاموشی سے گزارے پر وہ مشرقی پاکستان کے وزیراعلیٰ، پھر گورنر اور بعد ازاں پاکستان کے وزیر داخلہ بھی مقرر ہوئے۔ لیکن ان تمام عہدوں اور سیاسی اثر و رسوخ سے انہوں نے کوئی ذاتی فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ اپنی آمدنی کا زیادہ تر حصہ مستحق طلبہ کی امداد و اعانت پر خرچ کرتے رہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، کلکتہ یونیورسٹی اور بعد ازاں ڈھاکہ یونیورسٹی سے ان کی ذاتی امداد و اعانت سے 54 ہزار تا 56 ہزار مسلم نوجوانوں نے گریجویشن کی۔ وہ طلبہ کی امداد کیلئے سود خوروں سے بھی قرض تک لینے میں گریز نہیں کرتے تھے۔ جب 27 اپریل 1964ء کو ان کا ڈھاکہ میں انتقال ہوا تو وہ سود خوروں کے ستر لاکھ روپے کے مقروض تھے جو بعد ازاں ان کے فرزند پروفیسر اے کے فیض الحسن نے بیس سال میں ادا کئے۔ 1964ء میں وہ مشرقی پاکستان کے گورنر کے اصرار کے باوجود انہوں نے قرض کی ادائیگی کیلئے سرکاری پیش کش قبول نہیں کی۔ جب شیر بنگال کا انتقال ہوا تو انکی خبر پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ڈھاکہ شہر کی تنگ و تاریک گلی میں واقع ان کے ایک چھوٹے سے گھر سے جب ان کا جنازہ برآمد ہوا تو پورا شہر سڑکوں پر امنڈ آیا تھا۔ دس لاکھ سے زیادہ سوگوار ننگے سر اور ننگے پاؤں ان کے جنازے میں شریک ہوئے اور ان دس لاکھ افراد میں صوبے کا گورنر بھی ننگے پاؤں اور ننگے سر شامل تھا۔ سپریم کورٹ بنگلہ دیش کے احاطے میں وہ اپنے وقت کے دو اور رہنماؤں کے قریب ہی آسودہ خاک ہیں۔



صفر المظفر

دوسرے اسلامی مہینہ کا نام صفر ہے۔ یہ صفر بالکسر سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی خالی ہے۔ یہ مہینہ ماہ محرم کے بعد آتا ہے۔ محبوب خداﷺ کی بعثت سے قبل ماہ محرم میں جنگ حرام تھی۔ مگر جب صفر کا مہینہ آتا تو عرب جنگ کے لئے چلے جاتے اور گھروں کو خالی چھوڑ جاتے۔ اس لئے اس کو صفر کہتے ہیں۔

ماہ صفر کے نوافل مع فضائل:

ماہ صفر کی پہلی رات میں بعد نماز عشاء ہر مسلمان کو چاہئے کہ چار رکعت اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت بعد سورہ الفاتحہ کے پندرہ مرتبہ سورہ الکافرون اور دوسری میں پندرہ مرتبہ سورہ الاخلاص اور تیسری میں پندرہ مرتبہ سورہ الفلق، چوتھی میں پندرہ مرتبہ سورہ الناس پڑھے۔ بعد سلام کے چند بار پڑھے:

ایاک نعبد وایاک نستعین۔ کہے۔

پھر ستر مرتبہ درود شریف پڑھے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ہر بلا اور آفت سے محفوظ رکھے گا اور ثواب عظیم عطا فرمائے گا۔ (راحۃ القلوب)

ماہ صفر میں آخری چہار شنبہ کی نماز:

صبح غسل کر کے وقت چاشت دو رکعت نفل گیارہ گیارہ مرتبہ سورۃ الاخلاص کے ساتھ پڑھے بعد سلام کے ستر مرتبہ درود پاک پڑھے۔

اللھم صل علی محمد ن النبی الامی وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اللھم صرف عنی سوء ھذا الیوم واعصمنی من سوءہ ونجنی عما اصاب فیہ من نحوساتہ وکرباتہ بفضلک یا دافع الشرور ویا مالک النشور یا ارحم الرحمین وصلی اللہ علی محمد والہ الامجاد وبارک وسلم۔

ترجمہ: اے اللہ! دور رکھ مجھ سے برائی اس دن کی اور بچالے تو اس کی برائی سے اور نجات دے مجھ کو اس چیز سے کہ جو پہنچے اندر اس کے نحوست اور سختیوں سے اپنے فضل سے اے شروں کے دور کرنے والے اور اے مالک قیامت کے اے سب مہربانوں سے مہربان صلوٰۃ اور برکت اور سلامتی نازل فرما محمدﷺ اور آپﷺ کی آل پر جو بہترین خلائق ہیں۔ (راحۃ القلوب۔ جواہر غیبی)

دو رکعت نفل اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں بعد سورۃ الفاتحہ کے تین تین مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھے۔ بعد سلام سورۃ الشرح، سورۃ التین، سورۃ النصر اور سورۃ الاخلاص ان سب کو اسی اسی مرتبہ پڑھے اللہ تبارک وتعالیٰ اس نماز کی برکت سے اس کے دل کو غنی کر دیں گے۔ (جواہر غیبی)

طلوع آفتاب کے بعد چہار گانہ نفل ادا کرے۔ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الکوثر سات مرتبہ اور سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پانچ پانچ مرتبہ پڑھے۔ بعد سلام یہ دعا تین مرتبہ پڑھے تو وہ بشر مع اپنے لواحقین کے دارالامان میں رہے۔

دعا یہ ہے:

یا شدید القوی یا شدید المحال یا عزیز ذلت لعزتک جمیع خلقک اکفنی بفضلک یا محسن یا مجمل یا مفضل یا منعم یا مکرم یا لا الہ الا انت برحمتک یا ارحم الراحمین۔

وضو کی اہمیت

وضو کرنے کا طریقہ اور فوائد

وضو سے پہلے کی دعا: بسم اللہ والحمد للہ۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ وضو کرنے سے پہلے کوئی بھی شخص یہ دعا پڑھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نورانی فرشتے جب تک اس کا وضو قائم رہے گا نیکیاں لکھتے رہیں گے (طبرانی)

ہاتھ دھونا

سب سے پہلے دائیں ہاتھ پر پانی ڈالیں تو پڑھیں:

اللھم اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابا یسیرا۔

ترجمہ: اے اللہ میرا نامۂ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دینا اور میرا حساب آسان کر دینا۔

بائیں ہاتھ پر پانی ڈالیں تو یہ پڑھیں:

اللھم انی اعوذ بک ان تعطینی کتابی بشمالی او من ورآء ظھری۔

ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس امر سے کہ مجھے بائیں ہاتھ میں نامہ نہ دیا جائے۔

جب ہم وضو کے لئے ہاتھ دھوتے ہیں تو انگلیوں کے پوروں میں سے نکلنے والی شعاعیں ایک ایسا حلقہ بنا لیتی ہیں جس کے نتیجے میں ہمارے اندر دوڑنے والا برقی نظام تیز ہو جاتا ہے۔ اور برقی رو ایک حد تک ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے۔ اس عمل سے ہاتھ خوبصورت ہو جاتے ہیں۔

کلی کرنا: منہ میں پانی ڈالتے وقت یہ پڑھیں:

اللھم اعنی علی تلاوۃ القرآن وذکرک وشکرک وحسن عبادتک۔

ترجمہ: اے اللہ! میری مدد کر اس امر میں کہ میں ترا ذکر اور شکر کرتا رہوں اور تیرا کلام پاک پڑھتا رہوں۔

ہاتھ دھونے کے بعد ہم کلی کرتے ہیں۔ کلی کرنے سے جہاں منہ کی صفائی ہوتی ہے وہاں دانتوں میں چمک بھی پیدا ہوتی ہے۔ قوت ذائقہ بڑھ جاتی ہے اور انسان ٹانسلز کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ تین بار کلی کی جائے۔

ناک میں پانی ڈالنا۔ تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا جائے۔ پھر یہ دعا پڑھی جائے۔ اللھم ارحنی رآئحۃ الجنۃ ولا ترحنی رآئحۃ النار وانت راض عنی۔

ترجمہ: اے اللہ! مجھے جنت کی خوشبو دینا اور دوزخ کی بو نہ دینا اور تو مجھ سے راضی رہ۔

جب کوئی نمازی وضو کرتے وقت ناک کے اندر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے اندر کام کرنے والی برقی رو ان غیر مرئی رووں کی کارکردگی کو تقویت پہنچاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان بے شمار پیچیدگیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

چہرہ دھونا: تین بار چہرہ دھویا جائے اور یہ دعا پڑھیں:

اللھم بیض وجھی بنورک یوم تبیض وجوہ اولیآئک۔

ترجمہ: اے اللہ میرے چہرے کو اپنے دوستوں کے چہرے کے نور سے سفید کر دے۔

بعض یہ دعا پڑھتے ہیں۔ اللھم بیض وجھی یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ۔

چہرہ دھونے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے عضلات میں لچک اور چہرہ کی جلد میں نرمی اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔ گرد و غبار سے بند مسامات کھل جاتے ہیں۔ چہرہ بارونق پرکشش اور باوقار ہو جاتا ہے۔ دوران خون کم یا زیادہ ہو تو اس کے اندر اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ منہ دھوتے وقت جب آنکھوں میں پانی جاتا ہے تو آنکھوں کو تقویت ملتی ہے۔ ڈھیلے میں سفیدی اور پتلی میں چمک آ جاتی ہے۔ وضو کرنے والے بندے کی آنکھیں پرکشش خوبصورت اور پرخمار ہو جاتی ہیں۔ چہرہ پر تین بار ہاتھ پھیرنے سے دماغ پرسکون ہو جاتا ہے۔

بازو دھونا: تین تین بار پہلے دائیں اور پھر بائیں بازو پر پانی گراتے وقت یہ پڑھیں:

اے اللہ! میرے بازوؤں کو نیک اعمال کی توفیق دے۔

پاؤں دھوتے وقت بھی یہی پڑھے کہ الٰہی مجھے نیک کاموں میں چلنے کی توفیق دے اور برائی کی طرف میرے پاؤں کو نہ چلنے دے۔

کہنیوں تک ہاتھ دھونے میں یہ مصلحت پوشیدہ ہے کہ اس عمل سے آدمی کا تعلق براہ راست سینے کے اندر ذخیرہ شدہ روشنیوں سے قائم ہو جاتا ہے اور روشنیوں کا ہجوم ایک بہاؤ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس عمل سے ہاتھوں کے عضلات اور طاقتور بن جاتے ہیں۔

مسح کرنا۔

دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا جائے۔

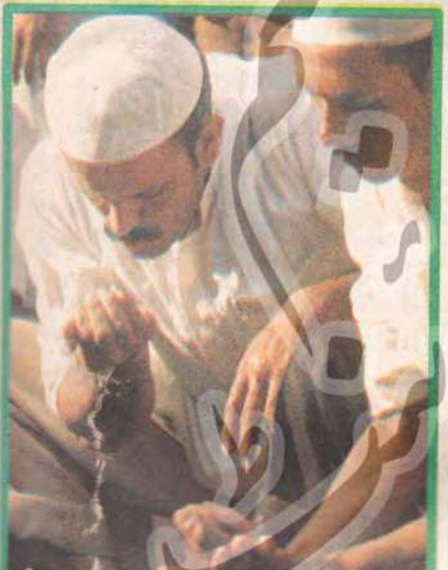
وضو کی نیت دراصل ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے لئے کر رہے ہیں۔ وضو کے ارکان پورے کرنے کے بعد جب ہم سر کا مسح تک پہنچتے ہیں تو ہمارا ذہن غیر اللہ سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی ذات میں مرکوز ہو چکا ہوتا ہے۔ مسح کرتے وقت جب سر پہ ہاتھ پھیرتے ہیں تو سر کے بال جو کہ انٹینا کا کام دیتے ہیں اور دماغ ہمیں اطلاعات فراہم کرتا ہے بھوک، خوشی، غمی وغیرہ تو وہ بہت جلد ان اطلاعات کو قبول کر لیتا ہے جو ہر قسم کی کثافت، محرومی اور اللہ سے دوری کے متضاد ہیں۔ یعنی بندہ کا ذہن اس اطلاع کو قبول کرتا ہے جو مصدر اطلاعات (اللہ تعالیٰ) سے براہ راست ہم رشتہ ہے۔

گردن کا مسح کرنا:

سر کے مسح کے بعد ہاتھوں کی پشت کو گردن کے پیچھے سے ذرا آگے تک پھیرا جاتا ہے۔ ماہرین روحانیات نے انسانی جسم کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصہ "حبل الورید" ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "میں رگ جاں سے زیادہ قریب ہوں"۔ یہ رگ جاں (حبل الورید) سر اور گردن کے درمیان میں واقع ہے۔ گردن کا مسح کرنے سے انسانی جسم کو ایک خاص توانائی حاصل ہوتی ہے۔ جس کا تعلق ریڑھ کے اندر حرام مغز اور تمام جسمانی جوڑوں سے ہے۔ جب نمازی گردن کا مسح کرتا ہے تو ہاتھوں کے ذریعے برقی رو نکل کر رگ جان میں ذخیرہ ہو جاتی ہے۔ ریڑھ کی ہڈی کو اپنی گزرگاہ بناتے ہوئے جسم کے پورے اعصابی نظام میں پھیل جاتی ہے۔ جس کے ذریعے اعصابی نظام کو توانائی ملتی ہے۔

پاؤں کا دھونا:

جیسا کہ اوپر لکھا ہے دماغ اطلاعات قبول کرتا ہے۔ اور یہ اطلاعات



لہروں کے ذریعے منتقل ہوتی ہیں۔ اطلاع کی ہر لہر ایک وجود رکھتی ہے۔ وجود کا مطلب متحرک ہے۔ قانون یہ ہے کہ روشنی، ہوا اور پانی کے لئے بہاؤ ضروری ہے اور بہاؤ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی مظہر بنے اور وہ خرچ ہو، جب کوئی بندہ پاؤں دھوتا ہے تو زائد روشنیوں کا ہجوم پاؤں کے ذریعے ارتھ ہو جاتا ہے اور جسم انسانی زہریلے مادوں سے محفوظ رہتا ہے۔

وضو سے فارغ ہو کر آسمان کی طرف شہادت کی انگلی بلند کر کے اور چہرہ اٹھا کر کلمہ شہادت پڑھیں اور یہ دعا بھی پڑھیں۔

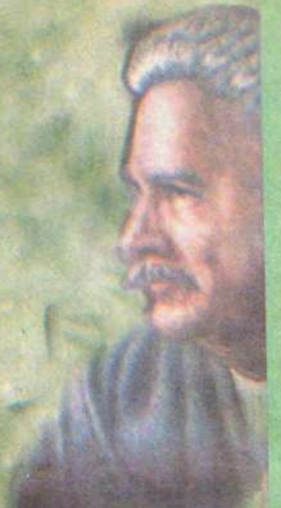
اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین واجعلنی من عبادک الصالحین۔

پھر ایک مرتبہ سورہ القدر (انا انزلنہ فی لیلۃ القدر......) پڑھیں۔

پھر خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کریں کہ اس نے اچھی طرح وضو کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ دعائیں خود رسول پاکﷺ کے عمل سے ثابت ہیں۔ اگر دعائیں نہ پڑھ سکیں تو اپنی زبان سے مفہوم ادا کریں۔

☆☆☆☆





اقبال کے لیے ایک نظم

ہم بے چہرہ لوگ تھے، لیکن
تونے اک دن خواب میں دیکھا
کوئی ہمارا چہرہ ہو
اس چہرے پر عظمت کا اک سہرا ہو
تونے اپنا خواب سنایا
اس کو، جو تعبیر بھی کرنا جانتا تھا
ذہنوں کی تعمیر بھی کرنا جانتا تھا
موجوں کو زنجیر بھی کرنا جانتا تھا
تیز ہوا تسخیر بھی کرنا جانتا تھا
اس نے ہمارے جسم پر اپنے ہاتھوں سے
اک چہرہ سجایا
آنکھیں بنائیں تاکہ ہم انوارِ سحر کو دیکھ سکیں
دشتِ فلک کے ڈوبتے چڑھتے شمس و قمر کو دیکھ سکیں
اپنی ذات کو دیکھ سکیں اور اپنے گھر کو دیکھ سکیں
اس نے ہمارے ہونٹ بنائے
تاکہ ہم کچھ بول سکیں
جنسِ سخن کو معنی کے میزان میں رکھ کر تول سکیں
کاسۂ شب میں مہرِ عالمتاب کی کرنیں گھول سکیں

لیکن ہم نے اپنا چہرہ
اپنے ہاتھوں سے خود نوچ لیا ہے
اپنی بربادی کا اپنے ہاتھوں سے سامان کیا ہے
ہاتھ ہمارے خودغرضی کے ہاتھ
ہاتھ ہمارے جھوٹ، تعصب اور ریاکاری کے ہاتھ
مکر سے یاری، سچ سے بےزاری کے ہاتھ
دھوکہ دہی کی دیواروں پر گلکاری کے ہاتھ
خرقۂ فقر کے اندر خواہش زرداری کے ہاتھ
ہم نے ان ہاتھوں سے اپنے چہرے کو بے نور کیا ہے
اپنی ذات کو حرص ہوس کے زنداں میں محصور کیا ہے
ہم پر خودغرضی نے اپنا وار بڑا بھرپور کیا ہے
میرے شاعر میرے مغنی
تیرے جن نغموں نے ہم کو نیندوں سے بیدار کیا تھا
تیرے جن گیتوں نے ہماری روحوں کو سرشار کیا تھا
ان گیتوں ان نغموں کی لے
اب بھی سریلی ہے لیکن
ہم میں اب وہ تاب نہیں ہے
سامنے کوئی خواب نہیں ہے

محسن احسان











نئی کہانی

صوفیہ شاذ

یہ نیا سال کیا ہوتا ہے؟ شاید کوئی نئی کتاب اور نئی کاپی جیسا ہوتا ہے۔ جس میں کچھ نیا پن سا ہو...... کچھ نیا جاننے والے اور کرنے کو ہو پڑھنے اور لکھنے کو ہو...... جیسے سال کے بارہ مہینے ایسے ہی زندگی کے نا جانے کتنے ادوار ہوتے ہیں۔ زندگی بھی تو ایک کتاب اور کاپی کی طرح ہے۔ کھول کر نیا باب پڑھا جائے جو اللہ نے لکھ دیا اور اس پر عمل کر کے وہ تحریر کر دیا جائے جو نیا کیا جائے...... یوں زندگی کے ابواب لکھے جاتے ہیں اور جو لکھے ہوں وہ پڑھے جاتے ہیں۔ بات اتنی سی ہے کہ ہم کیا لکھیں...... میرا جی چاہتا ہے کہ زندگی کی اس خوبصورت کتاب کے ہر صفحے پر اللہ، محمد ﷺ لکھا ہو گویا پیار سے شروع اور پیار ہی تکمیل!!

کون کتنے نئے سال دیکھے گا کسے معلوم۔ ان لمحوں میں ایسا کریں کہ ہم اپنی اپنی سوچیں اور خوابوں کی گٹھریاں باندھ کر اللہ جی کو دے دیں۔ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیں کہ مالک اپنے رستے پہ لے چل اور ہمارے خوابوں کو روشنی دے دے۔ یقین مانیئے وہ زندگی کو روشنی سے بھر دے گا۔

ہاں وہ آزماتا بھی ہے۔ کبھی کبھار جب ہمارے کام اسے پسند نہیں آتے تو وہ ہماری صفائی کرتا ہے۔ وہ نفاست پسند ہے۔ ہمیں دھوتا ہے۔ ہر طرح سے جیسے دھوبی کپڑوں کا میل دھوتا ہے۔ وہ ہمارے دل کے داغ صاف کرتا ہے اور اس کیلئے اسے ہمیں رگڑنا پڑتا ہے گھبرایئے گا مت!

کبھی کبھی آزمائش میں ڈالتا ہے تو صرف مخلص بنانے کے لئے۔ وہ دیکھتا ہے سونا بھٹی میں تپ کر اور سوہنا ہو جاتا ہے۔ سونا ہی رہتا ہے مگر خالص سونا ہو جاتا ہے۔ کندن بن جاتا ہے تو کیا میرا بندہ آزمائش کی بھٹی میں رہ کر میرا سوہنا بندہ بنتا ہے؟ کیا خالص ہو جاتا ہے؟ کیا محبوب بن جاتا ہے؟۔ ہر شاعر اپنی کتاب کا ٹائٹل شعر دیتا ہے۔ ہر قلمکار کوئی بیان لکھتا ہے پھر اس کتاب پہ کچھ معروف شخصیات کا تبصرہ بھی ہوتا ہے۔ گویا اس شاعر یا قلمکار کی تعریف اس کے کام کی اچھائی کا ثبوت ہوتا ہے۔

میرا جی چاہتا ہے میں پوچھوں جب ہم اپنے ہر نئے سال کی کتاب مکمل کر لیتے ہیں تو اس پہ ٹائٹل شعر بھی ہوتا ہو گا یہ کیسا ہو گا کہ کتاب کی پہچان بنے۔ اس پہ تبصرہ کرنے والے کون ہوں گے؟

کیا ہماری زندگی کی کتاب کا سرورق اللہ کی محبت ہو سکتا ہے؟ اور اس پہ تبصرہ یا گواہی حضور پاک ﷺ کی شفاعت کی صورت ہو سکتا ہے؟ کہیے...... کیسا کام ہو جو ساری زندگی کا حاصل اور ساری زندگی کی عبادت ہو!!

ادیبوں کی ایک ڈائریکٹری شائع ہوئی ہے۔ نئے سال میں بہت سے نئے لوگ بھی ہوں گے۔ ڈائریکٹری میں تمام ادیبوں کے نام لکھے ہیں مگر ٹائٹل پر صرف چند نام ہیں دل کی آنکھ بھر آتی ہے اور دعائیہ سوال کرتی ہے کہ مالک تیری ڈائریکٹری میں ہم سب کے نام لکھے ہوں گے۔ وہ کون ہیں جو ٹائٹل پہ ہوں گے۔ معلوم نہیں نیک اعمال ہیں اور خوش قسمتی کے علاوہ اور کیا کیا ہیں۔ یہ تو رب کائنات ہی جانتا ہے کہ ہم کس بدولت کہاں ہوں ـــــ اعمال نہ سہی ایمان تو ہو۔ مالک تو زندگی میں ایمان والا بنا کے رکھنا اور ایمان کی حالت میں لے جانا۔ تیرے ٹائٹل پہ آنا مقصود ہو نہ ہو تیری نگاہ سے اوجھل نہ ہوں۔ تو ایسے ٹائٹل بھی تو بناتا ہو گا جو کسی کو نظر نہ آتے ہوں اور صرف تو جانتا ہو۔

صلح حدیبیہ کی تاریخ پڑھتے پڑھتے صحابہ کرامؓ کا وہ واقعہ نظر سے گزرا کہ صحابہ نبی کریم ﷺ کے وضو کے پانی کو آپس میں تقسیم کرنے کے لئے بے چین ہوتے تھے۔ جسے پانی نہ ملتا وہؓ اس شخصؓ جسے پانی ملا ہو کے جسم سے کوئی قطرہ لے کر اپنے جسم پہ مل لیتا۔ "یہ قرب کی طلب ہے" ہمیں وہ قطرے نصیب نہ ہوئے تو کیا ہوا وہ طلب تو مقدر بنی، ہماری ندامت کے آنسو ہمارے دل کو وضو کراتے رہیں گے تو ہم بھی پاک ہو جائیں گے۔ اجلے اجلے...... معلوم نہیں ہم مقتدی ہوں اور کتنے پیچھے ہوں یا سب سے پیچھے ہوں یہ بھی تو ممکن ہے امام صفوں کا رخ بدل دے اور دوسری طرف آ جائے اور سب سے پیچھے والے سب سے آگے ہوں......

بات تڑپ کی ہے طلب کی ہے......

ہمیں اول انعام ملے یا دوئم و سوم۔ ہم نے مالک کے منظور نظر رہنا ہے۔ ہم جنت، دوزخ، بھول گئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ یاد رہ گئے تو ہم انہی کے پاس ہوں گے جن سے ہمیں محبت ہے۔ اب ہمیں کیا چاہئے یہ ہماری مرضی ہے۔ ہمارا عمل اور اس کی عطا و رضا!

آیئے...... ان نئے نئے صفحوں پہ پیار کی روشنائی سے اپنی روح کو روشنی کے اعتکاف میں لپیٹے نئی طرز سے لکھیں...... "اے پروردگار! میرے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی ﷺ جس سے تو محبت کرتا ہے" پیار اور نور...... بہت خوبصورت



ہاں! تم میری بہن ہو

محمد عارف عثمان

تین دن سے ہسپتال میں ہوں اور پتہ نہیں مجھے کب تک ہسپتال میں رہنا پڑے گا۔ میرے اللہ! مجھے جلدی سے ٹھیک کردے''۔ شازیہ نے دل ہی دل میں دعا کی۔ دو دن کے بعد ہوش آیا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ شدید زخمی ہے۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر اس کی آنکھیں نہیں کھل سکیں۔ اس نے بولنے کی کوشش کی تو اس کی زبان اور ہونٹوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ پورے جسم میں اٹھنے والی درد کی تیز لہروں نے اسے خاموش لیٹے رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس وقت اسے یہ بھی احساس ہوا تھا کہ اس کا چہرہ بہت زیادہ زخمی ہے۔ اس کے بازو اور ٹانگیں بھی حرکت نہیں کر رہی تھیں۔ اس کا دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو اسے یاد آیا، تین دن پہلے وہ اپنے ابو اور امی کے ساتھ بازار جا رہی تھی کہ ایک موڑ مڑتے ہوئے اچانک سامنے سے آنے والے تیز رفتار ٹرک نے ان کی گاڑی کو ٹکر مار دی تھی۔ ''تو کیا ابو اور امی بھی زخمی ہیں''۔ شازیہ نے سوچا

''عیادت کیلئے آئی ہوئی اس کی ایک سہیلی کے پاس میں نے اس کی تصویر دیکھی تھی۔ تین دن پہلے یہ بہت ہی خوبصورت اور پیاری لڑکی تھی مگر اب معاملہ تصویر کے بالکل الٹ ہو گیا ہے'' اچانک کسی عورت کی افسوس بھری آواز شازیہ کے کانوں سے ٹکرائی اور اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ کر رہ گیا۔

''چچ...... چچ...... بیچاری ساری زندگی آئینے سے نفرت کرتی رہے گی''۔ یہ کسی دوسری عورت کی آواز تھی۔

''اس کا چہرہ تو بالکل ہی خراب ہو گیا ہے''۔ فوراً ہی ایک اور آواز ابھری۔

''شاید اس دکھیاری کی قسمت میں یہی لکھا تھا''۔ یہ پہلی عورت کی آواز تھی۔

''اف! بالکل چڑیل لگتی ہے''۔

''چڑیلوں کی شکلیں بھی شاید اتنی خوفناک نہ ہوتی ہوں جتنی خوفناک شکل اس بیچاری کی ہو گئی ہے''۔

''بس دعا کرو یہ جلدی سے ٹھیک ہو جائے، مجھے تو کبھی کبھی اس سے ڈر سا لگنے لگتا ہے''۔

ان عورتوں کی باتوں نے شازیہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ اپنے چہرے کے بارے میں اس قدر بھیانک اور عجیب و غریب باتیں سن کر اسے ایک عجیب مگر شدید قسم کی بے چینی نے گھیر لیا تھا۔

''چڑیل...... چڑیل...... چڑیل'' شازیہ کو یوں لگا جیسے کوئی مسلسل اسے آوازیں دیئے جا رہا ہو۔ آہستہ آہستہ یہ آواز تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ شازیہ کو جھرجھری سی آ گئی۔ اسے لگا جیسے اس کا دل کسی نے سختی سے اپنی مٹھی میں لے لیا ہو۔ ''چڑیل...... چڑیل'' کی آواز تھی کہ بند ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ ''آخر یہ کون ہے جو مجھے چڑیل...... چڑیل کہہ رہا ہے۔'' اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ پھر ایک دم اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ جیسے ذہن کی سوئی رگیں اور شریانیں جاگ اٹھی ہوں۔ سب سے پہلے اسے بانو کا خیال آیا تھا۔ بانو اس کے گھر میں کام کرنے والی نوکرانی خالہ ثریا کی بیٹی تھی۔ شازیہ کو اس سے سخت نفرت تھی۔ شازیہ کا حکم تھا کہ بانو اس کے سامنے نہ آیا کرے۔

بانو ویسے تو بہت اچھی بچی تھی مگر اس کا چہرہ ایسا تھا کہ شازیہ کو اس سے بڑا خوف محسوس ہوتا تھا۔ شازیہ اسے چڑیل کہتی تھی۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ اچانک بانو، شازیہ کے سامنے آ جاتی تو شازیہ چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیتی تھی۔ اسے چڑیل کہنے کے ساتھ ساتھ بہت جلی کٹی سناتی تھی۔ بانو بس رو کر رہ جاتی۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ اپنے سرونٹ کوارٹر سے باہر نہ نکلے۔ صرف اس وجہ سے کہ اس کا چہرہ شازیہ کو پسند نہیں تھا۔ وہ اس کے چہرے سے ڈرتی تھی۔ اب شازیہ کو اپنے ابو اور امی کی باتیں یاد آنے لگیں۔

''بیٹی! یہ بہت بری بات ہے جو تم ہر وقت بانو کو برا بھلا کہتی رہتی ہو''۔ شازیہ کی امی پیار سے اسے ڈانٹا کرتی تھیں۔

''شازیہ بیٹی! تم خود سوچو کیا چہرے، شکلیں اور صورتیں انسان خود بناتے ہیں؟ یہ تو اللہ تعالیٰ بناتا ہے

اور کسی کو چہرے کی وجہ سے برا بھلا کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ظاہر ہے اس سے اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہوتا ہے'' اس کے ابو اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کرتے۔مگر شازیہ کے رویے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''شازیہ چڑیل......شازیہ چڑیل'' اچانک ہی شازیہ کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے دماغ پر ہتھوڑا دے مارا ہو۔وہ گھبرا گئی۔اسے ان عورتوں کی باتیں یاد آنے لگیں جو کچھ دیر پہلے اس کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔ وہ اور گھبرا گئی۔مگر جلد ہی اس کا ذہن پھر سے کام کرنے لگا تھا۔اسے یاد آیا چار دن پہلے اس کی وجہ سے خالہ ثریا۔ یعنی بانو کی امی نے ان کے گھر کی نوکری چھوڑ دی تھی۔ انہوں نے شازیہ کے سامنے شازیہ کی امی سے کہا تھا

''آپ خود سوچیں بی بی جی! میں ہر وقت تو اپنی بانو کو روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی نا۔شازیہ بی بی اسے چڑیل کہتی ہے۔اسے باتیں کرتی ہے۔اللہ مالک ہے۔میں کسی اور گھر میں نوکری تلاش کر لوں گی۔مگر اپنی بانو کو میں نہیں دیکھ سکتی'' شازیہ کو یہ بھی یاد آیا کہ جس وقت خالہ ثریا اس کی امی سے نوکری چھوڑنے کی بات کر رہی تھی ان کی آواز میں کتنا درد تھا، وہ کتنی پریشان تھیں۔لگتا تھا، انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے اندر آنسوؤں کا طوفان روک رکھا ہے۔شازیہ کو وقتی طور پر، چند لمحوں کیلئے۔تھوڑا سا افسوس ہوا تھا۔مگر پھر وہ بے حد خوش ہو گئی تھی۔ کیونکہ اب اسے بانو کی شکل سے مستقل نجات مل گئی تھی۔

''یہ تو بہت برا ہوا۔مم۔میں نے اچھا نہیں کیا۔اللہ کے بعد بانو اور خالہ ثریا کا تو کوئی آسرا بھی نہیں ہے۔وہ کہاں جائیں گی'' شازیہ نے سوچا اور سوچتی ہی چلی گئی۔ یہاں تک کہ شرمندگی اور ندامت کے شدید احساس نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔اسے پھر انہی عورتوں کی باتیں یاد آئیں

''میں بانو کو چڑیل کہتی تھی۔اللہ نے مجھے بھی چڑیل بنا دیا۔اللہ نے مجھے سزا دی ہے'' وہ دل ہی دل میں خود سے باتیں کرنے لگی۔

''شازیہ چڑیل۔شازیہ چڑیل'' یہ آواز ایک بار پھر شازیہ کے کانوں سے ٹکرائی۔شازیہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے یہ آواز اس کے کانوں کے پردے پھاڑ ڈالے گی۔ بے بسی سے اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا۔

آنکھ کھلتے ہی شازیہ کی نظر سب سے پہلے اپنے ابو پر اور پھر امی پر پڑی تھی۔ وہ شدید حیرت اور گھبراہٹ سے شازیہ کو دیکھ رہے تھے۔شازیہ خود خوف اور حیرت کی ملی جلی کیفیت سے دوچار تھی اور بار بار پلکیں جھپکا رہی تھی۔اس کی امی نے لپک کر اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''شازیہ بیٹی! تم کیوں چیخ رہی تھیں؟''

''ام......امی......اب......ابو'' شازیہ اور کچھ نہیں کہہ سکی۔ ''کیا ہوا شازیہ بیٹی؟ کہیں تم نے کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھا'' اس کے ابو نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''جج......جی ابو......'' شازیہ نے لمبے لمبے سانس لیتے اور اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''اف......اللہ تیرا شکر ہے کہ میں یہ سب کچھ خواب میں دیکھ رہی تھی۔ اگر یہ سب حقیقت ہوتا تو......اف اللہ تیرا شکر ہے''

''کیسا خواب دیکھا ہے شازیہ بیٹی'' اس کے ابو نے پوچھا

''بس ابو! بڑا......بڑا خوفناک اور عجیب سا خواب تھا'' شازیہ نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔

''امی! کیا خالہ ثریا اور بانو چلی گئی ہیں'' اچانک شازیہ نے گھبراہٹ زدہ آواز میں پوچھا۔ پھر خود ہی بولی......''میں ان کو نہیں جانے دوں گی......میں بانو اور خالہ ثریا کو واپس لاؤں گی۔میں بانو کو نہیں جانے دوں گی''

شازیہ کے ابو اور امی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھا بات کسی حد تک ان کی سمجھ میں آ چکی تھی۔

شازیہ بیٹی! فی الحال تو خالہ ثریا اور بانو سرونٹ کوارٹر ہی میں ہیں۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ جب تک انہیں کوئی اور نوکری نہیں مل جاتی وہ یہاں رہ سکتی ہیں۔ شازیہ کی امی نے کہا۔اپنی امی کی بات سنتے ہی شازیہ کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔

وہ یہیں رہیں گی امی! نہ نوکری چھوڑیں گی نہ کہیں جائیں گی'' شازیہ نے عزم سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹی! یہ تو بہت اچھی بات ہے'' اس کے ابو بولے

آدھی رات کے وقت سرونٹ کوارٹر کا وہ منظر بڑا خوبصورت تھا۔شازیہ نے بانو کو گلے لگا رکھا تھا اور سسک سسک کر کہہ رہی تھی۔

''بانو! تم میری بہن ہو اب میں تمہیں کبھی چڑیل نہیں کہوں گی۔''

''مگر میں تو ایک چڑیل ہوں کیا تم ایک چڑیل کو اپنی بہن بنانا پسند کرو گی'' بانو نے شازیہ کی پریشانی سے لطف لیتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بانو! تم میری بہن ہو' مگر خدا کے لئے اب کبھی ایسی بات منہ سے نہ نکالنا پلیز'' شازیہ نے پونچھتے ہوئے کہا۔یہ سن کر بانو مسکرا دی تھی۔خالہ ثریا نے بہت دنوں کے بعد بانو کو یوں مسکراتے دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆

پاکستان کے گورنر جنرل

1۔قائداعظم محمد علی جناح:15 اگست 1947ء تا 11 ستمبر 1948ء۔

2۔خواجہ ناظم الدین:14 اگست 1948ء تا 17 اکتوبر 1951ء۔

3۔ملک غلام محمد:19 اکتوبر 1951ء تا 15 اکتوبر 1955ء۔

4۔سکندر مرزا:6 اکتوبر 1955ء تا 22 مارچ 1956ء۔

پاکستان کے صدر

1۔ سکندر مرزا:23 مارچ 1956ء تا 27 اکتوبر 1958ء۔

2۔ایوب خان:27 اکتوبر 1958ء تا 25 مارچ 1969ء۔

3۔محمد یحییٰ خان:25 مارچ 1969ء تا 20 دسمبر 1971ء۔

4۔ذوالفقار علی بھٹو:20 دسمبر 1971ء تا 13 اگست 1973ء۔

5۔چوہدری فضل الٰہی:14 اگست 1973ء تا 16 ستمبر 1978ء۔

6۔محمد ضیاء الحق:16 ستمبر 1978ء تا 17 اگست 1988ء۔

7۔غلام اسحاق خان: 17 اگست 1988ء تا 13 دسمبر 1988ء۔

منتخب صدر:13 دسمبر 1988ء تا 18 جولائی 1993ء۔

8۔فاروق احمد لغاری:14 نومبر 1993ء تا 2 دسمبر 1997ء۔

9۔جسٹس (ریٹائرڈ) محمد رفیق تارڑ:یکم جنوری 1998ء تا اب متنازعہ حیثیت۔

(مرسلہ:اقبال احمد فریدی۔نیو بازار ظاہر پیر)



جان بچی سو لاکھوں پائے

عارف شئین روھیلہ

ہم نے دور سے ہی تاڑ لیا تھا کہ آج ماے کے ساتھ خیریت نہیں ہوئی کیونکہ وہ کچھ تلاش کرتے ہوئے مسجد سے نکل رہے تھے۔ انہوں نے اپنے گرد ایک ہجوم جمع کر لیا تھا اور سب ہی افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔ جب وہ مسجد کے زینے سے اتر کے ذرا آگے آئے تو ہم نے بھی کسی چھیڑنے کے انداز میں پوچھ ہی لیا۔

"ماما...... خیر تو ہے...... کیا ہوا......؟"

"کوئی میری سائیکل لے گیا ہے......" انہوں نے بے انتہا افسوس اور مزید بُرا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"سچ......" ہمارے منہ سے اچانک ہی نکلا۔ "ارے اسے کیا آپ نے تالا نہیں لگایا تھا......؟" ہم نے پوچھا۔

"بھئی میری نماز نکلنے والی تھی اس لئے میں نے تالا نہیں لگایا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میری سائیکل ہی نکل جائے گی"۔

"لوگ مسجد میں چپلیں نہیں چھوڑتے جبکہ آپ نے...... خیر سائیکل بہت قیمتی تو نہیں ہو گی۔"

"وہ میرے بڑے ابا کی نشانی تھی......" انہوں نے افسوس سے کہا "اگر وہ چور مجھے مل گیا تو قسم سے اسکی ٹانگیں توڑ دوں گا"۔

"نہیں...... نہیں آپ اسکی ٹانگیں نہیں توڑنا......" ہم نے لقمہ دیا تو وہ حیرت سے بولے۔

"وہ کیوں......"

"بھئی ٹانگیں توڑنے پر آپ کو کئی سال کی سزا ہو سکتی ہے۔"

"تو پھر اسکے ہاتھ توڑ دوں گا۔" انہوں نے غصے سے بھناتے ہوئے کہا۔

"اس پر بھی وہی سزا ہے' ویسے آپ ایسا کرنا کہ اسے اپنا جوتا سونگھا دینا بس یہی سزا اس کے لئے کافی ہے۔ ویسے میرے خیال سے کوئی دشمن آپ کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ تو شکر کریں کہ آپ سائیکل پر سوار نہیں تھے ورنہ تو چور آپ کو بھی سائیکل سمیت ہی لے جاتا۔"

"ارے میاں اب ڈراؤ تو نہیں۔ ایک تو مجھے اپنی سائیکل کے گم ہونے کا غم کھائے جا رہا ہے اور اوپر سے تم ہو کہ...... خیر تم کوئی ترکیب بتاؤ کہ مجھے اپنی پرانی سائیکل مل جائے مجھے یاد ہے پچھلے ہفتے تم نے چپل چور کو پکڑوایا تھا......" اپنی تعریف سنتے ہی ہمارا سینہ فخر سے پھول گیا۔

"چپل چور کو پکڑنے والی تجویز تو ہمیں اقبال صاحب نے بتائی تھی' بھئی واہ' وہ بڑے ہی ہوشیار' سمجھدار مردِ مومن ہیں......"

"تو تم مجھے ان کے پاس لے چلو' ہو سکتا ہے اس بار بھی کوئی حل بتا دیں" ماما صاحب نے انتہائی دُکھ سے کہا۔

"ماما صاحب وہ صاحب غصے کے بہت تیز ہیں کوئی بات دوبارہ نہیں کہتے۔ وہ جو کہیں غور سے سننا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا' انشاء اللہ آپ کا کام ہو جائے گیا۔ ہم نے انہیں حوصلہ دلاتے ہوئے کہا۔

"ارے میاں میں بالکل خاموش رہوں گا۔ میں دعا کروں گا کہ میرا کام ہو جائے تو میں تمھارا منہ میٹھا کرا دوں گا۔"

آج دکان پر بھی خاصی مصروفیت تھی اوپر سے ماما صاحب کو اپنے پیچھے لگا لیا تھا' خیر مجبوری تھی اسی لئے فوراً ہی انہیں لے کر اقبال صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

اقبال صاحب فلسفی قسم کے انسان ہیں وہ علم نجوم بھی جانتے ہیں اور پڑھے لکھے بھی بہت ہیں اسی لئے لوگ ان سے مشورہ لینے کیلئے اکثر آتے رہتے ہیں ہم جب ان کے در پر پہنچے تو موصوف فارغ ہی تھے ہم دونوں ادب سے ان کی بیٹھک میں داخل ہوئے اور جاتے ہی

دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ بہت ساری کتابوں پر نظر پڑتے ہی ماما صاحب پر اقبال صاحب کا رعب پڑا اور انہوں نے اپنے چہرے کو مزید مسکینوں جیسا بنا لیا۔

"اقبال صاحب...... یہ ہمارے ماما ہیں......" اس سے پہلے کہ جناب کچھ اور کہتے اقبال صاحب بول پڑے۔

"مجھے معلوم ہے......ان کا بہت نقصان ہو گیا ہے......مگر کوئی بات نہیں ان کا کام ہو جائے گا" اپنے مسئلے کا جانتے ہی ماما صاحب بول پڑے۔

"صاحب مجھے اپنی سائیکل بہت عزیز تھی......خدا کیلئے کوئی حل بتائیں......" ماما صاحب نے باادب کہا۔

"دانہ ڈالو......" اقبال صاحب نے فوراً ہی تجویز بھی پیش کر دی۔ ماما صاحب نہ سمجھے۔ فوراً ہی لقمہ دیتے ہوئے بولے "میں سمجھا نہیں۔"

"اب جاؤ یہاں سے......" گویا کہ انہوں نے حکم دیتے ہوئے کہا۔ بات ہماری عقل میں آ چکی تھی اسی لئے ہم نے اٹھنے کیلئے ماے کو کہنی ماری مگر وہ صاحب کسی طرح بھی اٹھنے کیلئے تیار نہیں ہوئے۔

"خدا کیلئے مولوی صاحب میری مدد کریں میرے یتیم بچے آپ کو دعائیں دیں گے" ماما صاحب بچوں کی طرح روتے ہوئے اقبال صاحب کی جانب بڑھے ایسے میں اقبال صاحب کو خطرہ محسوس ہوا تو انہوں نے ہماری جانب اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔

"خبردار انہیں پکڑ کر رکھو اور انہیں کھلا نہیں چھوڑنا......" اس وقت اقبال صاحب ہم دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے تک رہے تھے اس سے پہلے کہ ماما صاحب کچھ اور کرتے ہم انہیں زبردستی کوٹھی سے باہر لے گئے۔

"ارے صاحب ان کے سامنے عاجزی اور رونے دھونے کی کیا ضرورت تھی جب انہوں نے مسئلے کا حل بتا دیا تو پھر کیوں ان کی قدم بوسی کے چکر میں ہیں" ہم نے انہیں گویا کہ ڈانٹا۔

"دانے سے انکی کیا مراد تھی بات واضح نہیں ہوئی......" انہوں نے پوچھا

"بھئی جس طرح چڑیوں کو پکڑنے کیلئے دانہ ڈالا جاتا ہے اسی طرح چور کو پکڑنے کیلئے آپ کو پھر ایک سائیکل وہیں کھڑی کرنا ہوگی۔ چور پھر آئے گا سائیکل لیجانے لگے گا اور پکڑا جائے گا سمجھے......" ہم نے ان کے ماتھے پر انگلی مارتے ہوئے کہا۔

"واہ کیا ترکیب ہے......مگر یہ میری عقل میں کیوں نہیں آئی......؟" انہوں نے عجیب سوال کیا "اب دوسری سائیکل کہاں سے لاؤں......" انہوں نے الٹا ہم ہی سے پوچھا۔

"ارے صاحب کرائے کی سائیکل لے لیں......" ہم نے تجویز پیش کی

"میرے پاس تو پیسے ہی نہیں ہیں......" انہوں نے صاف دامن بچاتے ہوئے کہا۔

"ارے ہاں......وہ پہلوان صاحب ہیں ناں......ان کے پاس سائیکل ہے آپ دو چار گھنٹوں کیلئے ان سے سائیکل مانگ لیں اور کام ہو جانے پر انہیں واپس کر دیں......" ہم نے انہیں پھر مشورہ دیا۔ بات ٹھیک تھی مگر پہلوان صاحب کسی کو منہ نہیں لگاتے تھے اور ماما صاحب پہلے ہی کیا کم بدنام تھے جو کہ پہلوان صاحب سے سائیکل مانگتے......"

"یار اسے تو میری شکل ہی بری لگتی ہے' وہ بھلا مجھے سائیکل کیسے دیگا......؟"

اتنے سارے محلے میں کس کو آپ کی شکل اچھی لگتی ہے......اس بات کو چھوڑیں فی الحال تو اسی سے آپ کو سائیکل مل سکتی ہے......" ہم نے کہا۔

"اچھا تو تم ایسا کرو کہ میرے ساتھ پہلوان کے پاس چلو' تھوڑا میں کہوں گا' تھوڑی سی تم سفارش کر دینا بس کام بن جائے گا۔ یہ بات ٹھیک تھی اور کسی کے ساتھ بھلائی کرنے میں ہمارا کیا جاتا تھا۔ لہذا فوراً پہلوان کی دکان پر پہنچ گئے۔ اس وقت پہلوان جی دودھ سے مکھیاں نکال رہے تھے۔ ہم نے جاتے ہی پہلوان جی کو سلام کیا۔

"ہاں کہو......" انہوں نے جواب دیئے بغیر پوچھا۔

"وہ گوگا پہلوان کے منجھلے بیٹے کو کتے نے کاٹ لیا ہے وہ اسے ہسپتال لے کر گئے ہیں اسی نے انہیں کچھ چیزیں پہنچانے کیلئے دی ہیں اور ماما صاحب بھی ان کے لئے پھل وغیرہ لے جانا چاہتے ہیں بس تھوڑی دیر کیلئے آپ کی سائیکل چاہیے......"

جلدی واپس کر دیں گے......" ہم نے پہلے سے سوچا جھوٹ بولا۔

بھئی ہسپتال تو بس تھوڑی ہی دور ہے" پہلوان صاحب نے ماما صاحب کی اتری ہوئی شکل دیکھتے ہوئے کہا

"پہلوان جی یہ مصیبت کی گھڑی ہے......ایسے میں کسی کے کام آنے سے اللہ میاں بھی خوش ہوتے ہیں" ماما صاحب نے کہا۔

"مجھے معلوم ہو ماے......پھر بھی میں سائیکل تمہیں تو نہیں دوں گا' ہاں اس مولانے کو ضرور دوں گا۔ او بچے ذرا جلدی آنا مجھے ابھی پھیری پر بھی جانا ہے۔"

"ہم یوں گئے اور یوں آئے......" ہم نے اداکاری سے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ موقع غنیمت تھا ہم نے فوراً سائیکل لی اور پیدل ہی آگے کی جانب بڑھ گئے پھر اپنی دکان پر آتے ہی ہم نے انہیں سائیکل دیتے ہوئے کہا۔

"ماما اس کا بہت خیال رکھنا اور کام ہوتے ہی مجھے واپس کر بھیج دینا۔ دیر نہیں کرنا پہلوان جی میری دکان جانتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کے لیٹ ہونے پر وہ یہاں چلے آئیں۔" ہم نے انہیں لمبی چوڑی نصیحت کی۔

"عصر کی نماز میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہے مجھے امید ہے کہ چور پھر آئے گا بس ایک گھنٹے بعد تمہیں خوش خبری سنانے آ رہا ہوں......" یہ کہتے ہی ماما صاحب سائیکل لے گئے اور ہم اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

کوئی ایک گھنٹے بعد ماما صاحب گھبرائے ہوئے دکان میں داخل ہوئے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ مزید ڈراؤنے سے لگ رہے تھے۔

"ارے میاں غضب ہو گیا......" انہوں نے پھٹے ہوئے بے سرے منہ سے کہا "چور......چور دوسری سائیکل بھی لے گیا۔"

"ہیں!!!......" ہم نے سر پر دونوں ہاتھ رکھ کر فلمی ہیرو کی طرح چیخ ماری۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں......" ماما صاحب نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"مذاق نہیں کرو ماما......صحیح صحیح بتاؤ......" ہم نے بھی خوف سے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں......میرے بچے اب کیا ہوگا۔ پہلوان کو میں جانتا ہوں اس عمر میں بھی وہ دو بکرے کھا جاتا ہے" ماما صاحب نے باقاعدہ کانپتے ہوئے کہا۔

میرا کیا ہوگا......میں تو اسکی ایک پھونک کا بھی نہیں ہوں اور اگر بھائی صاحب اور ابا جی کو پتا چل گیا تو میں نے جھوٹ بول کر پہلوان جی سے سائیکل دلوائی تھی تو وہ مجھے گھر سے ہی نکال دیں گے اور اگر انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا تو میں......آپ کو نہیں چھوڑوں گا" ہم نے جیسے وصیت بھرے انداز میں کہا۔

"میاں یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے نہ تم مجھے اقبال صاحب کے پاس لیکر جاتے اور نہ یہ دن دیکھنے کو ملتے' یہ بہت برا ہوا ہے مگر اب صرف دھمکی دینے سے کام نہیں بنے گا۔ اللہ کا نام لیکر اٹھو اسے تلاش کرتے ہیں......" ماما

صاحب نے غم وغصے کی ملی جلی کیفیت میں کہا۔

''اگر پہلوان جی کو پتا چل گیا تو ......اوہ میرے خدا......کوئی منت مانگو کچھ کرو ماما......آپ نے تو ہمیں بھی کہیں کا نہیں چھوڑا......''

''روؤ مت......ورنہ میں بھی رونے لگوں گا' اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے'' انکی بات سنتے ہی ہم نے لقمہ دیا۔

''ماما اگر سائیکل نہیں ملی تو دیکھنا اس شعر کا دوسرا مصرعہ یہ ہوگا ''پھر دیکھ پہلوان کیا کرتا ہے'' ارے اتنا بڑا شہر ہے ہم اسے کہاں کہاں تلاش کریں گے......'' ہم نے کم ہمتی سے کہا۔

''تم اٹھو تو سہی اللہ تعالیٰ کوئی راستہ نکال دے گا۔'' ہم جانتے ہیں کہ ان پر بھی پہلوان جی کا خوف سوار تھا اسلئے اندر ہی اندر کانپ رہے تھے۔ ان کے ساتھ چلتے ہوئے ہم دونوں کی چال اور دماغ تیزی سے چل رہے تھے۔

''یہ اتنا غلط مشورہ تمہارے اقبال صاحب نے دیا تھا۔ اگر سائیکل نہیں ملی تو میں اقبال صاحب کو نہیں چھوڑوں گا۔ اگر چور ہاتھ آ گیا تو بھلے مجھے پھانسی ہو جائے میں اسے کچا چبا جاؤں گا'' اس وقت انہوں نے اپنے وحشی پن کا ثبوت دے ہی دیا۔

''اجی ہمارا کیا ہو گیا آپ کو سائیکل دلا کر ہم خوامخواہ پھنس گئے ہیں'' اب تو ہم نے باقاعدہ لمبی تان کر رونا شروع کر دیا تھا۔ ماما صاحب خود بھی چھوٹے دل کے آدمی تھے۔ اسی لئے انکی آنکھیں اور ناک بھی بہنے لگیں۔

دودھ والے کی گلی سے نکلتے ہی سامنے والی گلی میں انہیں رش نظر آیا اس وقت ان کے دل میں نجانے کیا آیا کہ انہوں نے ہمارا ہاتھ پکڑا اور ہجوم کو چیرتے ہوئے بیچ میں آ دھمکے۔ انہوں نے دیکھا کہ منو بھائی چاروں خانے چت زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی لوگوں نے ایک نشئی کو پکڑا ہوا ہے۔

''ارے اسے کیا ہوا......؟'' ماما صاحب نے عجیب سوال کیا۔

''اس کمبخت نے انہیں ٹکر ماری دی ہے......'' کسی نے انہیں اس نشئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

''ارے یہ خاندانی گوالا ہے بھینس کی ٹکر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی یہ مینڈا اسے کیسے گرا سکتا ہے'' انہوں نے ہائے اوئی کرتے ہوئے کہا۔

''ارے میاں اس نے سائیکل سے انہیں ٹکر ماری کمبخت میں تنکے جیسی جان ہے مگر جہاز کی طرح سائیکل دوڑا رہا تھا بچارے منو کی ٹانگ توڑ دی ہے'' ان صاحب نے کہا جنہوں نے نشئی کو پکڑا ہوا تھا۔

''ماما......'' جیسے کہ دیوانہ وار چیخے ''یہ رہی پہلوان کی سائیکل......'' اچانک ہی ماما' منو اور دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر فوراً سائیکل کی طرف بڑھے پھر ایک ہی نظر میں انہوں نے پہلوان جی کی سائیکل کو پہچان لیا۔ اچانک انکی آنکھوں میں جنون اتر آیا انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ سائیکل چور نشئی کی گدی پکڑی نعرہ تکبیر بلند کیا اور نشئی کو اٹھا کر زمین پر لیٹتے ہوئے منو میاں کے اوپر دے مارا۔ دیکھا دیکھی چیخیں اور کئی قہقہے بلند ہوئے۔ اور دونوں ہی بے ہوش ہو گئے اب دہری مصیبت آ کھڑی ہوئی تھی۔ ذرا دیر پہلے جو لوگ منو بھائی سے ہمدردی کر رہے تھے اب انہیں ہوش میں لانے کیلئے کوشش کر رہے تھے۔ دو چار چھینٹوں سے ہی منو بھائی کو ہوش آ گیا مگر دو بالٹیوں سے بھی نشئی کو ہوش نہ آیا۔ اچانک ایک شور بلند ہوا ''ارے پولیس آ گئی......پولیس آ گئی......'' اس سے پہلے کہ پولیس کی موبائل قریب پہنچتی منو بھائی بجلی کی تیزی سے اٹھ کر اپنی دکان میں جا بیٹھے۔ ہم نے سائیکل کو مال غنیمت جانا اور تنگ گلی میں ہو لئے اب تمام لوگ ادھر اُدھر ہو کر تماشہ دیکھنے لگے تھے۔ پولیس والوں نے آتے ہی نشئی کو دیکھا شاید وہ مرنے کے قریب تھا اسی لئے انہوں نے دونوں کو لیا اور ہسپتال روانہ ہو گئے۔ بے رحم ماما کے ساتھ یہی ہونا تھا۔ وہ تو شکر ہوا کہ انہوں نے نشئی کو ہمارے اوپر نہیں پھینکا کیونکہ مشورہ تو انہیں ہم نے ہی دیا تھا۔ اگر نشئی مر گیا تو ماما صاحب کو دس بیس سال سزا ضرور ہو جائے گی۔ خیر جان چھوٹی سو لاکھوں پائے۔ پہلوان جی کی سائیکل انہیں دے کر ہم سرخرو ہو گئے تھے اور دل ہی دل میں ماما صاحب اور نشئی سے ہمدردی کیلئے اپنے کام میں آ لگے۔

رات عشاء کے بعد ماما صاحب بہت خوش ہماری دکان میں شامل ہوئے خوشی سے پان کی پیک ان کے ہونٹوں سے بہہ رہی تھی۔ ''ارے میاں مبارک ہو میری پرانی سائیکل مل گئی اور اس نشئی سے پولیس نے کوئی دس سائیکلیں اور برآمد کروالیں''

''بھئی مبارک ہو......مگر اس نشئی کو کیسے ہوش آیا......؟'' ہم نے اصل سوال پوچھا۔

اللہ بھلا کرے پولیس والوں کا جو کہ وقت پر آ گئے تھے اور رہی ہوش میں آنے والی بات تو میاں پولیس کو دیکھ کر تو اچھے اچھوں کے ہوش ٹھکانے آ جاتے ہیں......یہ نشئی کیا چیز ہے'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر پچاس پیسے والی چوکلیٹ سے ہمارا منہ میٹھا کرایا اور آگے بڑھ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار

☆حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائیں گے ''اے اہل جنت'' وہ جواب دیں گے ''حاضر اے ہمارے رب'' اللہ تعالیٰ پوچھیں گے ''کیا تم راضی ہو؟'' وہ کہیں گے ''ہم راضی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ آپ نے ہمیں وہ چیزیں عطا کی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں کیں''۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ ''میں تمہیں اس سے افضل چیز نہ دوں؟'' وہ کہیں گے ''اے ہمارے رب اے اللہ! اس سے افضل کیا ہو سکتا ہے''؟۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ ''میں تمہیں اپنی رضامندی کی سند دیتا ہوں اسکے بعد کبھی بھی تم پر ناراض نہ ہوں گا''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ پردہ ہٹائیں گے تو وہ جنتی اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے۔ اور انہیں کوئی چیز اتنی پیاری نہیں لگے گی۔ جتنا اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دیدار'۔

(مرسلہ: صائمہ رفاعی' احمد رفاعی۔ گوجرانوالہ)

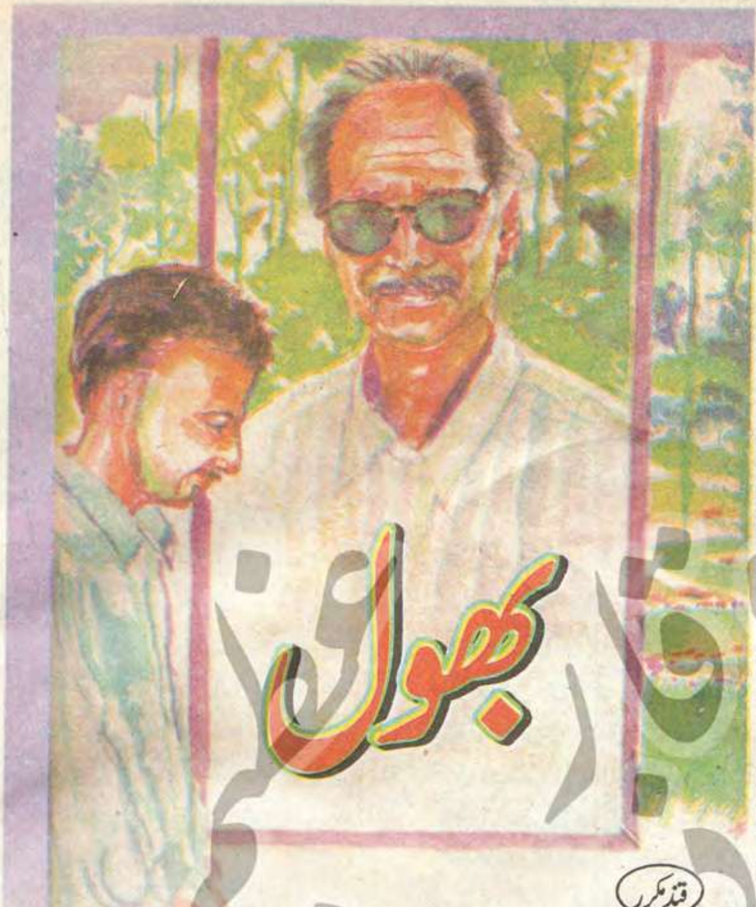
امتحان میں کامیابی مبارک ہو!

اپنی کتابیں کسی ضرورت مند کو دے دیں

آپ امتحان میں کامیاب ہو گئے ہیں آپ کو مبارک باد ہو!۔ آپ اپنی پچھلی جماعت کی کتابیں ردی میں دینے کے بجائے اپنے رشتہ داروں' محلے یا سکول کے ایسے بچوں کو دے دیں جو مالی مشکلات کی وجہ سے نئی کتابیں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

اگر آپ خدمت خلق کا جذبہ رکھتے ہیں تو اپنے تعلیمی ادارے کے سربراہ کی اجازت سے وہاں ''بک بنک'' بھی قائم کر سکتے ہیں جہاں کتابیں جمع کر کے مستحق بچوں کو دے سکتے ہیں۔ یہ صدقہ جاریہ ہو گا۔ یقیناً نیکی اور خوشی حاصل کرنے کا یہ موقع آپ ہاتھ سے جانے نہ دیں گے......تو پھر......دیر کس بات کی......کردیں بسم اللہ......

آپ کے ایڈیٹر بھیا



بھول

محمد شعیب مرزا

اس لمحے کی کہانی جب ایک بھول نے سارے راستے بند کر دیے تھے۔
ایک ایسے حرماں نصیب کی داستان جسے صرف ایک ہی رخ دکھائی دیتا تھا۔

قند مکرر

وہ حیران و پریشان کھڑا تھا۔ اس کے سامنے نہایت ہی دلکش منظر تھا۔ رنگا رنگ پھولوں کے باغات، مختلف قسم کے پھلوں سے لدے ہوئے درخت، سرسبز پہاڑ، خوبصورت وادیاں اور دودھ کی نہریں۔ وہ منظر اس کے سامنے حدنگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس نے آج تک ایسا حسین منظر نہیں دیکھا تھا۔

وہ اس خوبصورت منظر میں کھو جانا چاہتا تھا۔ وہ درختوں پر لگے انواع اقسام کے پھل کھانا چاہتا تھا۔ نہروں میں بہتا دودھ پینا چاہتا تھا۔ پھولوں سے بھرے باغات میں ٹہلنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے درمیان ایک غیر مرئی دیوار حائل تھی۔ وہ جونہی آگے بڑھنے لگتا ایک دکھائی نہ دینے والی دیوار سے ٹکرا جاتا وہ دائیں بائیں بڑی دور تک گیا لیکن کہیں سے بھی اسے اندر جانے کا راستہ نہ ملا۔ آخرکار وہ تھکاوٹ سے چور ہو کر مایوسی کے عالم میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔

اسے اپنا ماضی یاد آنے لگا۔ اس کا باپ ایک فیکٹری میں ملازم تھا۔ اس کی ماں بڑی شفیق عورت تھی۔ وہ اپنی ماں کی بڑی خدمت کرتا تھا۔ اس نے کئی جگہ پڑھا تھا کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ اکثر اپنی ماں کے پاؤں دباتا اور ہر طرح سے اپنی ماں کا خیال رکھتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ اپنی سوئی ہوئی ماں کے قدموں کو چوم لیا کرتا تھا۔

لیکن اپنے باپ کے ساتھ اس کا رویہ کچھ ٹھیک نہ تھا۔ اپنے باپ کی بات سنی ان سنی کر دیتا۔ اس کا باپ اگر کبھی زیادہ کام کی وجہ سے گھر دیر سے آتا تو اس کی ماں اسے کہتی کہ تمہارا باپ تھکا ہوا آیا ہے اس کی ٹانگیں دبا دو۔ تو وہ کہتا کہ آج ہمارا میچ تھا اس لئے میں خود بہت تھکا ہوا ہوں۔ اسے شکوہ تھا کہ اس کا باپ اسے کہیں سیر کے لئے نہیں لے کر جاتا۔ اسے وقت نہیں دیتا۔ حالانکہ اس کا باپ اس کے بہتر مستقبل کے لئے زیادہ سے زیادہ کام کرتا اور اکثر چھٹی کے دن بھی وہ کام پر چلا جاتا۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ بیمار بھی رہنے لگا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنے باپ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسے ایک ادارے میں بہت اچھی ملازمت مل گئی۔ اس نے ایک خوبصورت گھر بنوایا۔ شادی بھی ہو گئی اس دوران اس کا باپ محنت و مشقت کی وجہ سے شدید بیمار ہو گیا۔ بیماری کے دوران اس نے اپنے باپ پر خاص توجہ نہ دی۔ وہ یہی سوچتا رہا کہ اس نے کون سا میرا خیال رکھا ہے۔

باپ کی وفات کے بعد وہ اپنی ماں کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنے لگا۔ اگر وہ بیمار ہوتی تو وہ ساری رات جاگ کر اس کی تیمار داری کرتا۔ اس کی بیوی کا اگر اس کی ماں سے کبھی کبھار جھگڑا ہو جاتا تو وہ اپنی بیوی کو سخت برا بھلا کہتا۔ کبھی کبھار اس کی بیوی غصے میں اسے کہہ دیتی کہ آپ کا باپ بیماری میں آپ کی عدم توجہ سے فوت ہو گیا۔ اس کا کبھی آپ نے خیال نہیں رکھا لیکن اپنی ماں کی دن رات خدمت کرتے رہتے ہیں اور ہر صحیح غلط بات پر اسی کی طرف داری کرتے ہیں۔

اپنی بیوی کی ایسی باتیں سن کر وہ طیش میں آ جاتا اور کہتا کہ میرے باپ کو ساری زندگی صرف پیسہ کمانے کی فکر رہی۔ میں بیمار ہوتا تو میری ماں ہی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتی اور ساری ساری رات میرے سرہانے بیٹھی رہتی۔ میرا باپ رات کو دیر سے گھر آتا، بس چند لمحے میرے پاس بیٹھ کر میرا حال پوچھتا اور جا کر سو جاتا اور صبح سویرے پھر کام پر چلا جاتا۔ اسے میری پرواہ ہی کب تھی۔ میری ماں میری جنت ہے میں اس کی خدمت کر کے جنت حاصل کر کے رہوں گا۔ میں اپنی ماں کے خلاف کسی کی بات برداشت نہیں کر سکتا۔

کبھی کبھی اس کی ماں بھی اسے سمجھاتی کہ تمہارا باپ دن رات تمہارے لئے ہی اتنی محنت کرتا تھا۔ وہ تمہیں بڑا آدمی بنانا چاہتا تھا۔ وہ تمہیں اعلیٰ تعلیم دلانے اور ہر طرح کی آسائش فراہم کرنے کے لئے ہی تو دو شفٹوں میں کام کرتا تھا۔ وہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس اس لئے نہیں لے کر جاتا تھا کہ چھٹی کی وجہ سے اس کی تنخواہ کٹ جاتی تھی۔ لیکن یہ تو سوچو کہ تمہارے علاج پر اسی کا کمایا ہوا پیسہ خرچ ہوتا تھا۔ تمہاری خواہشوں پر اس نے اپنی ضرورتوں کو قربان کر رکھا تھا اور تمہارے سنہرے مستقبل کے لئے اس نے اپنی ساری زندگی گزار دی۔ آج تم جس مقام پر ہو یہ تمہارے باپ کی دن رات کی محنت کا ہی نتیجہ ہے۔

لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ وہ کہتا کہ آج میں جس مقام پر ہوں وہ میری محنت کا نتیجہ ہے اگر میں ذوق و شوق سے تعلیم حاصل نہ کرتا تو آج اس مقام پر نہ ہوتا۔ البتہ تمہاری دعائیں ضرور میرے شامل حال تھیں۔ میں آج جو کچھ بھی ہوں تمہاری وجہ سے ہوں۔ مجھے دنیا کی جنت بھی تمہاری وجہ سے ملی ہے اور آخرت کی جنت بھی تمہاری ہی وجہ سے ملے گی۔

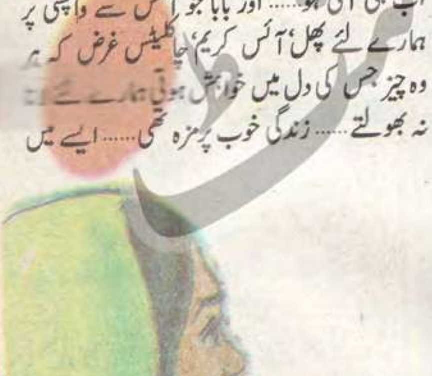
آج جنت اس کے سامنے تھی۔ وہ اسے دکھائی دے رہی تھی لیکن جنت کے اندر جانے کا کوئی راستہ اسے نہیں مل رہا تھا کیونکہ دنیا میں وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ باپ جنت کا دروازہ ہے۔



وہ بہار پھر نہ آئے گی

سائرہ نذیر

کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے آنسوؤں کی بھی زبان ہوتی ہے۔ جب جب وہ آنکھوں سے برستے ہیں اپنے معنی بتاتے ہیں [illegible] دیکھنے والے انہیں ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں یہاں تک کہ آنکھوں میں آنسوؤں کے باعث چھانے والی دھندلاہٹ کی وجہ سے مجھے اپنے کمرے کی چیزیں بھی صاف صاف نظر نہیں آرہیں...... میں بار بار رومال سے اپنی آنکھیں صاف کرتی ہوں اور خود کو سمجھاتی ہوں...... نہیں...... نہیں نازش رونا نہیں ہے۔ اگر اماں آگئیں تو وہ مجھے روتا دیکھ کر ناحق پریشان ہوں گی۔ پر جیسے جیسے آنکھیں صاف کرتی ہوں اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوں اتنی بار ہی ناکامی ہوتی ہے اور آنسوؤں کا سیلاب روکنے کی لاکھ کوشش کے باوجود امڈ پڑتا ہے اور میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب تو میں سسکیاں بھی لے رہی ہوں۔ کیا کروں۔ میں نہیں چاہتی کہ اماں مجھے روتا ہوا دیکھیں۔ میں اپنی ہی باتوں کی ادھیڑ بن میں لگی تھی جب آہٹ مجھے ہوش میں لائی...... میں نے سنبھلتے ہوئے پوچھا...... ”کون ہے؟“ دروازہ اپنے آپ ہی کھلا...... ”میں ہوں...... ارے یہ کمرے میں اندھیرا کیوں کئے ہوئے ہو......؟“۔ ”بس اماں ویسے ذرا آنکھوں میں درد ہو رہا تھا اور میں آرام کرنا چاہتی تھی“۔ ”...... نازش! تمہارے لئے دودھ لائی ہوں“۔ ”نہیں اماں! میں دودھ نہیں پیوں گی“۔ ”دودھ تو خدا کا نور ہوتا ہے اور نور کو منع نہیں کرتے......“ اماں نے بڑے پیار سے کہا تو میں انکار نہ کر سکی۔ ”اچھا ٹھیک ہے آپ میز پر رکھ دیں میں پی لوں گی......“ اماں دودھ رکھ کر چلی گئی تھیں اور میں نے اندھیرے میں اماں سے سب کچھ چھپا لیا تھا۔ آج بابا بہت یاد آرہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے لیکن میں نہیں چاہتی کہ گھر میں سب جانیں کہ میں رو رہی ہوں اور دل میں بابا کی یادیں دبائے بیٹھی ہوں۔ کیونکہ اپنی زندگی میں بابا نے ہمیں پیار، محبت، شفقت، اپنائیت، خوشیاں اور غم بانٹنے کا سبق ہی تو دیا ہے اور یہی خوبیاں گھر کے تمام افراد میں موجود ہیں۔ سوائے میرے...... ابھی جو سب کو پتہ چل جائے تو سب اکٹھے ہو جائیں گے اور میرا موڈ بدل کر ہی دم لیں گے۔ پر ان یادوں کا بھی اپنا ہی مزہ ہے...... سوچ رہی ہوں کہ اماں کہیں دوبارہ نہ آجائیں اور اب کی بار انہوں نے لائٹ آن کر دی تو انہیں پتہ چل جائے گا۔ ایسے میں مجھے اپنے لئے ایک ہی پناہ گاہ نظر آرہی ہے۔ پیارے بابا کا کمرہ۔ میں جو سوچتی ہوں وہ فوراً کر گزرنے کی عادی ہوں اور یہ عادت بھی میں نے بابا سے ہی سیکھی ہے۔ میں آہستہ آہستہ بابا کے کمرے کی طرف بڑھ رہی ہوں۔ جانتی ہوں...... وہاں جاؤں گی تو جذبات تو بالکل بے قابو ہو جائیں گے پر دل کو کیسے مناؤں کہ جو ایک بار ٹھان لے پھر پیچھے ہی نہیں ہٹتا...... آہ! نہایت اداسی کے ساتھ بابا کے کمرے کا دروازہ کھولا ہے اور ایک مانوس سی چرچراہٹ کی آواز سنائی دی ہے...... کبھی دروازے کی یہ چرچراہٹ مجھے بہت بھاتی تھی اور جب بابا اپنی گھومنے والی کرسی پر بیٹھ کر اخبار پڑھا کرتے تو میں بار بار دروازہ کھول کر یہ آواز سنتی اور محظوظ ہوتی۔ ایسے میں بابا مجھے ڈانٹتے ”نازش! مجھے تنگ نہیں کرو“۔ پر آج میں کتنی ہی بار دروازہ بند کروں یا کھولوں مجھے کوئی نہیں ڈانٹے گا۔ کمرے میں سب کچھ ویسا ہی ہے۔ چاروں طرف بابا کی تصویریں، بیڈ سے کچھ فاصلے پر کرسی، میز پر کتابیں، جائے نماز اور بابا کی بڑی سی تسبیح...... ہر چیز اسی طریقے اور قرینے سے رکھی ہوئی ہے۔ سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا بابا کی موجودگی میں ہوتا تھا۔ کچھ بھی نہیں بدلا۔ پر بابا نہیں ہیں...... بابا کو ہم سے بچھڑے ایک سال ہونے کو ہے پر آج بھی ہماری یادوں اور محبتوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ آج بھی دل بابا کے لئے ویسے ہی بیقرار ہوتا ہے...... جب بابا رات گئے گھر لوٹتے تو ہم سب بہن بھائی بابا کے استقبال کیلئے کھڑے ہوتے۔ جونہی بابا گھر میں داخل ہوتے تو ایسا لگتا جیسے رونق تو اب ہی آئی ہو...... اور بابا جو آفس سے واپسی پر ہمارے لئے پھل، آئس کریم، چاکلیٹس غرض کہ ہر وہ چیز جس کی دل میں خواہش ہوتی ہمارے لئے لانا نہ بھولتے...... زندگی خوب پرمزہ تھی...... ایسے میں



کبھی جو چھوٹے بہن بھائیوں سے میری اَن بن ہو جاتی۔ خاص کر تابش سے اور اسے میں کہتی کہ تم جو مجھے اتنا تنگ کرتے ہو خدا کرے تم گھر چھوڑ کر ہی چلے جاؤ...... اس پر بابا مجھے ڈانٹتے...... ''نازش! بری بات...... چاہے جتنا بھی غصہ ہو...... طیش آئے پر ایسا نہیں بولتے بیٹا''...... ''پر بابا! بھائی مجھے اتنا ستاتا ہے''۔ ''اچھا تو اگر ستائے گا تو کیا گھر میں نہیں رہے گا...... اور نہیں ستائے گا تو گھر میں رہے گا''۔ اس پر میں کہتی...... ''اور نہیں تو کیا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا''۔ میرے جواب پر بابا کچھ دیر خاموش رہتے اور کہتے...... ''بالکل فرق پڑتا ہے اور چندا اس پیاری اور میٹھی زندگی میں ہر انسان کی الگ سے بہار ہوتی ہے خوشی اور جگہ ہوتی ہے اور زندگی کی اس بہار اور خوشیوں کو...... آگے بڑھ کر سمیٹو اور مضبوطی سے تھام لو...... گر یہ بہار روٹھ گئی تو پھر دوبارہ پانا چاہو گی بھی تو نہیں ملے گی''۔ جواباً میں کہتی...... ''بابا زندگی تو یونہی چلتی رہتی ہے ہر کام جاری وساری رہتا ہے کچھ بھی تو نہیں بدلتا تو بھلا ایسی سوچیں پالنے سے کیا ملتا ہے''۔ بابا بولتے...... ''نازش! یہ تو احساس اور محبت کی بات ہے۔ پتہ نہیں تمہارا دل ہے یا پتھر''۔ اس پر میں بابا سے خفا ہو کر پیر پٹختی ہوئی بھاگ جاتی۔ میری بات کوئی نہیں سمجھتا اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں اپنے آپ ہی تنہائی میں اپنے خیالات اپنی باتیں دہرا کر کڑھتی رہتی۔ میں نے کبھی دوسروں کی بات کو سمجھنے اور جاننے کی کوشش ہی نہ کی...... جانے میری عادت کیسی تھی۔ ایک دوست سے ناراض ہو گئی تو اس کو منائے بغیر ایک نئی دوست بنالی۔ گھر میں تانیہ، حرا، زویا اور زہرہ سے لڑائی ہو جاتی تو چاہے غلطی میری ہی کیوں نا ہوتی میں انہیں ہر وقت کوستی رہتی...... مجھے اماں سمجھاتیں، بابا بتاتے کہ نازش تم بڑی ہو۔ تمہارا یہ رویہ ہرگز ٹھیک نہیں ہے مگر میں کچھ ماننے کو تیار نہ ہوتی۔ شائد میں سب سے بڑی تھی۔ چاہتی تھی کہ گھر میں صرف میری حکمرانی ہو۔ میری حرکتوں سے تنگ آ کر...... اماں نے تابش، تانیہ، حرا، زویا اور زہرہ کو خالہ کے پاس اسلام آباد بھیج دیا...... کہ شائد میں اکیلی رہی تو ہوش ٹھکانے آ جائیں...... پر نہیں...... میں تو ان کے جانے پر بہت خوش تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ان کے جانے کے کچھ دن بعد ہی میری سالگرہ تھی۔ ہر بار کی طرح خوب اہتمام کیا۔ اماں نے بتایا کہ اسلام آباد سے خالہ سب بچوں کے ساتھ آ رہی ہیں۔ اس کے علاوہ پھپھو اور چاچو بھی آ رہے ہیں۔ اس لئے کیک ان کے آنے پر کاٹیں گے۔ آہستہ آہستہ سالگرہ کا وقت قریب آ گیا۔ سب لوگ مہمانوں کا انتظار کر رہے تھے سوائے میرے۔ رات زیادہ ہو رہی تھی۔ میز پر چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ میرا انتظار ختم ہو گیا تھا۔ میں نے اماں، بابا سے کہا...... بس اب میں کیک کاٹنے لگی ہوں اور میں نے جھٹ سے کیک پر چھری چلا دی۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ عین وقت پر خالہ اور سب بچے ''ہیپی برتھ ڈے'' کہتے ہوئے پہنچ گئے۔ تب پہلی بار مجھے سبکی محسوس ہوئی۔ اماں نے تو ڈانٹ ڈپٹ کر میری غلطی کو بھلا دیا۔ پر بابا خاموش ہو گئے اور ان کی خاموشی ہی تو بولتی تھی۔ ہلا گلا ختم ہوا تو میں بابا کے کمرے میں معذرت کرنے گئی...... تو بابا نے مجھے دیکھا اور بولے...... ''نازش! تم اتنا اکیلا کیوں رہنا چاہتی ہو...... دیکھو گڑیا...... اپنوں سے ہی تو زندگی کی رونق ہوتی ہے اور دل میں رشتوں کا احترام اور محبت ہو تو مزہ ہے ورنہ تو زندگی یوں ہے جیسے بے ذائقہ پھل۔ تم کیوں نہیں سمجھتیں۔ ان محبتوں کو لینے سے کیوں گھبراتی ہو۔ یہی تو دلکشی ہے۔ زندگی کی بہار ہے اور ابھی تو وقت ہے پھر جو وقت ٹل گیا تو کچھ ہاتھ نہ آئے گا''۔ بابا مسلسل مجھے سمجھاتے رہے۔ گو کہ رات کے واقعہ پر کچھ لمحے کو تو میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوئی۔ پر وہ میں ہی کیا جو مان جاتی۔ کچھ دیر بابا کی باتیں سننے کے بعد میں بولی...... ''بابا بس بھی کریں نا''۔ تمام باتوں پر میرے جواب کو سن کر بابا خاموش ہو گئے...... پھر بولے...... ''بس بھی کریں...... یعنی کہ تم کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتی''۔ بابا نے غصے سے منہ جو پلٹا...... تو میں بابا کے کندھے پر سر رکھ کر بولی...... ''دیکھیں نا سب مجھے کتنا تنگ کرتے ہیں۔ اب سنیئے...... تابش، تانیہ، زہرہ یہ لوگ پرسوں واپس جا رہے ہیں پر مجال ہے جو انہوں نے مجھے کچھ بتایا ہو۔ بڑی بہن تو مانتے ہی نہیں ہیں مجھے۔ بس بدتمیزی کرنے کے لئے موقعے کی تلاش میں ہوتے ہیں''۔ یہ سن کر بابا نے کہا...... ''نازی چندا، بڑوں کو بڑائی تبھی ملتی ہے جب وہ خود چھوٹوں کے ساتھ بڑائی کا ثبوت دیں ایسے تو نہیں کہ خود تو ان کے ساتھ مقابلہ بازی پر اترو اور پھر اپنے بڑے ہونے کا حق بھی مانگو...... یوں تو نہیں ہوتا''۔ یہ صرف اس وقت کی بات نہیں تھی میں اتنی بڑی ہو چکی تھی پر ابھی تک بابا مجھے قدم قدم پر چلنا، بات کرنا سکھاتے۔ خاص طور پر گھر والوں اور رشتے داروں کے ساتھ میرے رویے پر بابا اکثر مجھے لمبا چوڑا لیکچر دیتے۔ لیکن نا جانے میرا دماغ تھا کہ خالی کچرے کا ڈھیر مجھے کسی بات کا اثر نہ ہوتا۔ بہن بھائیوں کے ساتھ اللہ واسطے کا بیر جو تھا سو تھا پر اپنے ننھیالی رشتے دار ہوں یا ددھیال کی طرف والے مجھے سب سے نفرت تھی۔ مجھے کوئی اچھا ہی نہ لگتا تھا۔ جانے نفرت کا کونسا کیڑا دل و دماغ میں گھس بیٹھا تھا۔ کبھی کبھی تو میں خود سوچتی کہ پتہ نہیں کہ اچھا احساس میرے دل میں کب جاگے گا۔ پر مجھے کوئی جواب نہ ملتا۔ وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ میں اپنی ہی غلط عادتوں کے دائرے میں گھومتی چکر لگاتی رہی۔ ادھر اسلام آباد میں تابش، تانیہ، زویا اور زہرا اپنی پڑھائی مکمل کر رہے تھے یہاں میں اکیلی اپنا حق جتاتی اور مان دکھاتی ہوئی اماں بابا کے ہمراہ خوب ٹھاٹ اور مزے سے رہ رہی تھی۔ سوچتی ہوں کہ کاش زندگی کے پل ہمیشہ ایک سے ہی رہا کریں۔ بدلتے موسم جاتے پل اور لمحے بعض اوقات زندگی کا رخ ایک دم سے کیسے موڑ دیتے ہیں...... اور پھر جس اذیت سے گزرنا پڑتا ہے وہ سہی نہیں جاتی۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا کہ اچانک زندگی نے پلٹا کھایا۔ آفس سے آتے ہوئے بابا کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور خوشیاں و محبت بانٹنے والا گھنیرا سایہ میرے سر سے...... نہیں ہمارے سر سے اٹھ گیا۔ زندگی میں پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ اس گھر میں صرف میں ہی نہیں اور بھی لوگ بستے ہیں۔ میں بہت روئی چیخی، آہ و بکا کی پر بابا نے نہ لوٹنا تھا نہ لوٹے۔ اپنی ازلی مسکراہٹ اور اعلیٰ ظرفی جیسی بڑی خوبیوں کے ساتھ کچھ کہے بنا ہی رخصت ہو گئے۔ بابا کیا گئے مجھے ایسا لگا جیسے ایک دم سے میں بڑی ہو گئی ہوں۔ وہ محبت اور اپنائیت کا احساس جو بابا میرے اندر پیدا کرنا چاہتے تھے...... آج میں وہ سب باتیں اپنے اندر محسوس کر رہی تھی۔ اماں میرے پاس بیٹھی تھیں۔ جانتی تھیں کہ بابا کی سب سے چہیتی اور لاڈلی ہوں پر میں کبھی اماں کے آنسو پونچھتی اور کبھی زور زور سے کہتی...... ارے کوئی میرے تابش کو سنبھالے کوئی میری تانیہ زویا اور زہرہ کو چپ کروا دے...... آہ! ایک دم اتنا بڑا بدلاؤ...... وہ بہن بھائی جن کی موجودگی میں، میں واویلا اور طوفان مچا دیتی آج ان کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ وقت تو پر لگا کر اڑتا ہے اور اس دوران میں کتنی بدل چکی تھی۔

اماں، تابش اور باقی سب لوگ میرے اس روپ پر بہت حیران تھے اور خود میں حیران بھی تھی اور پشیمان بھی کہ اگر بابا کی موجودگی میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر لیتی، اپنے رویے کو بہتر کر لیتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ اب تو میں کسی کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتی...... اور میں نے جانا کہ شائد وہ عادتیں ایک عارضی رویہ تھا جو شدید غم اور کرب میں بہہ گیا پر ابھی بھی سمجھ نہ پائی کہ مجھے کیا ہو گیا ہے...... بابا کے بعد میں کوشش کر رہی ہوں کہ بابا کی کہی ہوئی باتوں کو اپناؤں۔ ایسے میں دل پر بوجھ کچھ زیادہ ہی ہو جاتا ہے اور میں زار و زار رونا شروع کر دیتی ہوں۔ اب بھی میں اکیلی بیٹھی آنسوؤں کے تاروں سے کھیل رہی ہوں۔ جب اماں میرے پاس آئیں...... مجھے روتے دیکھا تو سر چوما، پیار کیا اور بولیں...... "بس بیٹا۔ اب بس...... بھلا تیرے بابا کو تیرا رونا اچھا لگتا تھا...... تو کیا اب وہ پسند کریں گے؟" مجھے سمجھاتے ہوئے خود اماں کی ھچکی بندھ گئی۔ کچھ دیر ہم ماں بیٹی آنسوؤں کی محفل میں رہے۔ پھر اماں نے آنے کا مقصد بیان کیا۔ "نازش! صبح تیری سالگرہ ہے۔ تیرے بہن بھائی ضد کر رہے ہیں کہ ہر سال کی طرح اب کی بار بھی منائیں گے۔ ایک بدلاؤ ہی سہی...... ورنہ تو ہر طرف خاموشی اور اداسی کا راج ہے"۔ میں نے منع کرنا چاہا تو اماں ... ایک عرصہ تم ان کی باتوں کو رد کرتی آئی ہو...... اب تو مان جاؤ"۔ سو میں مان گئی۔ صبح صبح سب لوگ اٹھے اور میری سالگرہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور مجھے رہ رہ کر بابا یاد آ رہے تھے۔ ہر سال وہ خوب اہتمام کیا کرتے تھے۔ بہن بھائیوں کی خوشی کے لئے میں نے سالگرہ کرنے کی ہامی بھر لی تھی ورنہ ظاہری خوشیوں اور دل کی خوشیوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ایک وہ وقت تھا جب مجھے صرف اپنی فکر تھی اور آج میں سب کو دیکھ دیکھ کر جی رہی تھی۔ پر ابھی تک مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔ میز پر چیزیں سجی ہوئی تھیں...... سب لوگ خاموشی کے ساتھ کھڑے تھے...... لیکن کسی میں ہمت نہ تھی کہ وہ کیک کاٹنے کو کہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہر نظر کسی کو دیکھنا چاہ رہی ہو...... ہر کسی کو کسی کا انتظار ہو...... میں بھی بہت غمگین تھی...... سب خاموش تھے کہ ثانیہ بولی...... "نازو آپا اب شروع بھی کریں"۔ اور جب اس نے مجھے بار بار دروازے کی جانب نظریں دوڑاتے دیکھا تو وہ اٹھی۔ میز پر رکھا ہوا فریم میرے سامنے کر دیا...... "بس آپا اب بابا بھی ہمارے ساتھ ہیں"۔ بابا کی مسکراتی تصویر پر نظر پڑی تو میری ہمت جواب دے گئی۔ میں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا...... میری زندگی کا وہ اہم دن جس کا مجھے اتنا انتظار رہتا تھا...... آج بابا کے نہ ہونے سے کتنا پھیکا لگ رہا تھا۔ ایسے موقع پر فضا میں خوشیوں اور رونق کی مہک مجھے محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اوہ خدایا! اب میں نے جانا...... کہ تب کی نازش اور اب کی نازش میں یہ تبدیلی کیسے آئی۔ دراصل میں زندگی میں کچھ کھونے کے احساس سے بالکل عاری تھی۔ بچپن سے بڑے ہونے تک شائد میں نے سب پایا ہی پایا تھا...... اور آج جب بابا یوں چھوڑ کر چلے گئے تو وہ سوئے ہوئے تمام احساس اور جذبے بیدار ہو گئے۔ آج بابا مجھے بہت یاد آ رہے ہیں...... آج سب ہیں پر بابا کی وجہ سے میں نے ابھی تک کیک نہیں کاٹا۔ یہاں تک کہ رات کے ساڑھے بارہ ہو چکے ہیں۔ اگلا دن شروع ہو چکا ہے...... بابا دیکھیں میں کتنی بدل چکی ہوں۔ آج میں نے آپ کا کتنا انتظار کیا پر آپ نہیں آئے...... سب لوگ میرے اردگرد بیٹھے ہیں اور میں بابا کی تصویر پر نظریں جمائے سوچ رہی ہوں...... بابا کتنا سچ کہتے تھے کہ "انسان کی الگ سے بہار ہوتی ہے خوشی، اور جگہ ہوتی ہے اور زندگی کی اس بہار اور خوشیوں کو آگے بڑھ کر سمیٹو اور مضبوطی سے تھام لو۔ اگر یہ بہار روٹھ جائے تو دوبارہ پانا چاہو تو بھی نہیں ملتی"۔ واقعی بابا...... "وہ بہار پھر نہ آئے گی"۔ آج اس لمحے مجھے بہت سی باتوں کا ادراک ہوا ہے۔ مجھ سمیت نہ جانے دنیا میں کتنے بدبخت لوگ ہونگے جو اپنی بری عادتوں اور سر پھری فطرت کے باعث اپنے پیاروں کو دکھی کرتے ہوں گے۔ کاش کہ وہ اپنے پیاروں کی موجودگی میں ہی اپنی غلطیوں، کوتاہیوں اور خامیوں پر قابو پانے کی کوشش کریں نہ کہ جب وقت حد سے زیادہ گزر جائے اور صرف ایک پچھتاوا باقی رہ جائے۔

عدنان جہانگیر

"پھول" کے ہونہار لکھاری عدنان جہانگیر کو ہم سے بچھڑے 5 سال ہو گئے ہیں۔ نہایت باصلاحیت بااخلاق ملنسار عدنان جہانگیر ہیپاٹائٹس جیسے موذی مرض سے لڑتے لڑتے 12 اپریل 1999ء کو زندگی کی بازی ہار گئے۔ "پھول" کی زینت بننے والی ان کی تحریرین اسلامی تعلیمات، حضور اکرم ﷺ سے عشق، اخلاقی اقدار اور وطن کی محبت سے رچی بسی ہوتی تھیں۔ ان کی کہانیوں پر مشتمل کتاب "فضیلت" نیشنل بک فاؤنڈیشن نے شائع کی تھی۔

اس ہونہار لکھاری کے "پھول" اور ہم پر بہت قرض تھے لیکن ہم نے یہ قرض چکانے میں بہت کوتاہی کی۔ آئیے! اس کوتاہی کی کچھ تلافی کریں اور پیارے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اپنے اس پیارے بندے کو اپنے پیار کی چھاؤں اور رحمت کی نظر میں رکھے اور اسے ہم سب کے



آقا ﷺ کا قرب عطا فرمائے کہ وہ آپ ﷺ سے بہت محبت اور عشق کرتا تھا۔ تمام پھول قاری اس کیلئے فاتحہ خوانی اور دعا ضرور کریں۔

انعامات کی برسات

الحدیث

1- محمد عامر شیخ، کراچی 2- فاطمہ صدری، پشاور 3- رابعہ یونس ہاشمی

صفحہ بتائیے

1- سید محمد جنید بادشاہ، چارسدہ 2- انیل امید، تربت مکران
3- شہزیم راجا، جھڈو سندھ 4- ثوبیہ اسلم، چکسواری آزاد کشمیر
5- قمر عباس ارائیں، ڈھول رانجھہ (پھالیہ)

کوئز کی دنیا

1- سبطین علی، نوشہرو فیروز 2- محمد نعمان عرفان، حیدر آباد
3- فرحت جبین، مانوالہ 4- طیبہ ذوالفقار، ساہیوال 5- مصباح اعظم، لاہور

زبردست جملہ

1- محمد ندیم، تلہ گنگ چکوال 2- فہمیدہ یونس ہاشمی، لاہور
3- محمد رضوان اسلم، جہانیاں

جوابات: صفحہ بتائیے انعام پائیے

1- (31)، 2- (59)، 3- (55)، 4- (76)، 5- (17)

جوابات: کوئز کی دنیا

1- لاہور 2- العباس 3- منٹو پارک 4- شیر محمد خاں



قابلِ فخر

نعیم اللہ جروار

ہال تمام طلباء سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اساتذہ کرام کرسیوں پر براجمان تھے۔ سب کی نظریں گیٹ پر مرکوز تھیں جہاں سے پرنسپل صاحب اور صدر صاحب نے آنا تھا۔ آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ پرنسپل صاحب اور صدر صاحب اندر داخل ہوئے۔ تمام اساتذہ کرام اور طلباء نے ادب سے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ پرنسپل صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو تمام طلباء اور اساتذہ بیٹھ گئے۔ پھر پرنسپل صاحب اسٹیج پر تشریف لائے اور طلباء سے گویا ہوئے ”جیسا کہ آپ سب کو بتایا گیا ہے کہ آج تمام طلباء اپنے گزشتہ سال کے کارناموں کے متعلق بتائیں گے۔ انہوں نے گزشتہ سال کون کون سے اچھے کام کیے ہیں۔ جس نے سب سے اچھا کام کیا ہوگا اسے صدر صاحب انعام دیں گے۔“

پرنسپل صاحب کے بعد اسٹیج پر سیکرٹری تشریف لائے۔ انہوں نے سب سے پہلے نہم جماعت کے انوار الحق کا نام پکارا۔

انوار الحق اسٹیج پر آیا اور بولا ”میں نماز ادا کرنے کیلئے مسجد جا رہا تھا میں نے دیکھا کہ کچھ لڑکے تاش کھیل رہے ہیں۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا اور انہیں نماز کی دعوت دی تو انہوں نے میری بات ٹال دی۔ مین نے کچھ احادیث سنا کر انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے فوراً توبہ کر لی اور باقاعدہ پانچ وقت کی نماز ادا کرنے لگے۔ میرے خیال میں کسی کو برائی کے کاموں سے ہٹا کر نیکی کے کاموں میں لگانا اچھا کام ہے۔ اور میں انعام کا مستحق ہوں“

اس کے بعد ہشتم جماعت کے عاصم جاوید کا نام پکارا گیا۔ عاصم جاوید دھڑکتے دل کے ساتھ اسٹیج پر گیا اور بولا ”ایک دن میں بازار جا رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کچھ آدمی ایک ضعیف آدمی کو مار رہے تھے سارا بازار اکٹھا تھا مگر کسی کی یہ جر[illegible]ت نہ تھی کہ اس بزرگ کو ان ظالموں سے بچائے۔ میں ان کے پاس گیا اور اسے ان سے چھڑایا اور اسے اس کے گھر تک چھوڑ آیا۔ اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور مجھے دعائیں دیں۔ میرے لیے یہ قابل فخر کارنامہ ہے“۔ اتنا کہہ کر عاصم جاوید نیچے اترا اور پھر عاطف نعیم کا نام پکارا گیا۔ عاطف نعیم اسٹیج پر آیا اور اپنا کارنامہ یوں بیان کیا ”سردی کا موسم اور رات کا وقت تھا میں اپنے چچا کے گھر سیالکوٹ سے واپس آ رہا تھا۔ راستہ ویران تھا کبھی کبھار کوئی گاڑی آتی تھی۔ میں نے ابھی چند میل کا فاصلہ ہی طے کیا ہوگیا کہ سامنے کچھ لوگ پریشانی کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ پہلے تو میں گھبرا گیا کہ کہیں یہ لٹیرے نہ ہوں مگر اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے میں نے گاڑی روک دی اور پریشانی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ”ہماری گاڑی پھنسی ہوئی ہے۔ آپ اپنی گاڑی سے زنجیر باندھ کر نکال دیجئے“ میں نے اپنی گاڑی سے زنجیر باندھ کر ان کی گاڑی نکال دی۔ انہوں نے مجھے کچھ رقم تحفے کے طور پر دینی چاہی مگر میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ”آپ کیوں میری نیکی ضائع کرنا چاہتے ہیں“ نیکی کا کام کر کے میں نے قابل فخر کارنامہ انجام دیا۔“ اتنا کہہ کر عاطف نعیم اسٹیج سے نیچے اترا اور پھر سیکرٹری نے انعام حسن کو پکارا۔ انعام حسن اسٹیج پر آیا اور بولا ”ایک دن میں سکول آ رہا تھا کہ راستے میں مجھے ایک بچہ ملا جو رو رہا تھا میں اس کے قریب گیا اور رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ ”میں ایک موچی ہوں اور سکول میں نہم جماعت کا طالبعلم ہوں۔ میں کسی طرح فیس جمع کر کے سکول آ رہا تھا کہ کسی نے جیب کاٹ لی اگر میں نے فیس جمع نہ کروائی تو میرا نام سکول سے خارج ہو جائے گا۔“ اتنا کہہ کر وہ زور زور سے رونے لگا۔ میں نے وہ پیسے اسے دے دیئے جو میں بیٹ بال خریدنے کیلئے لایا تھا۔ اس بچے نے میرا شکریہ ادا کیا اور خوشی خوشی سکول کی طرف چل پڑا۔ میرے لیے یہ قابل فخر کارنامہ ہے۔“

اس کے بعد محمد ذیشان کا نام پکارا گیا۔ ذیشان اسٹیج پر آیا اور بولا ”میں نے تو کوئی قابل فخر کارنامہ انجام نہیں دیا مگر ایک انسان کی جان بچائی اس دن میرا انگریزی کا ٹیسٹ تھا۔ میں سکول جا رہا تھا کہ کسی بچے کی رونے کی آواز آئی ”میری ماں سخت بیمار ہے اس کے علاج کیلئے میرے پاس پیسے نہیں ہیں ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اگر بروقت علاج نہیں کیا گیا تو موت واقع ہو سکتی ہے“ میرے لیے کڑا وقت تھا ایک طرف انسانی زندگی کا مسئلہ تھا اور دوسری طرف میری پڑھائی کا مسئلہ تھا میں نے پڑھائی کی نسبت انسانی زندگی کو ترجیح دی۔ میں اس بچے کے ساتھ اس کے گھر گیا تو اس کی ماں واقعی بیمار تھی۔ میں فوراً ڈاکٹر کو بلا لایا۔ ڈاکٹر کی فیس اور دوائیوں کا خرچہ میں نے برداشت کیا۔ اس بچے کی ماں نے میرا شکریہ ادا کیا۔ مجھے حضور ﷺ کا وہ فرمان یاد آ گیا ”جس نے ایک انسان کی جان بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی“ اس کے بعد سب باری باری اپنے کارنامے بتاتے گئے۔ کسی نے بوڑھے کو سڑک پار کرائی۔ کسی نے صفائی کی مہم میں حصہ لیا۔ کسی نے یتیم کو چندہ دیا تو کسی نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ جب علی کا نام پکارا گیا تو بوجھل قدموں سے اسٹیج تک آیا مگر کچھ نہ کہہ پایا اور بغیر کچھ کہے نیچے اتر گیا۔ اسکے بعد عارف کا نام پکارا گیا۔ عارف اسٹیج پر آیا اور بولا ”میرا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہے۔ معاشی مجبوری کی وجہ سے میں نے تعلیم کا سلسلہ ادھورا چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا لیکن میرے دوست علی کو یہ بات کسی طرح معلوم ہوگئی۔ اس نے مجھے سمجھایا کہ تعلیمی سلسلے کو کسی بھی طرح ادھورا مت چھوڑو ورنہ تمھارا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ تمھارے تعلیمی اخراجات میں اٹھاؤں گا۔ میرے انکار کے باوجود بھی وہ اپنی بات پر قائم رہا اور کہا کہ ”دوست ہی دوست کے مشکل وقت میں کام آتا ہے“ علی کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اگر وہ مجھ پر یہ احسان نہ کرتا تو میں آگے کبھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔“ یہ کہہ کر عارف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پرنسپل صاحب نے علی کو اسٹیج پر بلوایا اور پوچھا ”یہ بات تم نے کیوں نہیں بتائی؟“

”سر میں دنیا میں دکھاوے کیلئے اچھا کام نہیں کرتا بلکہ اصل بات تو اللہ کی خوشنودی ہے۔ اگر سب کو پتہ چل جاتا تو عارف بھی شرمندگی محسوس کرتا کہ میں اپنا احسان جتا رہا ہوں۔“ علی کی بات سن کر پرنسپل صاحب بولے ”علی! تم نے واقعی قابل فخر کارنامہ انجام دیا ہے۔ کاش ہم سب کی سوچ ایسے ہو جائے...... اور ہم بغیر کسی لالچ یا دکھاوے کے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نیک کام کریں۔“ یوں انعام کا حقدار علی کو ہی قرار دیا گیا۔

طلع البدر علینا

محمد صالح

فرمودات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

☆...... علم مومن کی میراث ہے اسے جہاں بھی پاؤ' ضرور حاصل کرو۔

☆...... کوئی بندہ حرام مال کمائے پھر اس میں سے اللہ کی راہ میں صدقہ کرے تو یہ صدقہ اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر اسے وہ اپنی ذات اور گھر والوں پر بھی خرچ کرے تو اس میں برکت نہ ہوگی۔ اور اگر وہ اس مال کو چھوڑ کر مرا تو جہنم کے سفر میں وہ مال اس کا زادِ راہ بنے گا۔

☆...... میں امت کے معاملے میں ہر اس منافق کے شر سے ڈرتا ہوں جو باتیں تو علم و حکمت کی کرے مگر اس کا کام ظلم و جور کا ہو۔

☆...... جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے پس ایسی چیز کو چھوڑ دو۔

☆...... بہترین عمل یہ ہے کہ اللہ کے لئے دوستی کی جائے اور اللہ کے لئے دشمنی۔

☆...... ایک دوسرے کو تحفہ (ہدیہ) دیتے رہا کرو۔ اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے اور کینہ جاتا رہتا ہے۔

☆...... کسی کی چغلی نہ کرو یہ مردار کھانے کے برابر ہے۔

☆...... رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے کا دوگنا اجر ہے۔ ایک تو صدقہ' دوسرا قربت داری کے حقوق کی ادائیگی۔

☆...... ہر عہد توڑنے والے کے لئے قیامت کے دن اس کی پشت پر ایک جھنڈا گاڑا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا یہ ہے فلاں شخص کی عہد شکنی۔ اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایفائے عہد کرنے والے شخص کے لئے جنت کا ذمہ لیا ہے۔

☆...... بچے خدا تعالیٰ کے باغ کے پھول ہیں۔

☆...... انسانی اعمال کے پلڑے میں جو چیز سب سے پہلے [illegible] گی وہ اس کا اپنے کنبے پر کیا ہوا خرچ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو دنیا میں چکر لگاتے رہتے ہیں اور میرے امتیوں کا سلام و صلوٰۃ مجھے پہنچاتے ہیں (سنن نسائی' سند دارمی)

بچے کی تربیت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے لا الہ الا اللہ کہلواؤ اور موت کے وقت بھی ان کو اسی کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

(شعب الایمان للبیہقی)

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا (جامع ترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

جس بندے یا بندی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی (اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا) اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے تو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے۔ اور اس کو اچھی تربیت دے اور سلیقہ سکھائے۔ اور پھر جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے۔ اگر (اس نے اس میں کوتاہی کی اور) شادی کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی (اپنی غفلت اور بے پروائی سے) اس کی شادی کا بندوبست نہیں کیا اور وہ اس کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہو گیا تو اس کا باپ اس گناہ کا ذمہ دار ہوگا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:۔

اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے۔؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔ (جامع ترمذی)

اعمال کی باز پرس

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

جس کسی نے اپنے کسی بھائی کے ساتھ ظلم و زیادتی کی ہے۔ اس کی آبرو ریزی کی ہو۔ یا کسی اور معاملہ میں حق تلفی کی ہو۔ تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اور اس زندگی میں اس سے معاملہ صاف کرائے آخرت کے اس دن کے آنے سے پہلے جب اس کے پاس ادا کرنے کے لئے دینار و درہم کچھ بھی نہ ہوگا۔ اگر اس کے پاس اعمال صالح ہونگے تو اس پر ظلم کے بقدر مظلوم کو دلا دیئے جائیں گے اور اگر وہ نیکیوں سے بھی خالی ہاتھ ہوگا تو مظلوم کے کچھ گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے (اور اس طرح انصاف کا تقاضا پورا کیا جائے گا) (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اعمال نامے (جن میں بندوں کے گناہ لکھے گئے ہیں) تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کی ہرگز معافی اور بخشش نہ ہوگی وہ شرک ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اعلان فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ ہرگز نہیں بخشے گا۔

اور گناہوں کی ایک وہ فہرست ہے جس کو اللہ تعالیٰ انصاف کے بغیر نہ چھوڑے گا۔ وہ بندوں کے باہمی مظالم زیادتیاں اور حق تلفیاں ہیں ان کا بدلہ ضرور دلایا جائے گا۔

اور ایک فہرست گناہوں کی وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اہمیت اور پروا نہیں۔ یہ بندوں کے وہ مظالم اور تقصیریں ہیں جن کا تعلق ان کے اور اللہ تعالیٰ سے ہے ان کے بارہ میں فیصلہ بس اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو بالکل معاف کر دے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

والدین کا حق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:۔

مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری ماں کا۔ میں پھر کہتا ہوں۔ تمہاری ماں۔ میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وہ آدمی ذلیل ہو۔ وہ خوار ہو۔ وہ رسوا ہو۔ عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ کون؟ (یعنی کس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بدنصیب جو ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت اور ان کا دل خوش کر کے) جنت حاصل نہ کرے (صحیح مسلم)

حضرت ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت جبکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے بنی مسلمہ میں سے ایک شخص آئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا میرے ماں باپ کے مجھ پر کچھ ایسے بھی حق ہیں جو ان کے مرنے کے بعد مجھے ادا کرنا چاہئیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ان کے لئے خیر و رحمت کی دعا کرتے رہنا۔ ان کے واسطے اللہ سے مغفرت اور بخشش مانگنا ان کا اگر کوئی عہد معاہدہ کسی سے [illegible] اس کو پورا کرنا ان کے متعلق [illegible] سے جو رشتے ہوں۔ ان کا [illegible] حق ادا کرنا [illegible] ان کے دوستوں کا احترام کرنا۔

([illegible] سنن ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اپنے آباء (ماں باپ) کی خدمت و فرمانبرداری کرو تمہاری اولاد تمہاری فرمانبردار اور خدمت گزار ہوگی اور تم پاک دامنی کے ساتھ رہو تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں گی (معجم اوسط للطبرانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ (یعنی بڑے بڑے) گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ وہ کون کون سے گناہ ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے ساتھ شرک کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور انہیں ایذا پہنچانا۔ کسی بندے کو ناحق قتل کرنا۔ اور جھوٹی گواہی دینا (صحیح بخاری)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

قطع رحمی کرنے والا یعنی رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرنے والا جنت میں نہ جا سکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

یہی تو ہے زندگی!

(فائزحسن سیال)

ظلم کیا ہے؟

آج کل جب ہم اپنے اردگرد کے حالات کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں یقیناً یہ احساس ہوگا کہ طرح طرح کے ظلم و زیادتیاں اور ناانصافیاں ہمارے معاشرے میں نا صرف ہو رہی ہیں بلکہ پنپ رہی ہیں اور دن بدن یہ ظلم و ستم بڑھتا جا رہا ہے۔ ہر روز بے شمار ظلم و ستم ڈھائے جاتے ہیں۔ اپنے گھر والوں پر، اپنے اہل محلہ پر اور رشتہ داروں پر اپنے ملنے والوں اور ساتھ کام کرنے والوں پر، لیکن بعض مرتبہ ہم خود بھی صحیح طرح سے واقف نہیں ہوتے کہ اصل میں ظلم ہے کیا۔

ظلم اصل میں زیادتی کا ہی شدید ترین روپ ہے۔ یعنی شروع میں کوئی غلط بات یا زیادتی جو ہم کسی کے ساتھ کر جاتے ہیں یہی غلط بات یا زیادتی یا ناانصافی اگر بار بار اور شدت سے کی جائے تو ظلم بن جاتا ہے۔ عام فہم زبان میں تو ظلم بہت بڑے معنوں میں لیا جاتا ہے اور کوئی بھی پسند نہیں کرتا کہ وہ ظلم کرے۔ لیکن اصل صورت حال بالکل مختلف ہے۔ ہم میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ظلم کرنے سے مکمل طور پر پرہیز کر رہا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ظلم کے معانی سے صحیح طور پر واقف نہیں ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ظلم آخر کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں۔ ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ آیئے ان تینوں قسموں کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

1۔ بندے کا رب کے بارے میں ظلم

عام فہم زبان میں ظلم دنیاوی قسم کی زیادتیوں کو سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن کی اصطلاح میں سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔" (2:253)

اسی طرح انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کرکے (یا اس کی عبادت کے ساتھ) غیر کی عبادت بھی کرنے لگے تو یہ شرک اور سب سے بڑا ظلم کہلاتا ہے۔ فرمایا:۔

"یقیناً شرک بڑا ظلم ہے۔" (31:13)

2۔ ظلم کی دوسری قسم وہ ہے کہ انسان اللہ کی مخلوق پر ظلم کرے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: "جس نے اپنے بھائی کی عزت کا یا کوئی اور حق دینا ہے تو وہ آج ہی اسے حلال کرالے۔ اس سے پہلے کہ جب درہم و دینار نہیں ہونگے اور اس کے پاس نیک عمل ہونگے تو وہی بدلے میں لیے جائیں گے۔ اور اگر نیکیاں بھی نہیں ہونگی تو حق دار کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔"

(صحیح بخاری)

مزید فرمایا:۔

"جس کسی نے اپنی قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا حق مار لیا، اللہ اس کے لیے جہنم واجب کر دے گا۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ چاہے وہ معمولی حق ہو فرمایا پیلو کے درخت کی ایک ٹہنی ہی ہو۔" (صحیح مسلم)

ایک اور حدیث میں فرمایا:۔

"مومن اپنے دین میں بڑھتا ہی رہتا ہے۔ جب تک کہ وہ کسی کو ناجائز قتل نہ کردے۔"

(صحیح بخاری)

3۔ ظلم کی تیسری قسم وہ ہے جب انسان اپنی ذات پر ظلم کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: "اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔" (2:58)

یعنی جب گناہ میں ملوث ہو کہ انسان تاریکی کو اپنے نفس میں جگہ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دوری کا مستحق کہلاتا ہے اور یہی اپنے اوپر ظلم ہے۔

ظلم چاہے کسی قسم کا ہو گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "اور تم میں سے جو بھی ظلم کرے گا ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔" (25:19)

نبی پاک ﷺ نے بھی رب کائنات کا یہ حکم نقل فرمایا ہے کہ۔ "اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام کیا ہے اور تمہارے مابین بھی اسے حرام قرار دیا ہے۔" (صحیح مسلم)

ایک اور جگہ فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے اور پھر جب اسے پکڑتا ہے تو پھر کوئی مہلت نہیں دیتا۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

اور پھر اس کے بعد وہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے۔ "اور ایسے ہی تیرے رب کی پکڑ ہے کہ جب وہ بستی کے ظالم باشندگان کو پکڑتا ہے تو اس کی گرفت سخت اور دردناک ہوتی ہے۔" (11:102)

ایک اور جگہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"مظلوم کی بددعا سے بچ کیونکہ اس کے اور اللہ کے مابین کوئی حجاب نہیں ہے۔" (صحیح مسلم)

دراصل ہم عام زبان میں ظلم کو جابرانہ رویہ سمجھتے ہیں اور اگر کسی کو ظالم کہا جائے تو وہ شخص بڑا جابر، بے رحم اور سنگدل سمجھا جائے گا۔ حالانکہ اوپر دی گئی وضاحت کے مطابق کوئی کوتاہی بھی جو اللہ کا حکم نہ مان کر کی جائے، دوسرے شخص کے ساتھ زیادتی کی جائے یا پھر انسان اپنے نفس کو خراب کرے تو وہ ظلم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کو صحیح یا غلط کی پہچان کرا دی گئی اور سب کاموں کو ٹھیک طرح سے انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے واضح احکامات بھی دے دیئے۔ ہر وہ کام کرنے سے ہمیں روک دیا گیا جس سے کسی دوسرے کا یا ہمارا اپنا نقصان ہونے کا ڈر ہو تو اس سب کے باوجود اگر انسان نقصان ہی اٹھاتا رہے تو ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

یعنی ظلم سے انسان کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ چاہے وہ یہ ظلم خدا کی نافرمانی کی صورت میں ہو، کسی دوسرے کے ساتھ زیادتی ہو یا پھر اپنے آپ کو برائی کے اندھیروں میں گم کرنے کے مترادف ہو بہرحال ظلم ہی ہے۔

عام فہم زبان میں ظلم دراصل زیادتی کو کہتے ہیں اور آج ہم ظلم کی اسی قسم کا جائزہ لیں گے۔ جو شخص کسی سے زیادتی کرتا ہے وہ ظالم ہے اور جس سے کوئی زیادتی کی جائے وہ مظلوم ہے۔ بعض مرتبہ ظلم و زیادتی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ ہم بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ پتہ نہیں کب یہ ظلم و ستم ختم ہوگا۔ یہاں یہ بات یاد رکھیئے کہ اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ اگر کسی ظالم کو اس کے ظلم کی سزا فوراً نہیں ملی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ عذاب الٰہی سے بچ گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے وہ جب چاہے ظالم کو اس کے کیے کی سزا دے۔ قرآن میں بڑے واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

جیسا کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ظلم و زیادتی کی بہت سی صورتیں ہیں۔ آیئے انہیں دور کرنے کیلئے اپنے گھر سے بات شروع کرتے ہیں۔ کتنی ہی ناانصافیاں اور زیادتیاں جو انجانے میں ماں باپ اپنی اولاد سے کر جاتے ہیں یا آپس میں بہن بھائی کر جاتے ہیں۔ اکثر اوقات والدین اپنی اولاد میں سے کسی ایک یا دو کو دوسروں سے زیادہ وقت یا محبت دیتے ہیں اور صرف یہی نہیں بعض مرتبہ مالی معاملات میں بھی ان سے امتیازی سلوک رکھتے ہیں۔ والدین کا اپنے بعض بچوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا دوسرے بچوں پر ظلم ہے۔ والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو ایک نظر سے دیکھیں۔ اپنی اولاد میں فرق رکھ کر شاید والدین کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ بچوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ ان کے اس رویے سے ان میں جو شدید محرومیاں پیدا ہو جائیں گی اس سے نا صرف گھر میں بلکہ پورے معاشرے میں فساد پیدا ہوگا۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ بتاتے ہیں کہ میرے والد نے اپنے مال میں سے کچھ حصہ میرے نام ہبہ (تحفہ یا ہدیہ) کیا۔ اس پر میری ماں عمرہ بن رواح نے کہا میں اس پر راضی نہیں جب تک آپ نبی پاک ﷺ کو اس ہبے پر گواہ نہ بنائیں۔ میرے والد نبی پاک ﷺ کی خدمت میں چل پڑے تا کہ آپ ﷺ کو اس ہبے پر گواہ بنائیں جو انہوں نے میرے نام کیا تھا۔ نبی پاک ﷺ نے ان سے پوچھا کیا تم نے ساری اولاد کو اسی طرح دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ اس پر نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

"خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو۔"

پس میرے والد واپس لوٹ آئے اور اپنا ہبہ واپس لے لیا۔ (مسلم)

آج کل کی نام نہاد ترقی نے ہم سے ہماری اخلاقی قدریں چھین لی ہیں، ہم اپنے اردگرد نظر تک ڈالنے کے روادار نہیں ہیں کہ کیا ہو رہا ہے اور اصل میں کیا ہونا چاہیے۔ اپنے حقوق کے لیے تو ہم بہت باتیں کرتے ہیں اور اپنے سے کی ہوئی زیادتی ہمیں بہت چبھتی ہے لیکن دوسروں کے معاملے میں ہم بالکل بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

ہم رشتہ داروں اور ہمسائیوں کے ساتھ بھی ظلم وزیادتی کا ہی سلوک روا رکھتے ہیں۔ اگر ہم ایک تاجر اور کاروباری شخص کی حیثیت سے خود پر نظر ڈالیں تو کیا غیر معیاری مال مہیا کرنا ظلم نہیں؟ یہ چور بازاری، یہ ڈکیتی، یہ ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ ظلم ہی کے مختلف روپ ہیں۔ کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ جس ملک میں ہم رہتے ہیں اس کا ہم پر کچھ حق ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حقوق بھی ہیں۔ کیا ہم یہ سب حقوق ادا کر رہے ہیں؟ ہمارے لیے یہ لمحہ فکر یہ ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر غور کریں اور دیکھیں کہیں ہم ہر لمحہ ظلم تو نہیں کر رہے۔ ممکن ہے کہ جب ہم اپنا احتساب کریں گے تو یہ معلوم ہو شاید ہم خود بھی اس ظلم وستم میں شریک ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ظالم کے بارے میں اللہ اور رسول ﷺ کے کیا احکامات ہیں۔ یقیناً ہم میں سے کوئی نہیں چاہے گا کہ اس کو ظالم کہا جائے۔ اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ حقیقی معنوں میں اچھے انسان بنیں۔ چھوٹی سے چھوٹی زیادتی کرنے پر بھی خود کو فوراً ٹوکیں اور دل میں تہیہ کرلیں کہ آئندہ کسی دوسرے پر زیادتی یا ظلم نہیں کریں گے تا کہ ہم دین ودنیا دونوں میں سرخرو ہو سکیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''مظلوم کی پکار سے بچو۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی بھی ذی روح پر اس قدر زیادتی یا ظلم کر جائیں کہ وہ مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے ظلم اور زیادتی کی شکایت کرے۔ ہمیں خدا سے ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ کسی پر عذاب نازل کرنے پر تل جائے تو اس [illegible] کوئی نہیں بچا سکتا۔ اللہ ہمیشہ کمزور اور مظلوم کا ساتھ دیتا ہے ظالم کا نہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے ہمیں جو مظلوم کی پکار سے بچنے کا حکم دیا ہے تو اس میں خاص مصلحت وحکمت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''مظلوم کی پکار سے بچو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ حقدار کے حق کو نہیں روکتا۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور پھر اسے تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے۔ پس ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔'' (حدیث قدسی)

اصل میں بات یہ ہے کہ ہم میں سے بے شمار بلکہ اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اپنے رویے برتاؤ اور طرز زندگی کو بالکل صحیح سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہی نہیں کہ بے شمار چھوٹی چھوٹی زیادتیاں جو ہم روزانہ اپنے دوست احباب، ہمسائیوں، رشتہ داروں، والدین، اولاد یا شریک حیات سے کر جاتے ہیں وہ بھی درحقیقت ظلم کا ہی ایک رنگ ہیں۔ دوسرے سے سیدھے منہ بات نہ کرنا، کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا، حیثیت اور قدرت رکھتے ہوئے بھی قریبی رشتہ دار کی امداد نہ کرنا، مال و دولت یا پوزیشن والے کو زیادہ عزت وتوقیر کے قابل سمجھنا اور کسی کو دنیاوی وسائل نہ ہوتے ہوئے حقیر جاننا، پیسے کا زیاں دولت کی نمود ونمائش، اپنے ماتحت یا کسی بھی شخص کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچانا، یقین جانئے یہ سب ظلم ہیں جو ہم کسی نہ کسی صورت میں کر ہی جاتے ہیں اور کبھی نہیں سوچتے کہ یہ بھی ظلم ہیں۔ ظلم صرف قتل وغارت، مار کٹائی یا لوٹ مار کا ہی نام نہیں ہے۔ جس معاشرے میں ہر فرد اپنے اپنے حلقہ میں اور اپنے انداز میں ظلم وزیادتی کر رہا ہو اور خود بھی نہ جانتا ہو کہ اس کے اس رویے سے اجتماعی طور پر کس قدر تباہ کن اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ سوچئے کہ ایسے معاشرے کا کیا حال ہوگا۔ یقیناً وہی حال ہوگا جو ہمارا اس وقت ہو رہا ہے۔

کچھ لوگ ظالم ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ظالموں کا ساتھ دینے والے ہوتے ہیں۔ اگر سوچا جائے تو ظالم تو برا ہے ہی ظالم کا ساتھ دینے والے لوگ اس سے بھی زیادہ برے ہیں کیونکہ درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جن کی شہ پر ظالم ظلم کرتا چلا جاتا ہے اور کچھ خوف خدا نہیں کرتا۔ اگر یہ لوگ ظالم کی بجائے مظلوم کا ساتھ دیں تو ظلم کبھی نہیں پنپ سکتا۔ اس حوالے سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ''ظالم لوگ اور ان کی مدد کرنے والے جہنمی ہیں۔'' (ابوداؤد، ترمذی، احمد)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

''اگر تم میں سے کوئی شخص کسی برائی کو ہوتے ہوئے دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روکے۔ اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے۔ اگر اس قابل بھی نہ ہو تو کم از کم دل میں ہی اس کو برا سمجھے اور صرف دل میں اس کو برا جاننا کمزور ترین ایمان کی نشانی ہے۔'' (مشکوٰۃ)

ہمارے سامنے کسی کا قتل ہو جاتا ہے یا کسی قسم کا ظلم ہو رہا ہوتا ہے لیکن اجتماعی طور پر ہم اس قدر کمزور اور بے حس ہو چکے ہیں کہ ہم میں اتنی اخلاقی جرات اور خوف خدا بھی نہیں کہ اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آئے دن قتل و غارت ظلم وستم کا بازار گرم رہتا ہے۔ لوگوں کی جان، مال اور عزت کو کوئی تحفظ نہیں اور پھر یہ ہم ہی لوگ ہیں جو شکوہ کرتے ہیں کہ معاشرے سے اخلاقی قدریں ختم ہو رہی ہیں، ظالم کا احتساب کرنے والا کوئی نہیں، یہ نہیں سوچتے کہ دراصل یہ ہم سب ہی ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر بے شمار زیادتیاں کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ان انفرادی واجتماعی زیادتیوں اور مظالم کے نتیجے میں معاشرے میں بدامنی، بے چینی، ذہنی انتشار، محرومیاں، نفرتیں پھیل رہی ہیں جو کہ آہستہ آہستہ ہمیں اپنی لپیٹ میں لے کر تباہی کی طرف لے جا رہی ہیں۔

ہم سب کو اپنا اپنا محاسبہ کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کہیں جانے انجانے میں ہم کسی پر زیادتی یا ظلم تو نہیں کر رہے۔ صرف اسی طریقے سے ہم اپنی اصلاح کر سکتے ہیں اور ایک ایسا صحت مند معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں جس میں سب کو انصاف اور عزت ملے، محنت کا پھل ملے اور کسی کے ساتھ بھی ظلم وزیادتی نہ ہو۔

(شعور زندگی۔ از آرامین)

اپنی ذات کی تعمیر کیجئے

92واں دن

ذہن جسم کی گاڑی کا ڈرائیور ہے۔ گاڑی چاہے جتنی بھی اچھی کیوں نہ ہو اگر ڈرائیور کی دیکھ بھال نہیں کریں گے تو نتیجہ تباہی ہی ہوگا اور ذہن کی غذا علم سیکھنا ہے۔

جس نے علم طلب کیا اور پا لیا اس کو دوہرا ثواب ہے اگر اس کو نہ پایا تو اس کو ایک حصہ ہے ثواب کا۔ (دارمی)

93واں دن

سیکھنا اور بدلنا انسانوں کو جانوروں سے ممتاز کرنے والی دوسری بڑی صفت ہے۔ سیکھنا اور پھر بدلنا زندگی کا قانون ہے۔ نئے خیالات اور تبدیلیوں کے لئے تیار رہ

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا، اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے، پورے علم و حکمت والا تو، تو ہی ہے۔ (البقرہ:30-32)

94واں دن

علم ہی ایک انسان کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہے۔

بھلا علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟ یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔ (الزمر:9)

95واں دن

علم انسان کا واحد اثاثہ ہے جو ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا ثواب موقوف ہو جاتا ہے مگر تین عملوں کا ثواب باقی رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ یا علم کا نفع لیا جائے اس کے ساتھ یا نیک اعمال جو اس کے لئے دعا کریں۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

96واں دن

علم تعلیم سے مختلف ہے۔ کمرہ جماعت کی تعلیم ''حقیقی علم'' حاصل کرنے کا صرف ایک ذریعہ ہے۔

رسول ﷺ اپنی مسجد کی دو مجلسوں کے پاس سے گزرے۔ فرمایا! دونوں بھلائی کے کام کر رہے ہیں۔ ایک ان دونوں میں افضل ہے دوسرے سے۔ یہ لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں اور اس کی طرف رغبت کرتے ہیں اگر چاہے تو ان کو دے اور چاہے تو روک لے اور یہ لوگ فقہ یا علم سیکھتے ہیں اور جاہل کو سکھاتے ہیں پس یہ ان سے بہتر ہیں۔ (دارمی)

97واں دن

''صحیح تلاش کیجئے''، ''صحیح جانیئے''، ''صحیح کیجئے'' اور ''صحیح کہیئے'' یہی اصل علم ہے۔

کیا تم جانتے ہو کہ سخاوت کرنے میں سب سے زیادہ سخی کون ہے؟...... فرمایا کہ اللہ سب سے بڑا سخی ہے پھر تمام بنی آدم میں سے سخی میں ہوں اور میرے بعد وہ شخص سخی ہے۔ جس نے علم سیکھا پھر اسے پھیلایا۔ قیامت کا دن آئے گا وہ اکیلا ہی امیر ہوگا یا فرمایا کہ اکیلا ہی امت ہوگا۔ (بیہقی)

98واں دن

علم حاصل کر کے دوسروں تک پہنچانا پیغمبروں کا شیوہ ہے

اور دوسری مجلس والے فقہ اور علم (شرعی) سیکھتے ہیں اور جاہل کو تعلیم دیتے ہیں۔ پس یہ افضل ہیں اور بلاشبہ مجھے معلم (بنا کر) بھیجا گیا ہے...... (دارمی)

(نئی زندگی خوش، صحت مند اور پرسکون زندگی کیلئے 365 دن)



شہر یار احمد

علاج غم

دانا کہتے ہیں کہ ہنسی علاج غم ہے۔ دراصل دنیا میں ہنسی کی کمی سے ہی غم بڑھے ہیں۔ لوگ خود مسکراتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کے مسکرانے کا سامان پیدا کرتے ہیں ورنہ دنیا کے کئی غم ختم ہو جائیں۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ بعض ملکوں میں ہنسنے ہنسانے کے لئے کئی طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ مزاحیہ اخبارات ورسائل اور کتب تو بڑی تعداد میں شائع ہوتے ہی ہیں اس کے ساتھ ساتھ کچھ عملی اقدامات بھی اٹھائے گئے ہیں مثلاً اوکلے ہاما (امریکہ) کے ایک ہسپتال میں مریضوں کے ہنسنے ہنسانے کا سامان کیا جاتا ہے تا کہ ان کو صحت یاب ہونے میں مدد دی جاسکے۔ اس مقصد کے لئے مریضوں کو لطیفے سنائے جاتے' مزاحیہ خاکے دکھائے جاتے اور جوکروں کی حرکات سے محظوظ کیا جاتا ہے۔ اس طرح روس کے شہر پٹسبرگ کے ایک ہسپتال میں چوبیس گھنٹے مزاحیہ چینل چلتا ہے۔ یہ تجربہ کامیاب رہا ہے اور اب دوسرے ہسپتالوں میں بھی کامیڈی چینل چلایا جائے گا۔ فرانس' جرمنی' کینیڈا سمیت کئی ممالک میں 150 ''قہقہہ کلب'' بھی قائم کئے گئے ہیں جن کا مقصد لوگوں کا کسی ایک جگہ مل بیٹھ کر ہنسنا ہے۔ ممبئی کے ایک معالج نے تو اپنے طور پر ''ہنسنے ہنسانے کا عالمی دن'' بھی منایا جس میں دس ہزار افراد نے شرکت کی۔ ان صاحب نے ''لافنگ کلب انٹرنیشنل'' کے نام سے ادارہ بھی قائم کر رکھا ہے۔ کلب میں ارکان کو ہنسنے کے مختلف طریقے بھی سکھائے جاتے ہیں۔ کلب کا اجلاس پندرہ منٹ تک ہنسنے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے بعد ماہرین بتاتے ہیں کہ ہنسی کے کیا کیا فوائد ہیں۔ اس دلچسپ کلب کے ارکان کی تعداد سو سے زائد ہے۔ یہ بھی پڑھے لکھے اور سنجیدہ لوگ ہیں جنہیں باہر ہنسنے کا کم کم ہی موقع ملتا ہے۔ یعنی وہ اپنے عہدے یا مصروفیت کی وجہ سے ہنس نہیں پاتے۔ کلب کا ''اجلاس'' جونہی شروع ہوتا ہے تو سیٹی بجائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی سب لوگ زور زور سے ہنسنے لگتے ہیں۔ شاید ہمارے ہاں کسی نے ایسا کلب قائم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی حالانکہ ہنسی کی ہمیں شاید ان سے زیادہ ضرورت ہے۔

ہے کوئی ہم سا؟

ہمارے ہاں تو بندر کے تماشوں کا رواج ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ٹی وی اور کیبل نے ہمارے روایتی کھیل تماشوں کو بہت سخت نقصان پہنچایا ہے۔ دوسری جانب بعض ممالک میں ان روایات کو باقی رکھا گیا ہے۔ تھائی لینڈ کے جزیرہ سموئی میں ''سموئی مونکی سینٹر'' بندروں کو تربیت دے کر سیاحوں کی دلچسپی کا سامان پیدا کرتا ہے۔ اس سنٹر میں بندروں کو ان کے ''مزاج'' کے مطابق تربیت دی جاتی ہے۔ بعض بندر درختوں سے ناریل توڑنے کی تربیت حاصل کرتے ہیں جو کسانوں کے لئے بطور مزدور کام کرتے ہیں۔ ذرا ''شوخ'' اور ''ہیرو'' ٹائپ بندروں کو مختلف کرتب سکھائے جاتے ہیں۔ جزیرہ سموئی میں واقع ایک تفریحی مرکز میں بندر اپنی ''پرفارمنس'' سے سیاحوں کا دل لبھاتے ہیں۔ ''بندر شو'' کی ٹکٹ چار ہزار بھات (بھات تھائی لینڈ کا سکہ)۔ بندر شو میں گلوکار بندر' جمناسٹ بندر' مزاحیہ بندر اور اس طرح ہر شعبے کی نقالی کرنے والے بندر لوگوں کو محظوظ کرتے ہیں۔ اگر ہمارے ''لوک ورثہ'' والے بندر تماشے کے تحفظ کے لئے کام کریں تو یقیناً ہمارے ہاں آنے والے سیاح بھی اس فن سے محظوظ ہوسکیں گے۔





سب سے بڑا جیومیٹری سیٹ

دنیا کے سب سے بڑے جیومیٹری سیٹ کا وزن 60 ٹن ہے یہ جیومیٹری سیٹ سعودی عرب کے ساحلی شہر جدہ کے ایک چوراہے پر نصب ہے۔ کمپاس' سکیل اور سیٹ اسکوائر وغیرہ پر مشتمل یہ یادگاری نشان سعودی عرب کی ترقی میں انجینئرنگ اور منصوبہ سازی کی اہمیت کا احساس دلاتا ہے۔ چوراہے پر نصب کمپاس زمین کی سطح سے 122 فٹ اور ڈھائی انچ بلند ہے!!

شاعر مشرق کی تصانیف

نیر حجازی

خلیفہ عبدالحکیم نے کہا تھا کہ ''اقبال قرآن کا شاعر ہے''۔ تو آیئے دیکھتے ہیں اس مفسر قرآن شاعر نے کیا لکھا' کب لکھا اور آپ کے پیغام کو کس کس زبان میں منتقل کیا گیا۔

علامہ اقبالؒ کی پہلی کتاب ''علم لاقتصاد'' 1904ء میں شائع ہوئی اور شاعری کی پہلی کتاب 1915ء میں ''اسرار خودی'' کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کو اقبال نے پہلے اردو میں لکھنا شروع کیا مگر بعد میں فارسی زبان میں لکھی۔ مثنوی اسرار خودی کو علامہ اقبالؒ نے سر سید علی امام کے نام معنون کیا۔ اردو میں اسرار خودی کا ترجمہ جسٹس شیخ عبدالرحمان نے کیا جو 1952ء میں ''ترجمان اسرار'' کے نام سے چھپا۔ پشتو میں منظوم ترجمہ سمندر خان سمندر نے، انگریزی میں منظوم ترجمہ ڈاکٹر نکلسن نے، بنگالی میں منظوم ترجمہ سید علی حسن نے' سندھی میں محمد بخشی واصف سندھی نے' عربی میں ڈاکٹر محمد عبدالوہاب عزام نے اور ترکی میں ڈاکٹر علی نہت تارلان نے کیا۔

اسرار خودی پر عبدالرحمن بجنوری کا تنقیدی مضمون پڑھنے کے بعد علامہ اقبالؒ نے اپنی دوسری مثنوی ''رموز بیخودی'' لکھنا شروع کی رموز بے خودی دراصل اسرار خودی کا دوسرا حصہ ہے۔ اس کتاب کا اردو میں منظوم ترجمہ خورشید علی مہر جے پوری نے کیا۔ اس کے علاوہ رموز بے خودی کا ترجمہ سمندر نے پشتو میں' ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے عربی' محمد بخشی واصف نے سندھی' احمد الدین احمد نے بنگالی' ڈاکٹر علی نہت تارلان نے ترکی اور پروفیسر اے جے آربری نے انگریزی ترجمہ کیا۔

1923ء میں آپ کا مجموعہ کلام ''پیام مشرق'' شائع ہوا۔ پیام مشرق کا محرک جرمن شاعر گوئٹے کی تصنیف ''پیام مغرب'' ہے۔ اس کتاب کا منظوم اردو ترجمہ عبدالرحمن طارق نے کیا جو روح مشرق کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ شیر علی سرخوشی (اردو) شیر محمد مینوش (پشتو) ای میر دوچ اور محمد مکا (فرانسیسی) پروفیسر این میری شمل (جرمن) ڈاکٹر علی گنجیلی (ترکی) مسٹر مناری (گجراتی) ڈاکٹر عبدالوہاب عزام (عربی) پروفیسر اے جے آربری (انگریزی) اور ایم ہادی حسن (انگریزی) نے پیام مشرق کے تراجم کیے۔

علامہ اقبال کا پہلا اردو مجموعہ کلام ''بانگ درا'' 1924ء میں منظر عام پر آیا۔ بانگ درا کا دیباچہ مدیر ''مخزن'' سر شیخ عبدالقادر نے لکھا۔ بچوں کے لئے لکھی گئی علامہ اقبال کی نظمیں اسی مجموعہ کلام میں شامل ہیں اس کے علاوہ شکوہ جواب شکوہ ،ترانہ ملی' خطاب بہ نوا جوانان اسلام' پیوستہ رہ شجر سے' والدہ مرحومہ کی یاد میں اور دوسری کئی مشہور نظمیں شامل ہیں۔ بانگ درا 1924ء میں شائع ہوئی مگر اس میں 1905ء اور مابعد کچھ عرصے کی شاعری شامل ہے اس کتاب کا ترجمہ پشتو میں راحت زاخیلی نے اور بنگالی میں کولی غلام مصطفےٰ نے کیا۔ بانگ درا کی منتخب نظموں کا ترجمہ پروفیسر دی جی کرنن نے کیا۔ جو ''پوئمز آف اقبال'' کے عنوان سے چھپا۔ شکوہ اور جواب شکوہ کے انگریزی ترجمے مسٹرابی بیزتھ پروفیسر اے جے آبری اور الطاف حسین نے کیئے۔

اس کے بعد 1927ء میں علامہ اقبال کا فارسی مجموعہ کلام ''زبور عجم'' چھپا۔ علامہ اقبال نے پہلے اسکا نام زبور جدید تجویز کیا تھا۔ یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے پروفیسر اے جے آربری نے زبور عجم کے پہلے دو حصوں کا منظوم انگریزی ترجمہ کیا۔ اس کتاب کا پشتو ترجمہ سید تقدیم الحق کا کاخیل نے اور گجراتی ترجمہ سید عظیم الدین سندائی نے کیا۔

علامہ اقبال کے مشہور زمانہ سات خطبات پر مشتمل کتاب



''تشکیل جدید الہیان اسلامیہ'' 1929ء میں چھپی۔ اس کتاب کا انگریزی نام The Reconstruction of Religions Thought in Islam ہے۔ اس میں شامل چھ خطبات علامہ اقبال نے 1928ء کے آخر میں دیئے جبکہ ساتواں خطبہ 1932ء میں ارسطاطلین سوسائٹی لندن کیلئے لکھا۔ ان خطبات کے عنوانات یہ ہیں۔ 1۔ ختم نبوت نفسیات جدیدہ کی روشنی میں (2) روح قرآن (3) ذات باری تعالیٰ کا اسلامی تخیل (4) علوم جدیدہ اور مسئلہ تکوین (5) حقیقت خودی اور حیات مابعد الموت (6) اسلامی تصوف (7) کیا مذہب ممکن ہے۔ ان خطبات کا پہلا اردو ترجمہ سید نذیر نیازی نے کیا جو 1958 میں شائع ہوا۔ بنگالی ترجمہ عبدالحق نے اور فرانسیسی ترجمہ ای میر دوچ نے کیا۔

اس کے بعد 1932ء میں ''جاوید نامہ'' چھپا۔ علامہ اقبالؒ نے جاوید نامہ 1929ء میں لکھنا شروع کیا۔ اس کا محرک مغربی شاعر دانتے کی تصنیف ڈیوائن کامیڈی ہے۔ جاوید نامہ سیر افلاک یا آسمانی ڈراموں پر مشتمل ہے۔ انگریزی میں جاوید نامہ کا ترجمہ محمود احمد شیخ نے، پشتو میں امیر حمزہ نے' سندھی میں لطف اللہ بدوی نے' جرمنی میں منظوم ترجمہ اور ترکی میں نثری ترجمہ پروفیسر این میری شمل نے' اطالوی میں پروفیسر ایلی سونڈو دوبوسانی نے اور فرانسیسی میں ای میر دوچ اور محمد مکانے مشترکہ طور پر کیا۔ پروفیسر اے جے آربری نے بھی جاوید نامہ کا انگریزی ترجمہ کیا۔

1934ء میں علامہ اقبال کی مثنوی ''مسافر'' شائع ہوئی۔ یہ مثنوی افغانستان کی سیاحت کی داستان ہے۔ اس کے بعد یہ مثنوی علامہ اقبال کی ایک اور تصنیف ''پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق'' کے ساتھ ایک ہی جلد میں شائع ہوتی رہی۔

بال جبریل آپ کا دوسرا اردو مجموعہ کلام ہے۔ یہ 1935ء میں شائع ہوا۔ اقبال نے پہلے اس کا نام نشان منزل تجویز کیا تھا مگر بعد میں بال جبریل منتخب ہوا۔ بال جبریل میں 77 غزلیں 50 نظمیں اور 42 قطعات و رباعیات شامل ہیں۔ ساقی نامہ' مسجد قرطبہ اور ذوق وشوق وغیرہ اسی مجموعہ کلام میں ہیں۔ مولانا غلام رسول مہر نے مطالب بال جبریل کے نام سے بال جبریل کی شرح لکھی۔

اس کے بعد 1936ء میں آپ کا تیسرا اردو مجموعہ کلام منظر عام پر آیا۔ اس کا نام ضرب کلیم ہے پہلے اس کا نام صور اسرافیل تجویز کیا گیا تھا۔ اس کتاب کو علامہ اقبالؒ نے نواب سر حمید اللہ خان کے نام معنون کیا۔ یہ کتاب چھ حصوں پر مشتمل ہے ضرب کلیم کا فارسی ترجمہ ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی نے اور عربی ترجمہ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے کیا۔

علامہ اقبالؒ نے 1911ء میں اپنے والد کے کہنے پر بوعلی قلندر کی مثنوی کے نمونے پر ایک مثنوی لکھنی شروع کی۔ جو کہ 1936ء میں ''پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق'' کے نام سے شائع ہوئی۔ اس مثنوی کا اردو منظوم ترجمہ ظفر احمد صدیقی نے حکمت کلیمی نام سے کیا۔

نومبر 1938ء میں (بعد از وفات) آپ کا مجموعہ کلام ''ارمغان حجاز'' چھپا۔ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ فارسی جبکہ دوسرا اردو کلام پر مشتمل ہے ارمغان حجاز پر سب سے پہلا تبصرہ چوہدری محمد حسین نے کیا جو ہفتہ روزہ ''حمایت اسلام'' لاہور میں چھپا۔ اقبالؒ کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال نے لکھا ہے کہ چوہدری محمد حسین ہی کا مشورہ تھا کہ علامہ نے اپنا کلام مجموعوں کی صورت میں شائع کرانا شروع کیا۔

سارے کلام اقبال کا دو تہائی فارسی جبکہ باقی کلام اردو ہے اس کے علاوہ آپ نے نثر میں بھی بہت کچھ لکھا ہے آپ کی تخلیقات اردو اور فارسی ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری کو اس عظیم مقصد یعنی قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے استعمال کیا۔ انہیں احساس دلایا کہ وہ پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں۔ آپ نے اپنی آفاقی شاعری سے قوم میں احساس بیدار کیا۔





قدیر کہانی

شاہد نذیر چودھری

(قسط نمبر 12)

ہر ایک کی نظر میں ہزاروں سوال تھے، دل اضطراب نشاط سے بھرے تھے اور وہ ایک دوسرے سے یہی پوچھتے نظر آتے تھے۔

یہ ڈاکٹر خان انسان ہیں یا جن...... اللہ جانے ان کا کس مٹی سے خمیر اٹھایا گیا ہے۔ ان کی نظر میں نہ دن ہے نہ رات بس کام کام ہی ان کے معمولات ہیں۔

ڈاکٹر فاروق بھی ان دنوں ڈاکٹر خاں کے شانہ بشانہ اب اپنی زندگی کی ساری شامیں اور صبحیں کہوٹہ کی سرزمین پر گزار رہے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر خان سے یہ کہہ ہی دیا۔ ڈاکٹر صاحب! آپ کا جذبہ اور کام کی رفتار دیکھ کر سارے لوگ حیران ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر خاں گوشت پوست کے انسان نہیں ہیں۔ انہیں نہ نیند کی ضرورت ہے نہ کھانے کی حاجت...... وہ چھتیس گھنٹے بعد کچھ دیر کیلئے فرشی بستر پر کمر سیدھی کر لیتے ہیں۔ آخر انہیں اس محنت سے کیا مل جائے گا......۔"

"فاروق! میری بات یاد رکھو! جب زندگی میں اعلیٰ نصب العین ہو تو ذاتی آرام و سکون کی کوئی حیثیت نہیں ہونی چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ ان پتھریلی اور کانٹوں سے بھری وادی میں چلتے چلتے میرے اور تمہارے پاؤں سوج چکے ہیں اور یہی حال دوسرے لوگوں کا بھی ہے۔ ان کا بھی وہی مقصد حیات ہے جو میرا ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ میں نے یہ ذمہ داری اٹھالی ہے اور آپ لوگ میری مدد کر رہے ہیں۔ میری یہ ذمہ داری اپنے وطن عزیز کی ترقی اور استحکام سے مشروط ہے۔ تم جانتے ہو میں ہالینڈ میں رہتا تو عیش کر رہا ہوتا...... مگر میں نے اپنی زندگی کہوٹہ کے اس عظیم پراجیکٹ کی نذر کر دی ہے تو اس مقصد کے حصول کی خاطر مجھے عیش و آرام کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ اگر میں خود آرام طلب ہوں گا تو یقین کرو...... کوئی بھی جذبہ جنون کے ساتھ کام نہیں کرے گا۔"

حقیقت بھی یہی تھی ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے کہوٹہ لیبارٹری کے لیے جس انداز اور رفتار سے کام کیا وہ بہت سے ادارے مل کر بھی انجام نہیں دے سکتے تھے۔

دنیا بھر میں جتنے سائنسی منصوبوں یا بڑے پراجیکٹ پر کام ہوتا ہے پہلے ان کا تخمینہ لگایا جاتا ہے پھر لیبارٹری کی سطح پر نمونے (ماڈل) بنائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد پائلٹ پلانٹ کام شروع کرتے ہیں اور پھر جا کر وسیع صنعتی پیمانہ پر عمل درآمد ہوتا ہے لیکن تقدیر نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ایک اچھوتا شاہکار بنا دیا تھا۔ انہوں نے کہوٹہ پلانٹ کے تمام منصوبوں پر بیک وقت کام شروع کر کے سب کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ یعنی ایک طرف بڑا پلانٹ تیار ہو رہا تھا تو ادھر لیبارٹری میں اس کے تجربات بھی جاری تھے۔ گویا ڈاکٹر خان نے کہوٹہ کی ساری ٹیم میں ایک کنبہ کی روح پھونک دی تھی کہ سب شب و روز اپنے کام میں مست تھے۔

ایٹمی منصوبے کے لئے کہوٹہ کی جگہ کا تعین کرنے سے پہلے اس منصوبے کے ابتدائی دفاتر ان گیراجز میں قائم کئے گئے تھے جو دوسری جنگ عظیم کی باقیات تھے ان سیل زدہ اور بوسیدہ کوارٹرز میں چمگادڑوں، بچھوؤں اور دوسرے حشرات الارض کے ڈیرے تھے۔ ان دفاتر کی صفائی کے دوران روزانہ یہاں زہریلے سانپ برآمد ہوتے تھے گویا یہ علاقہ سانپوں کا گھر تھا لیکن جب ڈاکٹر خان کو اس پراجیکٹ کا نگران اعلیٰ بنایا گیا تو گویا انقلاب آگیا۔ جس کمرے میں پہلے لیبارٹری قائم کی گئی وہاں سے بھی روزانہ سانپ نکلتے جنہیں مار دیا جاتا۔ ڈاکٹر خان نے آتے ہی سب سے پہلے لیبارٹریز کے لئے درکار سامان منگوایا اور نئے عملے کی بھرتی ہونے لگی تا کہ کام کو تیز کیا جا سکے۔ عین ان دنوں جب انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹریز کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں وہاں پہلے سینٹری فیوج بنانے کا کام جاری تھا۔ ڈاکٹر خان سہالہ میں تجرباتی پلانٹ کی تیاریاں کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ کہوٹہ پلانٹ کے نقشے تیار ہو رہے تھے۔

بالآخر 1978ء کے وسط میں منصوبہ ایک نازک موڑ پر آگیا جب لیبارٹری میں سینٹری فیوج کے تحت یورینیم کو افزودہ کرنے کا تجربہ کامیاب ہوگیا۔ چنانچہ تجرباتی پلانٹ پر کام تیزی سے ہونے لگا اور ایک سال کے مختصر عرصہ میں یہ کام مکمل ہوگیا۔ کہوٹہ پلانٹ اس کی اساس پر ڈیزائن کیا جاتا تھا۔

ڈاکٹر خان ہر محاذ پر یکساں مصروف ہو گئے تھے۔ کہوٹہ پلانٹ کا بنیادی ڈیزائن تیار ہوا، ادھر انہوں نے پہلی سینٹری فیوج تیار کر ڈالی۔ ان دنوں ڈاکٹر خان ایک گمنام سپاہی تھے وہ کسی کو اپنا تعارف نہیں کراتے تھے اور اپنی تمام صلاحیتیں تندہی اور سرفروشی کے ساتھ استعمال کر رہے تھے وہ ایک پرانی سی پک اپ پر چپ چاپ سالخوردہ دفتر میں آتے اور سنجیدگی سے امور انجام دیتے۔ ان کے اکثر ساتھی ان کے درویشانہ طرز زندگی پر نہ صرف حیران بلکہ بعض اوقات بہت پریشان ہو جاتے تھے۔ بہرحال وہ بھی یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ ڈاکٹر خان کوئی غیر معمولی شخصیت ہیں جو کسی ہمالہ کو سر کرنے کے لئے ہر روز ایک قدم آگے بڑھ رہے ہیں۔

ڈاکٹر خان نے اس منصوبے کو انقلابی انداز میں منظم کیا۔ انہوں نے اچھے اور مخلص لوگوں کی تلاش شروع کر دی اور جہاں بھی انہیں کوئی جوہر قابل نظر آیا اسے اپنے پراجیکٹ میں لے آئے۔ انہیں حکومت کا مکمل تعاون اور حمایت حاصل تھی لہٰذا وہ بیرون ملک کام کرنے والے چند ذہین پاکستانیوں کو بھی واپس وطن بلانے میں کامیاب رہے۔ ان میں سے چار انگلستان، تین کینیڈا اور کچھ امریکہ میں اعلیٰ اور منفعت بخش عہدوں پر فائز

رہے تھے۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سائنسدانوں اور انجینئروں کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی جو نہایت فعال محنتی اور قابل ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی ترقی یافتہ جوہری شعبے میں پاکستان کو خودکفیل بنانے کا عزم رکھتی تھی۔

ڈاکٹر خان نے اپنے ہم خیال سائنسدان اکٹھے کرنے کے ساتھ ساتھ انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹریز راولپنڈی میں سینٹری فیوج بنانے کا کام بھی جاری رکھا۔ وہ دنیا بھر سے ضروری ساز و سامان خریدتے اور منگواتے رہے تھے جبکہ سہالہ میں تجرباتی پلانٹ کی تنصیب اور کہوٹہ پلانٹ کے تفصیلی نقشے بھی تیزی سے تیار کر رہے تھے۔

یہ وہ دور تھا جب دنیا نے پاکستان کو ایٹمی ری ایکٹر کے آلات مہیا کرنے بند کر دیئے تھے۔ ان حالات میں سینٹری فیوج جیسی جدید ٹیکنالوجی کے آلات کا حصول بہت مشکل دکھائی دیتا تھا۔ مگر ڈاکٹر خان اہل مغرب کے بارے میں ایک ٹھوس رائے رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے ''مغربی تاجر کی نفسیات ایک ایسے تاجر کی ہے جو اپنی ہر چیز ہر وقت فروخت کرنے کے لئے ہر لمحہ تیار رہتا ہے اگر مناسب قیمت ادا کی جائے تو'' انہوں نے مغرب کی اس کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور کھلی منڈی سے مال کی خریداری کا اہتمام کرنے لگے۔

انہوں نے کسی بھی پرزے یا آلات کی خریداری کے باقاعدہ اجازت نامے حاصل کر کے خریداری کی۔ البتہ ہر ملک کے قانونی سقم کا بھی فائدہ اٹھایا مثلاً یورینیم کی افزودگی کیلئے پلانٹ کے اہم حصے ممنوع قرار دیئے گئے تھے اور کئی ممالک میں ان کی برآمد کے لئے قانون اور ضابطے بنائے گئے لیکن ان کے الگ الگ پرزوں کی برآمد پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ پاکستان نے افزودگی پلانٹ کے لئے نہایت منظم طریقے سے خریداری کا آغاز کیا اور اس کے ضروری حصے اور پرزے مختلف ملکوں کی تقریباً ایک درجن کمپنیوں سے خرید لئے۔

یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ اوائل 1979ء میں جب امریکہ نے سوئٹزرلینڈ پر بعض پرزوں کی سپلائی روکنے کیلئے دباؤ ڈالا اور اسے ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاہدے کی خلاف ورزی کا مرتکب ٹھہرایا تو سوئس حکومت نے اس پر شدید ردعمل ظاہر کیا اور امریکی الزامات مسترد کر دیئے اور کہا کہ پاکستان سے جو بھی سودے کئے گئے ہیں وہ قانون کے عین مطابق ہیں۔ دسمبر 1975ء کے آخر میں ڈاکٹر خان کی وطن واپسی پر اس بارے میں ایک کریش پروگرام پر عمل شروع ہو گیا۔

پہلا سودا سوئٹزرلینڈ کی معروف فرم سے ہوا۔ اس فرم سے سنٹری فیوج افزودگی پلانٹ کے لئے خصوصی ''ہائی ویکیوم والوز'' اور ''کور انجینئرنگ'' سے سنٹری فیوج کو فلورائیڈ گیس فراہم کرنے والے یونٹ خریدے گئے۔ ان کمپنیوں نے اپنی حکومت سے اجازت لی تھی۔ یہ اشیاء انفرادی طور پر ''لندن کلب'' کی ممنوعہ اشیاء کی فہرست میں شامل نہ تھیں اور یہ تمام یونٹ پاکستان پہنچانے کے لئے تین، سی 130 ہرکولیس طیارے باقاعدہ چارٹر کئے گئے تھے۔

امریکہ نے جب سوئس حکومت پر اعتراض کیا تو ان کمپنیوں نے کہا ''ہمارا ایٹمی ہتھیاروں سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہم جانتے ہیں کہ ایٹمی ہتھیار کس طرح بنتے ہیں۔ یہ سودا تو دراصل نٹ اور بولٹ کا تھا'' سوئس حکومت نے امریکی اعتراضات کے باوجود پاکستان کو بعض خصوصی نوعیت کی ٹیوبیں اور عمدہ فولاد بھی فروخت کیا۔

70ء کے عشرے میں ہالینڈ ایٹمی تنصیبات کا مرکز بنا ہوا تھا اور دنیا بھر کی جدید ٹیکنالوجی یہاں کے ایٹمی منصوبے میں آزمائی جارہی تھی۔ ڈاکٹر خان نے اس جدید ٹیکنالوجی کے مرکز سے آلات اور پرزوں کی خریداری کے لئے اپنے ذرائع استعمال کئے۔ وہ کئی ایسے سپلائرز کو جانتے تھے جن سے ہالینڈ میں قیام کے دوران انہوں نے خصوصی مراسم قائم کر لئے تھے۔ ڈاکٹر خان کی بدولت ہی ایک فرم نے بھی بھاری تعداد میں کئی اشیاء پاکستان کو فروخت کیں جبکہ ایک دوسری فرم نے ساتھ ہزار کے قریب خصوصی طور پر سخت کی گئی فولادی ٹیوبیں پاکستان کو مہیا کیں۔ ان کی آخری کھیپ ستمبر 1979ء میں پاکستان روانہ کی گئی۔

ڈچ حکومت نے امریکہ کو راضی کرنے کیلئے ان تمام فرموں پر دباؤ ڈالا جو پاکستان کو حساس آلات فروخت کر رہی تھیں۔ وی ڈی ٹی پر بھی ڈچ حکومت نے بہت دباؤ ڈالا مگر اس فرم نے یہ کہہ کر حکومتی دباؤ مسترد کر دیا کہ ڈچ قانون کسی ایسی فروخت کی مخالفت نہیں کرتا لہٰذا ہم معاہدے کی رو سے پاکستان کو سامان مہیا کریں گے۔''

حکومتی دباؤ کے باوجود ہالینڈ کی فرموں نے ڈاکٹر خان کے ساتھ کئے تمام وعدے پورے کئے اور ایک ایسی ہی فرم نے المونیم ٹیوبیں بھی فروخت کر دیں۔ جبکہ 1977ء کے موسم بہار میں پاکستان نے خصوصی نوعیت کے مارجنگ سٹیل کا ایک اور آرڈر دیا تو ڈچ حکام اس سے آگاہ ہونے کے باوجود ان فرموں کو سپلائی سے نہ روک سکے۔

لندن سے شائع ہونے والے جریدے ایٹ ڈیز نے اس بارے میں لکھا کہ سینٹری فیوج کے نہایت اہم ساز و سامان کے حصول کے لئے پاکستان نے کئی ''نمائشی کمپنیاں'' قائم کیں۔

سوال: ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے کس مقصد کیلئے اپنی زندگی وقف کی؟

اس سوال کا جواب دیں۔ درست جواب پر قرعہ اندازی کے ذریعے پانچ خوش نصیبوں کو محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی دستخط شدہ تصاویر انعام میں دی جائیں گی۔

برطانیہ، ایمسٹرڈیم اور مغربی جرمنی کے کئی شہروں اور قصبات میں سرگرم عمل نمائشی کمپنیوں میں سے کئی ایک نے فقط ایک بار خریداری کی۔ سامان پاکستان کے ہاتھوں فروخت کیا اور اپنا بستر بوریا لپیٹ لیا۔

فرانس سے یورینیم پلانٹ کے لئے خریداری بہت کم رہی۔ تاہم شمالی فرانس کے ایک ادارے سے سنٹری فیوج کے لئے 10 ہزار بیلوز کی خریداری کا معاملہ خاصہ دلچسپ رہا۔ کہا جاتا ہے کہ فرانسیسی کسٹم نے متعلقہ فرم کو اس آرڈر کی تعمیل نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن اس نے مطلوبہ مال بیلجیئم کی ایک فرم کے ذریعے پاکستان بھجوا دیا۔

1997ء میں بھٹو کی وزارت عظمیٰ کے آخری ایام میں بھی کہوٹہ پراجیکٹ پر کچھ اثر نہ پڑا کیونکہ غلام اسحاق خان نے اس کی سرپرستی لے لی تھی۔ بھٹو کے بعد جنرل ضیاء الحق نے برسر اقتدار آ کر پہلے ہفتے ہی میں ایک صاحب کو پراجیکٹ کے لئے جرمنی بھیجا۔ ''ایٹ ڈیز'' اخبار کے مطابق یہ چپکے چپکے خریداریاں کبھی منظر عام پر نہ آتیں اگر 1978ء کے آخر میں ایک صنعتی تنازعہ جنم نہ لے لیتا۔

اخبار کے مطابق ایمرسن سونڈن نامی فرم ستمبر 1978ء میں پاکستان کے تیسرے آرڈر کی تعمیل میں مصروف تھی۔ یہ آرڈر ایک سو ایک انورٹرز اور فاضل پرزوں کے لئے تھا۔ اسے 4 ستمبر سے شروع ہو کر چار ماہ کے اندر مکمل ہونا تھا مگر اس دوران کسی نے برطانیہ کے لیبر ممبر پارلیمنٹ فرینک الون کو ان انورٹرز کے آرڈر کے بارے میں بتایا جس میں واضح طور پر ''پاکستان سپیشل پراجیکٹ'' کے الفاظ درج تھے۔ اس نے دارالعوام میں یہ مسئلہ اٹھایا اور وزیر توانائی ٹونی بن کو تحقیقات پر مامور کر دیا۔ تحقیقات پر سب سے پہلے جو بات سامنے آئی وہ یہ تھی کہ انورٹرز کی برآمد قطعاً قانونی تھی اور اس کی پہلی کھیپ پاکستان روانہ کی جا چکی تھی لیکن بعد میں حکومت برطانیہ نے انورٹرز کو ایکسپورٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کر کے ان کی مزید ترسیل رکوا دی۔

ایمرسن کے ایک انجینئر کا کہنا ہے کہ ہم واضح طور پر جانتے تھے کہ انورٹرز یورینیم پلانٹ کے لئے ہیں لیکن ہم اس بارے میں بالکل پریشان نہ تھے۔ کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ پاکستانی اس انتہائی جدید سامان کو کبھی استعمال نہ کر سکیں گے اور یہ ڈبوں میں بند پڑا ناکارہ ہو جائے گا مگر پہلی کھیپ کے بعد جب ہمیں ایک طویل ٹیلکس کے ذریعے پاکستان سے ان میں طویل اور پیچیدہ ترامیم کی ہدایات موصول ہوئیں تو ہم حیران رہ گئے۔ فرینک الون کے مطابق یہ انورٹرز بالکل ویسے ہی تھے جو برطانوی ایٹمی توانائی ادارے کے لئے بنائے جاتے تھے۔ یہ کسی طرح بھی ٹیکسٹائل فیکٹری کے لئے موزوں نہ تھے۔ جبکہ ٹونی بن کا خیال تھا کہ ''پاکستان ایٹمی پروگرام جاری رکھے ہوئے ہے''۔ (جاری)



آرول رائٹ

اس نے دنیا کی تاریخ کا رخ بدل دیا لیکن اسے اس کا احساس تک نہ ہوا

عالیہ گیلانی

ساٹھ سال پہلے کی بات ہے کہ امریکہ کی ایک ریاست اوہیو میں ایک چھوٹا واقعہ ہوا۔ کم از کم اس وقت تو وہ معمولی دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اب ہم جانتے ہیں کہ اس واقعہ نے ہم سب کی زندگیوں پر کس قدر گہرا اثر کیا ہے۔ اس یادگار دن کو آرول رائٹ اپنے شہر ڈیوئن کی لائبریری میں گیا اور اس نے وہاں سے ایک کتاب نکلوائی۔ اس کتاب میں لین تعال نامی ایک جرمن کی داستان حیات درج تھی جو ایک بڑی پتنگ میں بیٹھ کر اڑا کرتا تھا۔ تعال اس پتنگ میں کوئی انجن استعمال نہ کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اڑ سکتا تھا۔ اس رات آرول رائٹ صبح تک کتاب کے مطالعے میں مصروف رہا اور لین تعال کے معرکے نے اس پر ایک طرح کا جادو کر دیا۔ آرول رائٹ نے اس داستان کا ذکر اپنے بھائی ولبر سے کیا۔ دونوں بھائیوں نے مل کر ایک ایسا کام شروع کر دیا جو ہوائی جہاز کی ایجاد پر ختم اور جس نے ان کا نام زندہ جاوید بنا دیا۔

دونوں بھائیوں نے کوئی خاص تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ وہ ہائی سکول تک بھی نہ پڑھے تھے لیکن ان کے پاس ایک ایسی چیز تھی جو تعلیمی سند سے کہیں زیادہ اہم تھی۔ وہ زندگی میں کوئی اہم کام کرنا چاہتے تھے۔ ان کے ارادے بڑے بلند تھے۔ کئی سال پہلے جب وہ فقط لڑکے تھے تو وہ دیہات میں جا کر مردہ گھوڑوں اور بھینسوں کی ہڈیاں چنتے اور انہیں کھاد کی فیکٹری میں فروخت کر دیتے۔ پھر وہ لوہے کے ٹکڑے چنتے اور انہیں ایک کباڑیے کے ہاں بیچ ڈالتے۔ بعد میں انہوں نے ایک چھاپہ خانہ بنایا اور اخبار شائع کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کا یہ کاروبار ناکام ثابت ہوا۔ پھر انہوں نے سائیکلوں کی خرید و فروخت اور مرمت کی ایک چھوٹی سی دوکان شروع کر دی۔

جسم اور روح کا رابطہ قائم رکھنے کیلئے وہ جو کچھ بھی کرتے رہے لیکن اس دوران فضا میں پرواز کرنے کی خواہش کبھی نہ بھولے۔ اتوار کے دن وہ اپنے چھوٹے سے شہر کے قریب ایک پہاڑی پر گھنٹوں لیٹے فضا میں محو پرواز عقابوں کو دیکھتے رہتے۔ انہوں نے اپنی سائیکلوں کی دوکان کے اندر ایک ہوائی سرنگ بنائی اور پروں پر ہوا کے دباؤ کا تجربہ کرنے لگے۔ اس سلسلے میں انہوں نے بہت سی پتنگیں بنائیں، آخر کار انہوں نے ایک بہت بڑی پتنگ بنائی اور اسے پہاڑی پر لے گئے۔ یہ پتنگ انہوں نے کئی سال کے تجربے کے بعد تیار کی تھی اور اس میں اپنا بنایا ہوا ایک انجن لگایا تھا۔ 17 ستمبر 1903ء کو انہوں نے کٹی ہاک کے مقام پر اس مشینی پتنگ میں بیٹھ کر اُڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ وہ دن تھا جب انسانی تاریخ میں ایک زبردست انقلاب آیا تھا۔ لیکن ان کے پیش نظر یہ مسئلہ تھا کہ دونوں بھائیوں میں سے اس پتنگ میں کون بیٹھے۔ آخر انہوں نے ٹاس کیا اور آرول جیت گیا۔ وہ دن بڑا سرد اور دھوپ سے خالی تھا۔ تیز ہوا برف کے گالے فضا میں اچھال رہی تھی اس قدر سردی کے باوجود آرول نے فقط سویٹر پہن رکھا تھا

کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی مشینی پتنگ پر زیادہ بوجھ پڑے۔ ٹھیک دس بج کر پینتیس منٹ پر آرول رائٹ مشینی پتنگ میں سوار ہوگیا۔ اس نے اندر بیٹھ کر مشین کو سٹارٹ کیا اور پتنگ چیختی چلاتی ہوئی ہوا میں اڑنے لگی۔ مشین کی پشت سے شعلے نکل رہے تھے۔ دس بارہ سیکنڈ تک مشینی پتنگ ہوا میں اونچی نیچی ہوتی رہی اور پھر تقریباً ایک سو فٹ دور زمین پر اتر گئی۔ یہ عظیم واقعہ تھا۔ یہ تمدن کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا۔ آخرکار صدیوں کا پرانا خواب پورا ہوگیا۔ پہلی مرتبہ انسان زمین کی بیڑیاں توڑ کر ستاروں کی سمت اڑنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس کے باوجود آرول رائٹ کا کہنا ہے کہ اس عظیم واقعہ نے اس کے اندر کوئی جذباتی ہیجان پیدا نہ کیا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ سب کچھ اس کی امید کے مطابق ہوا تھا۔ لہٰذا اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ آورل رائٹ وہ پہلا شخص ہے جس نے ہوا میں پرواز کی تھی لیکن بعد میں مرتے دم تک اس کے پاس پرواز کرنے کا لائسنس موجود نہ تھا۔ وہ کئی برس ہوائی جہاز میں سوار تک نہ ہوا۔ وہ ایک شرمیلا آدمی تھا' اسے شہرت سے دلی نفرت تھی اس لئے اس نے اپنی داستان حیات اپنے قلم سے لکھنی پسند نہ کی۔ وہ اخباروں اور رسالوں کے لئے اپنی تصویر بھی نہ دیا کرتا تھا۔ اور اخبار کے نمائندوں سے بات چیت کرتے وقت ہچکچایا کرتا تھا۔ وہ دونوں بھائی انکساری کے پتلے تھے۔ ایک دن ولبر نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اس کے ساتھ ہی ایک سرخ ربن زمین پر گرا جب اسکی بہن نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا تھا تو اس نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔ "اوہ! بہن تمہیں بتانا بھول گیا یہ ربن کل شام کو فرانسیسی حکومت نے اعزازی طور پر مجھے دیا تھا۔"

آورل رائٹ اور ولبر دونوں مذہبی نقطہ نظر سے بڑے دقیانوسی واقع ہوئے تھے۔ وہ اتوار کے دن کبھی ہوائی جہاز میں سوار نہ ہوئے۔ ایک دفعہ اتوار کے دن سپین کے بادشاہ نے ان سے کہا کہ وہ اسے اپنے ہوائی جہاز میں سیر کرائیں۔ لیکن دونوں بھائیوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اتوار کے دن انہوں نے کبھی ہوائی جہاز میں پرواز نہیں کی۔ دونوں بھائیوں نے شادی نہیں کی تھی۔ ایک دفعہ ان کے باپ نے کہا تھا کہ اس کے بیٹے بیویوں اور ہوائی جہاز میں جس چیز کو چاہیں چن لیں ان دونوں نے بیویوں کی بجائے ہوائی جہاز کو منتخب کرلیا۔

اگر کوئی مجھ سے میرے پیشے کے بارے میں سوال کر بیٹھے تو مجھے ایک گھبراہٹ سی آلیتی ہے۔ یوں تو مجھے ایک ٹھہرے مزاج والا شخص سمجھا جاتا ہے۔ مگر ایسے موقعوں پر میرا چہرہ سرخ پڑ جاتا ہے۔ زبان تتلانے لگتی ہے مجھے ان لوگوں پر رشک آتا ہے جو ایسے سوالات پر کھٹاک سے کہہ دیتے ہیں "میں راج گیری کرتا ہوں"۔ مجھے حجاموں' منشیوں اور ادیبوں پر بھی رشک آتا ہے کہ انہیں اپنے روزگار کی شناخت کے لئے لمبی چوڑی وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب میری درماندگی ملاحظہ فرمایئے۔ "جناب! میں ہنسنے والا ہوں" ایسے

تحریر: ہنرخ بول
تلخیص و ترجمہ: سیدہ سندس گیلانی

ایسے شخص کی کہانی جو سورنگ میں ہنس تو سکتا ہے مگر اس نے کبھی اپنی ہنسی نہیں سنی



جواب کا مطلب ہے کہ ایک اور سوال کے لئے تیار رہیے۔ کیونکہ فوراً ہی سوال ہوتا ہے۔ "تو گویا آپ اپنی روزی ہنسنے سے کماتے ہیں"۔ سو میں ایک بار پھر تسلیم کرتا ہوں۔ واقعہ یہی ہے کہ میں اپنی روزی ہنسنے سے کماتا ہوں اور روزی بھی خاصے ٹھاٹھ کی' کیونکہ کاروباری نقطہ نظر سے میری ہنسی کی منڈی میں بہت مانگ ہے۔ میں بڑے پائے کا ہنسنے والا ہوں' تجربہ کار' دور دور تک میری ٹکر کا کوئی ہنسنے والا نہیں ملتا۔ کسی کو اس فن لطیف کے رموز و نکات پر ایسی قدرت نہیں' عرصہ ہوا میں نے خود کو تکلیف دہ وضاحتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اداکار کہلوانا شروع کر دیا تھا۔ مجھے سچ بولنا پسند ہے اور یہی سچ ہے کہ میں ایک ہنسنے والا ہوں۔ میں مسخرا ہوں نہ مزاحیہ اداکار' میں لوگوں کو خوشیاں نہیں بخشتا' میں تو خوشیوں کی عکاسی کرتا ہوں۔ کسی رومن شہنشاہ کے قہقہے سے لے کر سکول کے کسی حساس طالب علم تک سب کی نقل اتار سکتا ہوں۔ ہنسنے کی یہ صلاحیت بھی جوتے گانٹھنے کے ہنر کی طرح ہے۔ میرے ہنسنے میں امریکی ہنسی' افریقی ہنسی کے بجرے لنگر انداز ہیں۔ مناسب معاوضے کی صورت میں ہدایت کار کے ایک اشارے پر ان میں سے کسی بھی قسم کا قہقہہ اپنے حلق سے برآمد کرسکتا ہوں۔

میں ایک ناگزیر جنس بن چکا ہوں۔ میری ہنسی کے ریکارڈ فروخت ہوتے ہیں۔ میری ہنسی کے ٹیپ بنائے جاتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے ہدایت کار مجھ سے احترام سے پیش آتے ہیں۔ میں افسردہ ہنسی پیش کر سکتا ہوں۔ مہذب لوگوں کی طرح ایک دائرے کے اندر رہتے ہوئے ہنس سکتا ہوں اور پاگلوں کی طرح قہقہے لگا سکتا ہوں۔ بس کے کنڈیکٹر سے لے کر کریانے والے کی ہنسی تک۔ سو بات کی ایک بات کہ جہاں بھی اور جیسا بھی قہقہہ درکار ہو' میں مہیا کرسکتا ہوں۔ یہ بتانے کی شاید کوئی ضرورت نہیں کہ اس قسم کا کام خاصا تھکا دینے والا ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب سے میں نے "متعدی قہقہے" کے فن پر عبور حاصل کیا ہے۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ قہقہے کی یہ طرز خالص میری ایجاد ہے۔ اس نے مجھے تیسرے اور چوتھے درجے کے مزاحیہ اداکاروں کے روزگار کا جزو لاینفک بنا دیا ہے۔ ان حضرات کو یہ اندیشہ ہوتا ہے...... اور انہیں ہونا بھی چاہئے کہ لوگ ان کے مزاح سے محظوظ نہیں ہو پائیں گے چنانچہ میری شامیں کرائے کے کسی سمجھدار نعرے باز کی حیثیت سے گزرتی ہیں۔ میرا کام ہے کھیل کے قدرے کمزور حصوں میں اس زور سے ہنسنا کہ مجمع میں متعدی قہقہے بلند ہونے لگیں۔ آپ جانیں اس قسم کے کام میں ایک ایک لمحے کا حساب رکھنا پڑتا ہے۔ میرے قہقہے کو اصل مقام سے نہ ایک لمحہ پہلے برآمد ہونا ہے نہ تاخیر سے۔ عین وقت پر پہلے سے طے منصوبے کے مطابق میرے قہقہے ابلنے لگتے ہیں۔ مجمع کبھی مسکراہٹوں اور قہقہوں کے طوفان میں ڈوب جاتا ہے اور یوں مزاحیہ اداکاروں کی دنیا سنور جاتی ہے۔

میں تھکا ماندہ' خود کو گھسیٹ کر بیرونی کمرے تک لے جاتا ہوں اور اپنا اوورکوٹ اٹھاتے ہوئے خوش ہوتا ہوں کہ آخرکار میں گھر جاسکتا ہوں۔ گھر پر بھی مختلف جگہ سے آئے ہوئے تار میرا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ فوری طور پر آپ کے قہقہوں کی ضرورت ہے۔ ریکارڈنگ منگل کو ہے۔ چند ہی گھنٹوں بعد میں کسی تنور کی طرح تپتی ایکسپریس ٹرین میں بیٹھا اپنی قسمت کو کوس رہا ہوتا ہوں۔

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کام کے بعد گھر یا تعطیلات کے دوران میرا ہنسنے کو ذرا بھی دل نہیں چاہتا۔ گوالے بھینسوں سے دور رہ کر خوش رہتے ہیں۔ معمار گارے چونے کو بھول کر خوش رہتے ہیں' حلوائی اچار چٹنیاں پسند کرتے ہیں' قصاب حلوے کے شوقین ہوتے ہیں۔ نان بائی روٹی کے بجائے سموسے پسند کرتے ہیں۔ کسی بچے کی پھوٹی ہوئی نکسیر دیکھ کر مکے بازوں کے رنگ اڑ جاتے ہیں۔ مجھے یہ سب فطری لگتا ہے۔ کیونکہ اوقات کار ختم ہونے کے بعد مجھے بھی ہنسی نہیں آتی۔ میں ایک سنجیدہ شخص ہوں بلکہ لوگ مجھے قنوطی سمجھتے ہیں۔

شادی شدہ زندگی کے ابتدائی برسوں میں میری بیوی اکثر مجھ سے ہنسی کی فرمائش کرتی تھی مگر اب وہ سمجھ گئی ہے کہ میرے لئے اس خواہش کو پورا کرنا ممکن نہیں۔ مجھے اپنے تناؤ کے شکار جبڑوں کو ڈھیلا چھوڑ کر سنجیدگی کے ذریعے اپنی کچلی ہوئی روح کو سکون بخش کر خوشی ہوتی ہے۔ مجھے تو دوسروں کے قہقہے بھی برے لگتے ہیں کہ اس سے مجھے اپنے پیشے کی بو آتی ہے۔ سو ہماری ازدواجی زندگی خاموش اور پرسکون ہے کیونکہ میری بیوی بھی ہنسنا بھول چکی ہے کبھی کبھار اسے مسکراتا دیکھ کر میں بھی مسکرا اٹھتا ہوں۔ ہم دھیمے لہجے میں بات چیت کرتے ہیں کیونکہ مجھے کلبوں اور ریکارڈنگ سٹوڈیو کے شور سے وحشت ہوتی ہے۔ جو لوگ مجھ سے واقف نہیں ہیں وہ مجھے کم گو خیال کرتے ہیں۔ شاید میں ایسا ہی ہوں کیونکہ مجھے زیادہ تر اپنا منہ ہنسنے کے لئے ہی کھولنا پڑتا ہے۔

بس یونہی دن گزرتے جارہے ہیں بغیر کسی خاص تاثر کے' کبھی کبھی میں دھیمے سے مسکرا لیتا ہوں۔ بعض اوقات تو مجھے خیال آتا ہے کہ میں کبھی ہنسا بھی تھا۔ میرا خیال ہے شاید نہیں۔ یوں تو میں سو رنگ میں ہنس لیتا ہوں مگر یوں لگتا ہے جیسے میں نے اپنی ہنسی کبھی نہیں سنی۔

نرالے ہیں انداز ہمارے



نہیں نہیں -- ہم پاکستانی بچیاں ہی ہیں ۔ سارہ عارف ،لائبہ عارف ۔ (لاہور)



مرے ہم وطنو! میری دونوں کرسیاں مضبوط ہیں ۔ مریم علینا (رحانہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ)



حیران ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے ایمن ضیاء



ہم بہن بھائی کتنے معصوم ہیں علیم جاوید، اریج جاوید (لاہور)



سردیوں میں گرم کپڑے ضرور پہننے چاہیں ازکی نور (کوٹ ادو)



میرے دانت کھانے کے بھی یہی ہیں سنعیہ ملک (لاہور)



ہٹ جاؤ پیچھے ورنہ ...... ابراہیم کامران ملک (انگلینڈ)



ہم خوش کیوں نہ ہوں عمرے کی سعادت جو حاصل ہوئی ہے ۔ حنا رفیق ۔ عثمان رفیق (سیالکوٹ)



آج کی سیر اچھی رہی ہے علی شکیل (رحیم یار خان)



آنکھیں ہوں تو ایسی ۔ عبداللہ (فورٹ عباس)



اداس اس لیے ہوں کہ گزشتہ سال کچھ اچھا نہیں گزرا ۔ محمد مسعود رضا



آنکھوں کی سوئیاں

کہاوت کہانی

پروفیسر محمد ظریف خان

شہزادہ خرم سلطنت خاقان کے شہنشاہ سلطان والانشان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ ان کا یہ محض یکتا و تنہا فرزند ہی نہ تھا بلکہ اکلوتی اولاد بھی تھا۔ شہنشاہ نے اولاد کی خاطر یکے بعد دیگرے کئی شادیاں کیں آخرکار ملکہ ارجمند خاتون کے ذریعے انہیں یہ شہزادہ عطا ہوا۔ چونکہ خرم کی پیدائش تک شہنشاہ کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ جلد از جلد اپنی آنکھوں سے اپنے بیٹے کا سہرا دیکھ لیں اس لئے انہوں نے مملکت عادل نگر کے بادشاہ محتشم خان کی صاحبزادی عالیہ سے شہزادے کی شادی صرف سولہ برس کی عمر میں کردی۔ شہزادی بھی بارہ تیرہ برس سے زیادہ کی نہ تھی۔ چونکہ دونوں بچے تھے اس لئے ان کے کام بھی بچگانہ ہی تھے۔ جب وہ ایک ساتھ مل کر بچوں جیسے کھیل کھیلا کرتے تو انہیں دیکھ کر اس بات کا یقین ہی نہ آتا کہ یہ میاں بیوی ہو سکتے ہیں۔ سلطنت خاقان کی حدود ہی میں کوہ قاف نامی ایک پہاڑی وادی بھی واقع تھی۔ اس سلسلہ کوہ ہی میں جہاں ہرن اور بارہ سینگھے وغیرہ کا شکار کرنے کے وافر مواقع موجود تھے وہیں یہ وادی اس لحاظ سے پراسرار بھی تھی کہ اس کے کسی حصے میں دیو اور پریوں کا مسکن تھا ایک بار شہزادہ وادی میں شکار کھیلتے ہوئے۔ بھٹک کر اس وادی میں جا پہنچا جہاں اس کی ملاقات نیلم نامی ایک پری سے ہوگئی۔ نیلم نے شہزادہ خرم کو شادی کی پیش کش کر ڈالی۔ جب خرم نے انکار کیا تو نیلم نے اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔ اس افسوں سے جہاں شہزادہ اڑتا ہوا دور جا گرا وہیں اس کے جسم کے ہر حصے پر سوئیاں گھس گئیں۔ آنکھوں سمیت جسم کا کوئی حصہ ان سوئیوں کی دسترس سے نہ بچ سکا۔

خرم کے محافظ جب اسے تلاش کرتے ہوئے وادی تک آئے تو انہوں نے اسے بے ہوش اور ابتر حالت میں دیکھا وہ بدقت تمام اسے اٹھا کر محل میں لائے۔ بادشاہ ملکہ اور شہزادی عالیہ نے جب خرم کی یہ حالت دیکھی تو تڑپ اٹھیں۔ بادشاہ اور ملکہ نے خرم کی سوئیاں نکالنے کی کوشش کی تو انہیں بجلی جیسا جھٹکا لگا۔ فوراً ہی شاہی نجومی اور اطبا طلب کیے گئے۔ مگر جو بھی ان سوئیوں کو ہاتھ لگاتا اس کا یہی حشر ہوتا۔ البتہ شاہی نجومی نے فال نکال کر بتایا کہ شہزادہ کی یہ حالت نیلم پری کے جادو سے بنی ہے۔ اس کی یہ سوئیاں شہزادی عالیہ کے سوا کوئی دوسرا انہیں نکال سکتا۔ مگر شرط یہ ہے کہ شہزادی کے علاوہ کوئی دوسرا فرد اسے ہاتھ نہ لگائے۔ سب سے پہلے پیروں کی سوئیاں نکالی جائیں اور پھر آنکھوں کی۔ اگر ابتدا ہی میں آنکھوں کی سوئیاں نکال دی گئیں تو شہزادہ مفلوج ہو جائے گا البتہ اگر پیروں سے سوئیاں نکالنے کا کام شروع کیا جائے تو آنکھوں تک جاتے جاتے جادو کا اثر تقریباً ختم ہو جائے گا۔

شہزادی اگرچہ چھوٹی سی تھی مگر نجومی کی بات سن کر وہ فوراً سوئیاں نکالنے بیٹھ گئی۔ سوئیاں کوئی سو دو سو تو تھیں نہیں۔ ان کی تعداد تو لاکھوں میں تھی۔ ان کو نکالنے کے لئے مہینوں درکار تھے۔ شہزادی کوئی چھ ماہ تک دن رات اسی کام میں مصروف رہی۔ صرف کسی انتہائی ضرورت کے تحت وہ شہزادے کے پاس سے اٹھتی۔ آہستہ آہستہ سوئیاں صاف ہوتی جا رہی تھیں۔ نجومی نے یہ بھی بتایا تھا کہ ان سوئیوں کو نکال کر آگ میں ڈال دینا چاہئے لہٰذا شہزادے کے کمرے میں ہمہ وقت ایک انگیٹھی بھی جلتی رہتی اور شہزادی کو گرم موسم میں اس کی تپش بھی برداشت کرنا پڑتی۔ خدا خدا کر کے ایسا وقت بھی آ گیا جب شہزادے کے پورے جسم سے سوئیوں کا صفایا ہو گیا۔ اور اب صرف آنکھوں کی سوئیاں باقی رہ گئیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو شہزادی یہ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑی کہ شہزادہ کے جسم میں کچھ حرکت پیدا ہوئی اور اس نے زور زور سے سانس لینا شروع کر دیا۔ پہلے تو شہزادی نے سوچا کہ وہ

بادشاہ اور ملکہ کو بلا کر انہیں شہزادے کی سنبھلی ہوئی حالت دکھائے مگر پھر برداشت سے کام لیا کیونکہ وہ اپنے ساس سسر کو یکدم خوشی دینے کی خواہشمند تھی۔

مگر اب یہ اس کی قسمت کا لکھا تھا کہ ابھی اس نے آنکھوں کی دو چار سوئیاں نکالی تھیں کہ اسے واش روم جانا پڑ گیا۔ اب چونکہ جادو کا اثر تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ اس لئے شہزادے کی آنکھوں سے سوئیاں نکالنے میں کسی کو کوئی خطرہ لاحق نہ تھا۔ اتفاقاً ایک حبشی کنیز کمرے کے ساتھ سے گزر رہی تھی۔ شہزادی نے اسے بلا کر کہا کہ آنکھوں سے سوئیاں نکالے تاکہ وہ خود واش روم سے فارغ ہو کر واپس آ جائے۔ کنیز پہلے تو ذرا ڈری مگر شہزادی نے اسے سمجھایا کہ اب خوف کی کوئی بات نہیں۔ اب کچھ نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ بے کھٹکے سوئیاں نکالنے دے۔ تب کنیز سوئیاں نکالنے بیٹھ گئی۔ اب یہ کام تو محض چند منٹ کا تھا۔ شہزادی ابھی واش روم میں ہی تھی کہ کنیز نے آنکھوں کی تمام سوئیاں نکال پھینکیں اور شہزادہ نے کلمہ پڑھتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ وہ اپنے قریب کنیز کو بیٹھا دیکھ کر سخت حیرت زدہ ہوا۔ اس نے کنیز سے اپنی بے ہوشی کا سبب دریافت کیا تو اس چالاک عورت نے اسے بتایا کہ وہ پری کے جادو سے بے ہوش ہو گیا تھا اس کے پورے جسم میں جادو کے ذریعے سوئیاں چبھو دی گئیں تھیں۔ ان سب کو میں نے نکالا ہے۔ شہزادی تو بالکل قریب بھی نہیں آئی۔

بس پھر کیا تھا؟ اس احمق شہزادے نے غصہ میں آ کر بلا سوچے سمجھے شہزادی کو طلاق دینے اور اس کنیز کو اپنی ملکہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور پھر جب شہزادی واپس آئی تو اسے پتہ چلا کہ یہاں تو دنیا ہی بدل چکی ہے۔ شہزادی نے بہت گریہ وزاری کی، لاکھ قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ تما سوئیاں میں نے نکالی ہیں۔ بادشاہ اور ملکہ نے بھی آ کر سمجھایا مگر شہزادے نے کسی کی ایک نہ سنی اور شہزادی کو محل سے نکال کر کنیز سے شادی کر لی۔ گویا آنکھوں کی سوئیوں نے کنیز کو ملکہ بنا دیا۔

آنکھوں کی سوئیاں نکالنا'' یا '' آنکھوں کی سوئیاں رہ جانا۔ یہ کہاوت اس وقت بولی جاتی ہے جب کوئی کام تکمیل کے قریب ہو اور کسی نہایت معمولی سبب سے مکمل نہ ہو سکے۔ اس کہاوت کو ان لوگوں کو حوصلہ افزائی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو کسی کام کی انجام دہی کے وقت آخری لمحات میں مایوس ہو کر ترک کر دیتے ہیں۔

''آیئے! اپریل فول منائیں!''

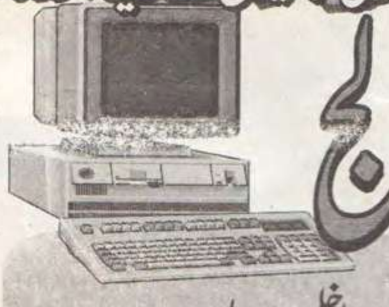
خاور علی

دنیا کے مختلف خطوں میں ہر سال یکم اپریل کو اپریل فول منایا جاتا ہے۔ اس روز لوگوں کو مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے، جھوٹ بولا جاتا ہے اور مختلف قسم کی افواہیں پھیلائی جاتی ہیں جس سے بعض اوقات کئی افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں کئی ذہنی ونفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔

اپریل فول کی ابتدا کے حوالے سے کئی روایات بیان کی جاتی ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا لاروش کے مطابق یکم اپریل یہودیوں کا تہوار ہے۔ اس روز رومیوں اور یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنے مذاق کا نشانہ بنایا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق اپریل فول سب سے پہلے 1564ء میں فرانس میں منایا گیا۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ سکاٹ لینڈ سے شروع ہوا جہاں اپریل فول دو روز تک منایا جاتا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق جولین کیلنڈر میں 25 مارچ سے سال نو کا آغاز ہوتا تھا اور سال نو کی تقریبات اپریل تک جاری رہتی تھیں اور ان تقریبات کے اختتام پر خوب ہنسی مذاق کیا جاتا تھا۔ فرانس میں بے وقوف بننے والے شخص کو اپریل فیشن کہا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ برصغیر میں پہلی بار اپریل فول انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر سے منایا جب وہ رنگون جیل میں تھے۔ انگریزوں نے صبح کے وقت بہادر شاہ ظفر سے کہا کہ یہ لو تمہارا ناشتہ آ گیا ہے۔ جب بہادر شاہ ظفر نے پلیٹ پر سے کپڑا اٹھایا تو پلیٹ میں ان کے بیٹے کا کٹا ہوا سر تھا جس سے بہادر شاہ ظفر کو سخت صدمہ پہنچا جس پر انگریزوں نے ان کا خوب مذاق اڑایا۔

ایک اور مستند روایت کے مطابق سپین پر عیسائیوں کے دوبارہ قبضے کے بعد عیسائیوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانا شروع کیا۔ اپنی مرضی کے قوانین ان پر ٹھونسنے لگے۔ انکار کرنے پر مسلمانوں کیلئے جینا مشکل کر دیا جاتا۔ رفتہ رفتہ قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیا گیا اور ان کے خون کی ندیاں بہا دی گئیں۔ سپین کے بادشاہ فرڈیننڈ نے مسلمانوں کو موت کی نیند سلانے کیلئے ایک مکارانہ چال چلی۔ اس نے اعلان کروایا کہ سپین میں عیسائیوں کی حکومت ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی جانیں اور مال محفوظ نہیں لہٰذا ان کو ایک اسلامی ریاست میں بھجوانے کا انتظام کیا گیا ہے تاکہ مسلمان وہاں محفوظ طریقے سے زندگی بسر کر سکیں۔ اس مقصد کیلئے ایک بحری جہاز کا انتظام کیا گیا ہے، جو مسلمان جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔ عیسائیوں کے ظلم وستم سے بچنے اور آزادی سے زندگی گزارنے کی خواہش میں مسلمانوں کی بڑی تعداد بحری جہاز میں سوار ہو گئی۔ جب یہ بحری جہاز سمندر کے بیچ پہنچا تو اسے ڈبو دیا گیا۔ اس موقع پر عیسائی حکمران اور عوام نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی خوشی میں ہر سال اپریل فول منانا شروع کر دیا۔ یہ وہ روایات ہیں جو اپریل فول منانے کی ابتدا کے حوالے سے ہیں۔ ان تمام روایات کو دیکھا جائے تو اپریل فول مسلمانوں کیلئے لمحۂ فکریہ ہے اور اس کو منانا کسی طور بھی مناسب نہیں۔ غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی ہر سال باقاعدہ اپریل فول منانا شروع کر دیا ہے حالانکہ جھوٹ بولنا اور کسی دوسرے انسان کو تکلیف پہنچانا اسلام میں بالکل جائز نہیں۔ یکم اپریل کی آمد ہے۔ ہنود ویہود دعوت دے رہے ہیں کہ ''آیئے! اپریل فول منائیں''، لیکن یہ ہم مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ ہمیں اپریل فول منانا چاہئے یا نہیں...... یقیناً نہیں......



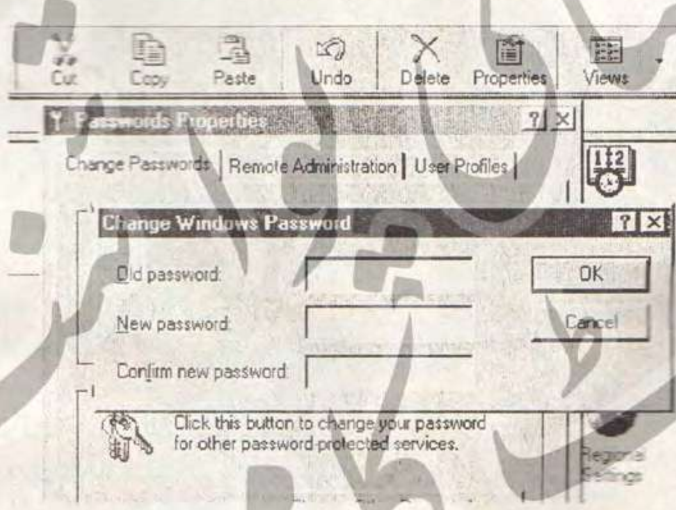
پھول کمپیوٹر کالج

کمپیوٹر ہماری زندگی میں تیزی سے داخل ہو رہا ہے اور ہر شعبے میں اس کا استعمال ناگزیر ہوتا جا رہا ہے کمپیوٹر کی اہمیت کے پیشِ نظر کمپیوٹر کی تعلیم دینے کا مفید سلسلہ

محمد حامد رانا M.C.S --- قسط نمبر 7

کمپیوٹر کو خفیہ کوڈ لگانا

آپ اپنے کمپیوٹر کو غیر ضروری ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کیلئے اس کو پاس ورڈ (خفیہ کوڈ) لگا سکتے ہیں، اس طرح آپ کا کمپیوٹر غیر ضروری ہاتھوں سے محفوظ رہے گا۔ آپ کو اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت بالکل نہیں ہے کہ آپ اپنے کمپیوٹر کو پاس ورڈ لگانے کے بعد اسے ختم کس طرح کر سکتے ہیں۔ پاس ورڈ (خفیہ کوڈ) لگانے کے بعد صرف وہی شخص آپ کے کمپیوٹر کو کھول سکے گا، جو اس خفیہ کوڈ کو جانتا ہوگا۔ سب سے پہلے جب آپ کا کمپیوٹر اسٹارٹ ہونے کے بعد جب کمپیوٹر کی کنفگریشن (کمپیوٹر کے اجزاء کی تفصیل) ظاہر ہوگئی تو اس وقت آپ کو بائیوس (BIOS) میں جانا ہوگا۔ بائیوس میں جانے کے لئے مختلف کمپیوٹروں میں مختلف کیز (Keys) ہوتی ہیں۔ جن کو دبانے سے آپ کا کمپیوٹر بائیوس میں چلا جاتا ہے، اس مقصد کیلئے Del (ڈیل) کی، یا پھر F2 کی یا پھر کئی سسٹمز میں ESc کی استعمال ہوتی ہے، اس سلسلے میں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت بالکل نہیں ہے۔ اگر آپ اس بارے میں زیادہ نہیں جانتے تو کنفگریشن والے صفحہ کے آخر میں لکھا ہوتا ہے (press Esc key to Enter Setup) جونہی آپ اسکیپ (ESC) کی (key) کو دبائیں گے تو آپ کا کمپیوٹر بائیوس میں داخل ہو جائیگا۔ بائیوس میں کچھ مینوز اور سب مینو ہوں گے، اس میں سے آپ Security (سیکورٹی) کے مینو میں جائیں۔ واضح رہے کہ بائیوس میں ماؤس کام نہیں کرتا بلکہ اس کیلئے آپ کو کی بورڈ میں کام کرنا پڑتا ہے، ان میں آپ ایرو کیز کی مدد سے بھی کام کر سکتے ہیں اور اس کی متعلقہ مدد اس صفحہ کے سب سے نچلے حصے پر لکھی ہوتی ہے کہ آپ نے اگلے صفحہ پر جانا ہے تو کونسی کی دبانی ہے اور اگر پچھلے صفحے پر جانا ہے تو پھر کونسی کی دبانی ہے۔ سیکورٹی کے مینوز میں لکھا ہوگا Set user password



آپ کو ایرو کیز کی مدد سے سلیکٹ کر کے اینٹر کا بٹن دبا دیں۔ جونہی آپ اینٹر کا بٹن دبائیں گے تو ایک ڈائیلاگ باکس کھل جائے گا جس میں لکھا ہوگا (Enter new password) آپ نیا پاس ورڈ تحریر کریں، آپ جو کوئی بھی پاس ورڈ لگانا چاہتے ہیں اس کو یہاں لکھ دیں، پاس ورڈ لکھنے کے بعد آپ اینٹر کا بٹن دبائیں گے تو کنفرمیشن کا ڈیلاگ باکس کھل جائے گا، اس میں بھی آپ وہی والا پاس ورڈ لکھ کر اینٹر دبا دیں اور پھر ایک ڈائیلاگ باکس آپ کو بتا دے گا کہ آپ کا لگایا ہوا پاس ورڈ محفوظ ہو چکا ہے۔ پھر آپ سیکورٹی کے مینو سے باہر آ جائیں اور Exit کے مینو سے اس کو ایگزٹ کریں، جونہی آپ ایگزٹ کریں گے تو ایک ڈائیلاگ باکس کھل جائے گا جو آپ کو یہ بتا رہا ہوگا کہ کیا آپ مندرجہ بالا تبدیلیاں بائیوس میں محفوظ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں، اس میں آپ یس Yes کو پریس کر دیں گے تو اب آپ کے کمپیوٹر پر پاس ورڈ لگ جائے گا، واضح رہے کہ یہ جو آپ نے پاس ورڈ لگایا ہے۔ جب آپ اس کو لکھ کر اینٹر کریں گے تو تب ہی اپنے کمپیوٹر کو اوپن کر سکیں گے۔

خبردار 26 اپریل کو چرنوبل وائرس آ رہا ہے

پیارے پھول ساتھیو! آج میں آپ کو ایک خطرناک وائرس کے بارے میں بتاؤ گا کو 26 اپریل کو آپ کے کمپیوٹر پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ جسے CIH بھی کہتے ہیں اور آپ اسے دوسرے نام سے بھی پکار سکتے ہیں، جو کہ چرنوبل (hernobyl,CIH, specefiller, win32.CIH) ہے۔ یہ ایک ایگزیکٹوٹیبل فائل ہوتی ہے۔ جس کی ایکسٹینشن Exe ہوتی ہے۔ جب یہ ایک دفعہ آپ کے کمپیوٹر کی میموری میں جگہ بنا لیتا ہے تو پھر یہ تمام 32-bit کی ایگزی فائلوں کو متاثر کرتا ہے اور ان کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ اس طرح یہ وائرس تمام کمپیوٹر میں پھیل جاتا ہے اور پھر یہ تقریباً ہر جگہ پھیل جاتا ہے، اس وائرس کا کوڈ اگرچہ اتنا لمبا نہیں ہے پھر بھی یہ تقریباً 1000 بائیٹ کی جگہ لے لیتا ہے۔ یہ وائرس آپ کے کمپیوٹر کی دوسری فائلوں کے سائز میں اضافہ نہیں کرتا، یہ اپنے کوڈ کو دوسری فائلوں میں کاپی کرنے کیلئے ایک منفرد طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اس کے تین Varients ہیں جو کہ (1.2,1.3,1.4) ہیں۔ ونڈوز 95 کیلئے 95.CIH کے 1.2,1.3 صرف 26 اپریل کو نقصان پہنچاتے ہیں اور دوسرا Win95.CIH1.4 ہے یہ ہر ماہ کی 26 تاریخ کو حملہ آور ہوتا ہے۔ اس وائرس کا حملہ کرنے کا کوئی سال مخصوص نہیں ہے۔ یہ وائرس بائیوس میموری کی فلیش میموری چپس کے ڈیٹا کو تباہ کر سکتا ہے۔ زیادہ تر نئے بکنے والے جو کمپیوٹر ہوتے ہیں، 80486 اور اس کے بعد آنے والے CPU's کی بائیوس کی جو پروگرامنگ ہوتی ہے وہ فلیش میموری چپ پر ہوتی ہے۔ win95.CIH فلیش میموری پر گاربیج ویلیوز لکھتا ہے اور پھر اس طرح یہ چپ

لکھنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ بہت سے کمپیوٹر بنانے والے ادارے پی سی کی فلیش میموری کو لکھنے کے قابل چھوڑ دیتے ہیں، اگر ایسا ہو جائے تو کمپیوٹر نا قابل استعمال ہو جائیگا۔ [illegible]

جائے یا پھر مدر بورڈ کو تبدیل نہ کیا جائے۔ آپ کے کمپیوٹر کے بائیوس کو تباہ کرنے کے بعد یہ وائرس آپ کے کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک کے ڈیٹا کو نا قابل استعمال بنا دیتا ہے۔ آپ اس ڈیٹا کو پڑھ نہیں سکتے کیوں کہ وائرس اس کو اس قابل ہی نہیں چھوڑتا۔ Win95.CIH تمام قسم کے حفاظتی حصار کو توڑ کر بائیوس میں داخل ہو جاتی ہے، اس وائرس سے عارضی طور پر چھٹکارا پانے کیلئے آپ اپنے کمپیوٹر کی تاریخ کو تبدیل کر کے اس سے جان چھڑا سکتے ہیں۔ اپنے بائیوس کے ذریعے یا پھر آپریٹنگ سسٹم کے ذریعے، مگر یہ صرف ایک عارضی حل ہوگا۔

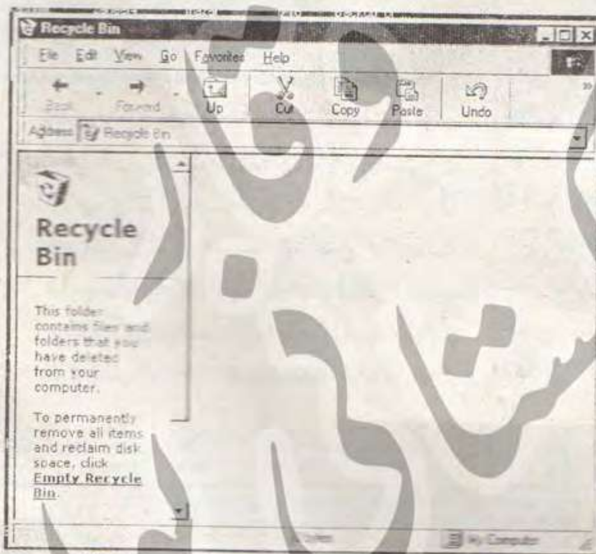
اپنے سسٹم کی حفاظت کو یقینی بنانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ آپ کے سسٹم پر جو اینٹی وائرس (وائرس کو ختم کرنے والے پروگرام) چل رہا ہے، وہ اپ ٹو ڈیٹ ہو اور حال ہی میں آپ نے اپنے کمپیوٹر کے تمام وائرس کو سکین بھی کیا ہو۔ اگر آپ نے ایسا کیا ہے تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس بات کو ذہن نشین رکھیں کہ دوسری ایگزی کیوٹیبل فائلیں جو کہ باہر کے دوسرے ذرائع سے بھی حاصل ہو سکتی ہیں، وہ بھی اس وائرس سے متاثر ہو سکتی ہیں۔ یہ مختلف قسم کے ذرائع سے آ سکتے ہیں، یہ فلاپی ڈسکوں سے ای میل اٹیچڈ فائلز سے، انٹرنل نیٹ ورک سسٹم سے، اور انٹرنیٹ سے بھی آ سکتے ہیں۔ آپ اس بات سے بھی ہوشیار رہیں کہ جب بھی آپ کوئی چیز فلاپی یا کسی دوسری ہارڈ ڈسک سے اپنے کمپیوٹر پر کاپی کرنے لگیں، تو آپ ان ایگزی کیوٹیبل فائلز کو بھی اینٹی وائرس کی مدد سے سکین کر لیا کریں اور اس بات کا بھی خاص خیال رکھیں کہ آپ کے کمپیوٹر کے اینٹی وائرس Virus Detector بھی ٹھیک کام کر رہا ہے کہ نہیں؟ کہیں اس کی ایگزی فائل بھی تو اس وائرس کی لپیٹ میں آ گئی ہے، اگر ایسا ہے تو پھر سب سے پہلے اس اینٹی وائرس کو ان انسٹال کریں، پھر سسٹم کو ری بوٹ کروائیں، اور دوبارہ اینٹی وائرس کو انسٹال کریں تو اب یہ ٹھیک کام کریگا۔

اس کے علاوہ ان ننھی منھی utilities کو درج ذیل ویب سائٹ سے ڈیڈ کٹ اور CIH وائرس کی میموری سے ختم کر سکتے ہیں۔ اس بات کو مدنظر رکھیں کہ اس کے علاوہ متبادل حل کسی بھی مکمل اینٹی وائرس میں نہیں ہے۔ [illegible]

http:\www.datafelows.com\cih\f-cih.exe(50kb)

http:\www.pspl.com\download\cleancih.exe(12kb)

اس کے علاوہ بعض اوقات اس کے حملہ کی شدت مختلف سسٹمز پر مختلف ہوتی ہے، بعض اوقات پارٹیشن اڑ جاتی ہے، بعض اوقات کچھ سسٹمز کے مدر بورڈ بھی تباہ ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صرف ڈیٹا ہی اڑ جاتا ہے۔



ری سائیکل بن (کچرادان) کی استعداد کو بڑھانا

آپ جس بھی فائل کو ڈیلیٹ کرتے ہیں، تو وہ عارضی طور پر کچرادان (ری سائیکل بن) میں چلی جاتی ہیں اور پھر جب آپ ان کو وہاں سے Delete (ختم) کرتے ہیں تو پھر وہ مکمل طور پر ڈیلیٹ ہو جاتی ہیں عام طور پر جو بھی ڈرائیو کی جتنی کپیسٹی (استعداد) ہو اس کا دس فیصد ہی ری سائیکل بن کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ یعنی اس کی دس فیصد فائلز ڈیلیٹ ہو کر ری سائیکل بن میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اس تعداد کو بڑھانے کیلئے ری سائیکل بن کو سلیکٹ کریں اور رائیٹ کلک کر کے پراپرٹیز کو اوپن کریں۔ آپ کو ایک بٹن نظر آ رہا ہوگا، جس کے نیچے لائن لگی ہوگی اور اس کی مقدار دس فیصد لکھی ہوگی اس کو بڑھانے کیلئے اس بٹن کو پکڑ کر دائیں طرف کھسکیں تو یہ تبدیل ہو جائے گی، مطلوبہ جو بھی سلیکٹ ہوگی اس کا رزلٹ آپ کو نیچے لکھا ہوا نظر آ رہا ہوگا اس کو اپلائی کر کے اوکے کر دیں، تو یہ استعداد بڑھ جائے گی۔ ری سائیکل بن کی پراپرٹیز میں آپ کو اتنے ہی ٹیبز نظر آ رہے ہوں گے جتنی پارٹیشنز ہوں گی جب آپ اس کی پراپرٹیز کو اوپن کریں گے، تو گلوبل Global کا ٹیب ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی سیٹنگ آپ کر رہے ہیں وہ تمام ڈرائیوز کی پارٹیشنز پر [illegible] کرنا چاہیں گے تو آپ Configure Drives independently کے ریڈیو بٹن کو سلیکٹ کر دیں گے تو گلوبل کے ٹیب پر سے وہ بٹن مدھم (Disable) ہو جائیگا اور باقی الگ الگ ڈرائیوز پر ظاہر ہو جائے گا۔ اب آپ پرانے طریقے کے مطابق الگ الگ تمام ڈرائیوز کی استعداد کو بڑھا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو ایک چیک باکس نظر آ رہا ہوگا، اس کو جب آپ چیک کریں گے تو آپ کی ڈیلیٹ کی ہوئی فائلز ڈائریکٹ ہی ڈیلیٹ ہو جائیں گی، یعنی یہ ری سائیکل بن میں نہیں جائیں گی، جونہی آپ چیک باکس کو چیک کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ بٹن جس سے ابھی آپ تبدیلیاں کر رہے تھے، وہ مدھم (Disable) ہو گیا ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ جب فائلز ڈیلیٹ ہو کر ری سائیکل بن میں جائیں گی ہی نہیں تو اس بار کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔

Narrator کیا ہے؟

مائیکروسافٹ نریٹر کو کھولنے کیلئے

Start->Programs->Accessibility->Narrator

پر کلک کریں گے تو ایک باکس کھل جائے گا اور ساتھ ہی آپ کو آواز آنی شروع ہو جائیگی، اس کی مدد سے آپ اپنے کمپیوٹر کے بارے میں سن سکتے ہیں۔ اس کے بعد جب آپ مائی کمپیوٹر کو سلیکٹ کریں گے آپ کو بول کر بتایا جائے گا کہ یہ مائی کمپیوٹر ہے اس کی مدد سے آپ سن کر مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ مائیکروسوفٹ نیریٹر بنیادی طور پر ان افراد کے لئے ڈیزائن کیا گیا ہے جو یا تو اندھے ہیں، یا پھر وہ جنکی نظر کچھ کمزور ہے اور وہ دیکھنے میں وقت محسوس کرتے ہیں۔ نیریٹر کو بنیادی طور پر مندرجہ ذیل پروگرامز کے ساتھ کام کرنے کیلئے ڈیزائن کیا گیا ہے، ان پروگرامز میں Notepad (نوٹ پیڈ) Wordpad (ورڈ پیڈ) کنٹرول پینل کے پروگرام، انٹرنیٹ ایکسپلورر اور ونڈوز 2000 ڈیسک ٹاپ، نیریٹر کسی اور پروگرام میں ٹائپ کردہ الفاظ کو ٹھیک طریقے سے نہیں پڑھ سکتا۔ نیریٹر کی مندرجہ ذیل آپشنز کو آپ تبدیل کر سکتے ہیں، جب کہ آپ اس پر کام کر رہے ہوتے ہیں۔

جب آپ الفظ کو ٹائپ کر رہے ہوتے ہیں تو آپ انہیں اونچی آواز میں سن سکتے ہیں۔ آپ اس کی آواز کی رفتار، آواز اور آواز کی پچ کو کم یا زیادہ کر سکتے ہیں۔





موسم بہار کی آمد

جشن بہاراں کا مقصد ثقافت اور تعلیم کا فروغ تھا

محمد مزمل

ہر موسم کا اپنا رنگ اور خوبصورتی ہوتی ہے لیکن موسم بہار فطرت کی صناعیوں اور رعنائیوں کا شاہکار ہوتا ہے جو آنکھوں' دلوں اور ذہنوں کو سکون بخشتا ہے۔ سرسبز و شاداب پودے و درخت' رنگ برنگے پھول ماحول کو سنوارا اور نکھار دیتے ہیں۔ بچے بھی پھولوں کی طرح معصوم اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ موسم بہار میں وہ بھی کھل اٹھتے ہیں کیونکہ امتحان پاس کر کے وہ اگلی کلاسوں میں جا چکے ہوتے ہیں۔

موسم بہار کی خوشیوں کو دوبالا کرنے کے لئے مختلف ادارے اور تنظیمیں رنگ برنگے پروگرام ترتیب دیتے ہیں۔ پارکس اینڈ ہارٹیکلچر اتھارٹی نے بھی جشن بہاراں کے سلسلے میں بچوں کے لئے مختلف پروگرام منعقد کیے۔ ان میں مقابلہ مصوری' مقابلہ ٹیبلوز' ملی نغموں کا مقابلہ اور فلوٹس و بگھی سجانے کا مقابلہ شامل تھا۔ ان مقابلوں میں لاہور کے سو سے زائد سکولوں کے بچوں نے حصہ لیا۔ ان مقابلوں میں بچوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ مقابلہ مصوری (Mural Painting) میں مختلف سکولوں کے بچوں نے جو تصاویر بنائیں ان میں اسلام' نظریہ پاکستان اور یکجہتی کا پہلو نمایاں تھا جبکہ فلوٹس' بگھی سجانے اور ملی نغموں کے مقابلوں میں بچوں کی وطن سے محبت اجاگر ہو رہی تھی۔ ان تمام پروگراموں اور مقابلوں کا مقصد ثقافت اور تعلیم کا فروغ تھا لہٰذا بچوں کی شمولیت بھرپور اور بامقصد رہی۔

ان مقابلوں میں درج ذیل بچوں نے پوزیشنیں حاصل کیں۔

مقابلہ مصوری: (گروپ 8 سال تک) اول [illegible] سکول ایجوکیشن سسٹم گلبرگ' دوم زخرف سعید دی ایجوکیٹر سحر کیمپس نیو مسلم ٹاؤن' سوئم نمرہ فاطمہ لاہور گرائمر سکول۔ (گروپ 8 تا 12 سال) اول سید رضا علی لاہور سکول ایجوکیشن سسٹم گلبرگ' دوم [illegible] اکرام ہمدرد پبلک سکول ماڈل ٹاؤن' سوم شہباز احمد لاہور کیڈٹ سکول گلبرگ' چہارم عروج پاکستان انٹرنیشنل پراگریسو سسٹم علامہ اقبال ٹاؤن۔ (گروپ 12 تا 16 سال) اول زبیر احمد کتھیڈرل سکول نمبر 1 ہال روڈ' دوم ہما بنیامین علی گڑھ سیکنڈری سکول گلبرگ' سوئم زینب لاہور گرائمر سکول ایم ایم عالم روڈ' چہارم انجم سلیم سلامت سکول گلبرگ۔

ملی نغموں کا مقابلہ: (انفرادی) اول زاہد اسلم نیو لاہور کینٹ پبلک ہائی سکول ہربنس پورہ' دوم حافظ ذیشان الٰہی واپڈا بوائز ہائی سکول شالیمار ٹاؤن' سوم سلومیہ سیموئیل ایم آئی گوتھن برگ ہائی سکول والٹن روڈ' چہارم سکندر سلطان سیکرڈ سکالرز سکول نیو سمن آباد' پنجم فرخندہ ادریس ایم سی ایل گرلز ہائی سکول سانده کلاں' ششم عائشہ شوق گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول شاہدرہ ٹاؤن۔

ملی نغموں کا مقابلہ (گروپ): اول دی ایجوکیٹر سحر کیمپس نیو مسلم ٹاؤن' دوم پاکستان انٹرنیشنل پروگریسو سکول علامہ اقبال ٹاؤن' سوم سنٹرل ماڈل سکول لوئر مال' چہارم حلیم انسٹی ٹیوٹ ڈیفنس' پنجم دی ایجوکیٹر محمڈن کیمپس جوہر ٹاؤن' ششم پاکستان انٹرنیشنل پروگریسو سکول ٹاؤن شپ' ششم دی نیو سکول ماڈل ٹاؤن۔

ٹیبلوز کا مقابلہ: اول دی ایجوکیٹر سحر کیمپس نیو مسلم ٹاؤن' دوم [illegible] پروگریسو سکول ٹاؤن شپ' سوم لارڈز انٹرنیشنل

لاہور کے اسکولوں کے بچوں کی بڑی تعداد نے مختلف مقابلوں میں حصہ لیا

بچوں کی بنائی ہوئی تصویروں میں اسلام' نظریہ پاکستان اور یکجہتی کا پہلو نمایاں تھا













سکول [illegible]، چہارم دی لاریٹ لاہور سینئر سکول نیو گارڈن ٹاؤن، پنجم سلامت بوائز کیمپس گلبرگ [illegible] پاک امریکن کڈز کانونٹ علامہ اقبال ٹاؤن، ششم پاکستان انٹرنیشنل پروگریسو سکول [illegible] اقبال ٹاؤن۔

[illegible]: اول سٹی سکول نیٹ ورک، دوم لارڈز انٹرنیشنل سکول گلبرگ، سوم قربان اینڈ ثریا [illegible] روڈ، چہارم دی ایجوکیٹر محمڈن کیمپس جوہر ٹاؤن، پنجم [illegible] فاؤنڈیشن [illegible] ششم برائٹ گرامر سکول ٹاؤن شپ۔

[illegible] سجانے کا مقابلہ: اول لاہور سکول ایجوکیشن سسٹم گلبرگ، دوم سٹینڈرڈ [illegible] گرامر [illegible] سسٹم نیو مسلم ٹاؤن لاہور۔

[illegible] تقریبات کے اختتام پر شاہراہ قائد اعظم پر ایک پریڈ منعقد ہوئی جس میں لاہور کے سکولوں کے بچوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ آخر میں مقابلوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے بچوں میں صوبائی وزیر ہاؤسنگ سید رضا علی گیلانی اور ڈائریکٹر جنرل پی ایچ اے [illegible] نے انعامات تقسیم کئے اور یوں جشن بہاراں کی یہ رنگا رنگ تقریبات اختتام کو پہنچیں۔





جشن بہاراں کے مقابلہ میں شرکت کرنے والے بچوں کو صوبائی وزیر سیّد رضا علی گیلانی اور شبیر احمد ڈی جی پی ایچ اے انعامات تقسیم کر رہے ہیں

چٹخارے

طیبہ

اسلام علیکم! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ اللہ جی ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں اور خوش رکھیں۔ ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہم لوگ اکثر ایک دوسرے کو خوش رہنے کی دعا دیتے ہیں دعا کرنا اور کسی دوسرے فرد کے لئے یقیناً ایک اچھی روایت ہے مگر کیا ہم اس دعا میں موجود "خوشی" کے مفہوم سے آگاہ ہیں۔ کچھ باتیں واقعی ایسی ہیں جو آپکو سچی خوشی دے سکتے ہیں۔ مثلاً اچھا کھایئے، مگر صحت مند بھی رہیے۔ سگریٹ نوشی مت کریں۔ مشکل وقت میں ٹھنڈے دل ودماغ سے فیصلہ کرنے کی عادت ڈالیں۔ بدگمانی سے بچیں۔ اپنی خود اعتمادی کی خود تربیت کریں۔ غصہ کنٹرول کرنے کی عادت ڈالیں۔ اپنے قریب بسنے ہوئے لوگوں پر توجہ دیں۔ اور ان کا خیال رکھیں۔ دوسروں کو خوش رکھیں۔ اس طرح سچی خوشی آپ کے اندر سے نکلے گی۔ اب چلتے ہیں کچن کی طرف۔

تندوری سیخ کباب

اجزاء: قیمہ...... آدھا کلو
خشک دھنیا...... 1 کھانے کا چمچ
سبز مرچ کٹی ہوئی...... آٹھ عدد
کچا پپیتا...... 1 چائے کا چمچ
پیاز...... 1 عدد پسی ہوئی
خشخاش...... 1 چائے کا چمچ
سبز دھنیا...... آدھی گڈی، پسی ہوئی
مکئی کا آٹا...... آدھا کپ
ادرک، لہسن پسا ہوا...... 1 چائے کا چمچ
بھنے چنے...... دو چمچ
نمک...... حسب ذائقہ
انڈہ...... 1 عدد
سونف...... 1 چائے کا چمچ
گرم مصالحہ...... 1 چائے کا چمچ
سرخ مرچ پاؤڈر...... حسب ذائقہ

ترکیب: سونف، خشک دھنیا اور خشخاش کو توے پر ہلکا سا بھون لیں۔ اب چنے ملا کر سب چیزیں پیس لیں اور قیمہ میں ملا دیں۔ اب باقی مصالحے پسی پیاز، ادرک لہسن، پپیتا، سبز مرچیں، دھنیا، پودینہ، نمک اور انڈہ ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں اور پھر ایک گھنٹے کیلئے ڈھک کر رکھ دیں۔ اب ان کو سیخ کباب کی شکل دیں۔ توے پر تیل گرم کریں اور ان کو تل لیں۔ اس کے بعد درمیانی آنچ پر دس منٹ بیک کریں اور ہاٹ پاٹ میں نکال لیں۔ اب کوئلہ گرم کریں اور اسے کبابوں پر رکھ کر آئل ڈال دیں۔ تین منٹ دم دیں۔ کباب تیار ہیں۔ نان اور کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

مغز

اجزاء: مغز (بکرے کا)...... 4 عدد صاف کر لیں
پیاز درمیانے سائز کا...... 2 عدد باریک کاٹ لیں
ہری مرچ...... 3 عدد باریک کاٹ لیں
گھی یا تیل...... تین کھانے کے چمچ
ادرک، لہسن کا پیسٹ—— 1 چمچ
لال مرچ پاؤڈر—— 1 چمچ
ہرا دھنیا—— آدھی گڈی کاٹ لیں۔

ترکیب:۔ دیگچی میں تیل گرم کریں اور پیاز ڈال کر ہلکا براؤن کریں پھر ادرک اور لہسن کا پیسٹ شامل کریں۔ تھوڑا بھن جانے پر مغز، نمک اور مرچ ڈال کر تھوڑا بھون لیں۔ اب ہرا دھنیا ڈال کر پندرہ منٹ تک دم پر رکھ دیں مغز تیار ہے۔

پوٹیٹو پیزا

اجزاء: آلو...... آدھا کلو
پنیر (کرش شدہ)...... تین کپ
ٹماٹو کیچپ—— 1/3 کپ
مرغی یا مچھلی کا قیمہ (پکا ہوا)...... 1 کپ
پیاز—— 1 عدد لمبا کاٹا ہوا
مکھن—— 1 اونس
نمک—— حسب ذائقہ
انڈہ—— 1 عدد
ٹماٹر—— 1 عدد (لمبا کاٹ لیں)
ہرے پیاز کے پتے—— 1 چمچ

ترکیب:۔ آلو ابال لیں ان میں مکھن اور 1/3 کپ پنیر، انڈہ اور ایک چائے کا چمچ نمک ملا کر مسل لیں۔ پلیٹ کو چکنا کریں۔ اس پر بریڈ کریمز چھڑک کر یہ مرکب پھیلا دیں۔ (پلیٹ دس انچ قطر کی ہو) اور فریج میں سیٹ ہونے کو رکھ دیں۔ سخت ہونے پر اس پر ٹماٹو کیچپ اور آدھا پنیر پھیلا دیں۔ پھر قیمہ پھیلائیں اور ٹماٹر، پیاز کے سلائس اور ہرے پیاز کے پتے پھیلا کر باقی پنیر پھیلا دیں اب اون میں تقریباً دس منٹ یا اس وقت تک رکھیں کو گولڈن براؤن رنگ اختیار کر لے۔ آپ اسے چلی کا ایک ساس کے ساتھ سرو کریں۔

سویوں کے لڈو

اجزاء:۔ کھویا...... 3 سو گرام
سویاں...... 100 گرام
الائچی (پسی ہوئی)...... 2 سے 3 عدد
شکر...... 250 گرام
کاجو (توڑ لیں)...... 100 گرام
بناسپتی گھی...... 2 کھانے کے چمچ

ترکیب:۔ ہلکی آنچ پر کڑاہی میں گھی گرم کریں۔ سویوں کو مناسب انداز میں توڑ لیں اور گھی میں لال کر لیں پھر ان کو گھی سے الگ کر لیں۔ اب اسی گھی میں کھویا ڈال کر اچھی طرح سے بھون لیں اور پھر کاجو شامل کر لیں آخر میں چینی ملا دیں۔ اب سارے مکسچر میں سویاں اور الائچی پاؤڈر شامل کریں۔ کچھ دیر کے بعد آنچ سے اتار لیں۔ جب یہ آمیزہ کچھ ٹھنڈا ہو جائے تو اس کے لڈو بنا دیں۔ لڈوؤں کو ٹرے میں رکھ کر بادام اور کھوپرا چھڑک دیں۔

ٹوٹکے:

1۔ اگر پکاتے ہوئے حلیم جل جائے تو بو دور کرنے کیلئے ایک کلو حلیم میں ایک چھٹانک آٹا پانی میں گھول کر مکس کر لیں۔ بو دور ہو جائے گی۔

2۔ اگر دیگچی اندر سے کالی ہو جائے تو اس میں پانی بھر کر تین چمچ پٹاڑی ڈال دیں اور پانی کو آدھے گھنٹے تک ابلنے دیں۔ دیگچی خود بہ خود صاف ہو جائے گی۔


رؤف احمد شاہ


محمد شبیر حسین شاہد


اظہر جاوید


طیبہ ذوالفقار


غضنفر ریاض


حبیب اللہ


ندیم اسلم ارائیں


شہزاد اکرام


عبدالسلام سندھو

نام: شاہنواز سرمد۔ تاریخ پیدائش: 13-1-1987
مشاغل: میوزک، فرینڈشپ، کمپیوٹر
ارادے: سافٹ ویئر انجینئر بننا۔ تبدیلی: سوچ بہتر ہوئی، آخرت کی سمجھ دی۔ شہر: دنیاپور ضلع لودھراں

نام: مدیحہ ظہیر۔ تاریخ پیدائش: 17 اگست 1987ء
مشاغل: معلوماتی چیزیں دیکھنا اور پڑھنا سیر و تفریح
ارادے: اپنے ماں باپ کا نام روشن کرنا
تبدیلی: مثبت سوچ اور اعتماد پیدا کیا۔ شہر: لاہور

نام: گلشن اسلم۔ تاریخ پیدائش: 05-04-1991
مشاغل: کتابوں کا مطالعہ۔ ارادے: ڈاکٹر بن کر دکھی لوگوں کی خدمت کرنا۔ تبدیلی: پڑھنے کا شوق پیدا کیا
شہر: میرپور آزاد کشمیر

نام: فرح عنایت۔ تاریخ پیدائش: 15-1-1986
مشاغل: مطالعہ کرنا۔ ارادے: یہ تو خدا کو معلوم ہے (ایسے کیا خطرناک ارادے ہیں؟)۔ تبدیلی: محبت کرنے کا درس دیا
شہر: نوشہرہ ورکاں

نام: محمد سلیم۔ تاریخ پیدائش: 27-10-1987
مشاغل: مطالعہ کرنا۔ ارادے: ڈاکٹر بن کر دوسروں کی خدمت کرنا۔ تبدیلی: بہت سی تبدیلیاں (مثلاً کیا کیا؟)۔ شہر: دہلی

نام: عابدہ مقبول۔ تاریخ پیدائش: 2-4-1990
مشاغل: مطالعہ۔ دینی کتب پڑھنا۔ ارادے: انشاء اللہ اچھا انسان بننا۔ تبدیلی: وہ معلومات دیں جن سے پہلے ناواقف تھے (اچھی اچھی)۔ شہر: بڈھیال تحصیل تلہ گنگ ضلع چکوال

نام: خیام نذیر فاروقی۔ تاریخ پیدائش: 10-8-1989
مشاغل: مطالعہ کرنا۔ ارادے: پائلٹ بننا
تبدیلی: مطالعہ میں اضافہ۔ شہر: علی پور روڈ حافظ آباد

نام: محمد عابد شریف۔ تاریخ پیدائش: 1-5-1987
مشاغل: کتابیں پڑھنا۔ غریبوں کی مدد کرنا
ارادے: کیمیکل انجینئر۔ تبدیلی: اخلاق بہتر بنایا
شہر: میاں چنوں ضلع خانیوال



آپ "پھول" پڑھتے ہیں...... آپ ہمارے لئے اہم ہیں۔ آپ بھی "پھول فورم" میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اپنا تعارف اور تصویر شائع کروانے کیلئے کوپن پُر کر کے اپنی پاسپورٹ سائز تصویر کے ہمراہ بھجوا دیں اور آپ کو کرنا ہوگا...... صرف اپنی باری کا انتظار۔ باری آنے پر آپ کا تعارف ضرور شائع ہوگا۔ "پھول" پڑھتے رہیے۔ اس کے آئندہ کسی بھی شمارے میں آپ کیلئے ہوگا سرپرائز۔

نام: طیبہ اصغر۔ تاریخ پیدائش: 7-9-89
مشاغل: پھول اور اچھی کتابیں پڑھنا۔ ارادے: ٹیچر بننا یا انسپکٹر (دونوں رعب والی)۔ تبدیلی: مثبت سوچ۔ جھوٹ نہ بولنا
شہر: نورکوٹ شکر گڑھ، نارووال

نام: حنظلہ احمد (بلاتبصرہ) تاریخ پیدائش: 2 فروری
مشاغل: کرکٹ کھیلنا۔ ارادے: سرجن بننا
تبدیلی: بہت اہم معلومات حاصل کیں۔ شہر: جہلم

نام: محمد اظہر خالد۔ تاریخ پیدائش: 5-8-88
مشاغل: قلمی دوستی کرنا۔ ارادے: ڈاکٹر بننا
تبدیلی: وقت کی پابندی۔ شہر: بہاولپور

نام: غضنفر ریاض۔ تاریخ پیدائش: 19-8-1991

مشاغل: رسالے پڑھنا۔ ارادے: مجاہد بننا
تبدیلی: معلومات میں اضافہ۔ شہر: چونیاں

نام: شہزاد اکرم۔ تاریخ پیدائش: 4-5-89
مشاغل: تاریخی کتابیں پڑھنا
ارادے: انجینئر بننا۔ تبدیلی: بہت سی تبدیلیاں (مثبت)
شہر: بصیر پور

نام: محمد حبیب اللہ آرٹسٹ۔ تاریخ پیدائش: 1-9-1990
مشاغل: کرکٹ کھیلنا۔ ارادے: قرآن کا حافظ بننا
تبدیلی: نیک بنا دیا۔ شہر: فیروز وٹواں

نام: عاطف نذیر۔ تاریخ پیدائش: 3 مارچ 1984ء
مشاغل: کرکٹ کھلنا، پھول پڑھنا
ارادے: PAF میں ملازمت کر رہا ہوں (ارادے کیا ہے؟)
تبدیلی: مثبت سوچ۔ معلومات۔ شہر: نارووال

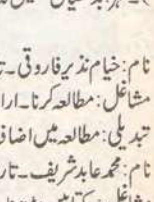
نام: امتیاز احمد علوی۔ تاریخ پیدائش: 15-02-1978
مشاغل: اچھی کتابیں پڑھنا
ارادے: ایک مکمل انسان بننا چاہتا ہوں (بہت وقت لگے گا)
تبدیلی: نیک کاموں کی طرف رغبت دلائی۔ شہر: وزیرآباد

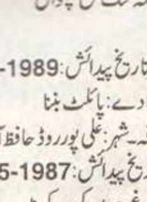
نام: انیقہ جبیں۔ تاریخ پیدائش: 23-3-1992
مشاغل: پڑھنا۔ رسہ کودنا (رسی کود کر کہیں چھت سے)
ارادے: ٹیچر بنوں گی۔ تبدیلی: اچھا انسان بنایا
شہر: قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ

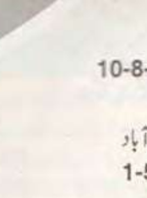
نام: شمائلہ ساجد۔ تاریخ پیدائش: 4-10-1993
مشاغل: کہانیاں لکھنا پڑھنا۔ قلمی دوستی کرنا
ارادے: پیارے پاکستان کا نام بلند رکھنا
تبدیلی: سچ سے دوستی کی ہے۔ شہر: لاہور

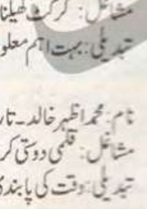
نام: بھینا ارشد۔ تاریخ پیدائش: 3 اکتوبر
مشاغل: کمپیوٹر پر گیمز کھیلنا۔ ارادے: ڈاکٹر بننا۔ تبدیلی: اچھی ہوگئی ہوں۔ شہر: پتوکی

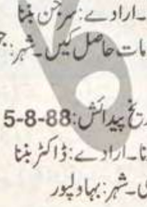
نام: خولہ تحریم بنت عبدالفتاح۔ تاریخ پیدائش: 14 جنوری (سال لکھ


خالد محمود

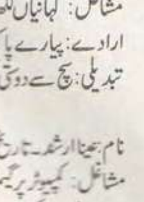

شاہنواز سرمد

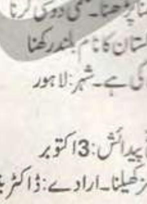


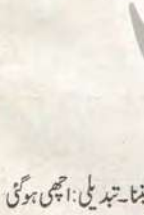

محمد اظہر خالد


طاہرہ بینش


محمد عابد شریف


خیام نذیر فاروقی


عاطف نذیر


امتیاز احمد علوی


شبیر احمد آصف


محمد سلیم


روحی بانو


نثار رضا بلوچ


خولہ تحریم


شائلہ ساجد


الطاف حسین بھنڈ


محمد اظہر خالد


محمد نوید

کرکاٹ کیوں دیا؟)۔ مشاغل: کہانیاں پڑھنا' ڈیزائنر پین جمع کرنا۔ ارادے: MCS کرنا' پائلٹ بننا
تبدیلی: کچھ کرگزرنے کی۔ (یا اللہ خیر!)۔ شہر: کوہاٹ

نام: ابیحہ خاتون بنت عبدالسلام۔ تاریخ پیدائش: 6-4-1986۔ مشاغل: پھول پڑھنا
ارادے: انسانیت کی خدمت کرنا۔ تبدیلی: اپنے علاوہ دوسروں کا خیال رکھنا۔ شہر: شکرگڑھ، نارووال

نام: محمد نوید۔ تاریخ پیدائش: 23 نومبر 1988ء
مشاغل: مطالعہ کرنا۔ ارادے: ڈاکٹر بننا
تبدیلی: سوچ میں مثبت تبدیلی پیدا کی۔ شہر: ضلع مانسہرہ

نام: عبدالسلام سندھو۔ تاریخ پیدائش: 15-12-1987
مشاغل: کرکٹ دیکھنا۔ رسائل پڑھنا۔ ارادے: ایس ایس ٹی بننا۔ تبدیلی: خوش اخلاقی۔ اچھے کام کرنا۔ شہر: ملتان

نام: الطاف حسین بھنڈ۔ تاریخ پیدائش: 12-3-1984
مشاغل: کرکٹ کھیلنا اور پھول پڑھنا۔ ارادے: ڈاکٹر بننا۔ تبدیلی: غریبوں کی مدد کرنا سکھایا۔ شہر: رحیم گل دادو

نام: محمد شبیر حسین شاہد۔ تاریخ پیدائش: 10-2-86
مشاغل: رسالے پڑھنا اور میوزک سننا۔ ارادے: وکیل بننا
تبدیلی: پڑھنے کا شوق پیدا کیا۔ شہر: کوٹ کانٹرہ

نام: محمد نوید رمضان۔ تاریخ پیدائش: 4 اپریل 1988ء
مشاغل: مطالعہ کتب۔ ارادے: پاک فوج کا جوان بننا
تبدیلی: میری عادات کو اچھا بنایا۔ شہر: لودھراں

نام: فاطمہ شکیل۔ تاریخ پیدائش: 2-12-1995
مشاغل: پھول پڑھنا۔ ارادے: ڈاکٹر بننا
تبدیلی: پڑھنے لکھنے کا شوق۔ شہر: رائے ونڈ

نام: روحی بانو۔ تاریخ پیدائش: 18-11-1977
مشاغل: لطائف' کمپیوٹر اور گھریلو کام۔ ارادے: اچھی ٹیچر بننا
تبدیلی: میرا اخلاق بہت اچھا کیا۔ شہر: ڈسکہ

نام: طیبہ ذوالفقار۔ تاریخ پیدائش: 12-7-83
مشاغل: مطالعہ کرنا اور پھول پڑھنا۔ ارادے: بہت اچھا انسان بننا۔ تبدیلی: مطالعہ اور نیک کام کرنے کی تبدیلی پیدا کی
شہر: ساہیوال

نام: طاہرہ بنش۔ تاریخ پیدائش: 26-9-1988
مشاغل: میوزک' پھول پڑھنا۔ ارادے: مستقبل میں ڈاکٹر بننا
تبدیلی: مطالعہ کا شعور' معلومات کا حصول' سخت محنت کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ شہر: باغبانپورہ لاہور

نام: ندیم اسلم آرائیں۔ تاریخ پیدائش: 8-10-1987
مشاغل: کرکٹ' کمپیوٹر گیمز' مطالعہ۔ ارادے: کمپیوٹر انجینئرنگ۔ تبدیلی: اچھا اخلاق' بڑوں کا ادب۔ شہر: سکرنڈ

نام: نثار رضا بلوچ۔ تاریخ پیدائش: 01-02-1982
مشاغل: قلمی دوستی کرنا' کتابیں پڑھنا۔ ارادے: ڈاکٹر بننا
تبدیلی: خود اعتمادی پیدا کی۔ شہر: کوشک بلیدہ تربت مکران

نام: رؤف احمد شاہ۔ تاریخ پیدائش: کیم جنوری 1988ء
مشاغل: پھول اور کرکٹ میگزین پڑھنا' کرکٹ کھیلنا' قلمی دوستی کرنا۔ ارادے: کیمیکل انجینئر بننا
تبدیلی: آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔ شہر: مظفر گڑھ

نام: نائلہ شاکر۔ تاریخ پیدائش: 21-4-1993
مشاغل: کمپیوٹر سیکھنا۔ ارادے: ڈاکٹر بننا
تبدیلی: معلومات بڑھائیں۔ شہر: گوجرانوالہ

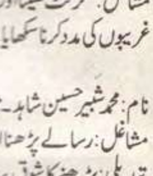
نام: شبیر احمد آصف۔ تاریخ پیدائش: 21-4-1974
مشاغل: بچوں کیلئے لکھنا' کتابوں کا مطالعہ کرنا (پھول کیلئے بھی لکھیں)
ارادے: ایک اچھا انسان بننا۔ تبدیلی: خود اعتمادی پیدا کی
شہر: تاندلیانوالہ

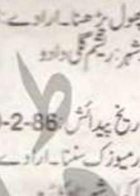
نام: قاضی شبیر احمد۔ تاریخ پیدائش: 3-1-89
مشاغل: اچھی کتابیں پڑھنا' کرکٹ کھیلنا
ارادے: پاکستان ائرفورس میں جانے کا ارادہ ہے
تبدیلی: خود اعتمادی پیدا کی۔ شہر: بولان

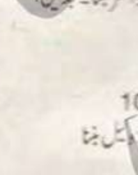
نام: خالد محمود۔ تاریخ پیدائش: 18-4-1981
مشاغل: والی بال کھیلنا' پھول پڑھنا۔ ارادے: بیرون ملک سیر کو جانا
تبدیلی: نمازی بنادیا۔ شہر: لیدھر کلاں، منڈی بہاؤالدین

نام: زوہیب اتفاکر۔ تاریخ پیدائش: 1990ء (؟)
مشاغل: کتابیں پڑھنا۔ ارادے: پائلٹ بننا
تبدیلی: مجھے نیک بنادیا۔ شہر: لیدھر کلاں، منڈی بہاؤالدین

نام ....
تاریخ پیدائش ....
مشاغل ....
مستقبل کے ارادے ....
''پھول'' نے آپ میں کیا تبدیلی پیدا کی ....
مکمل پتہ ....
دستخط .... تاریخ ....


قاضی شبیر احمد


زوہیب اتفاکر


محمد نوید رمضان

سائنس کی دنیا

ہر ماہ 5 بہترین سوالوں پر 1000 روپے کے انعامات

الطاف حسین ملک

انتقال خون کیا ہوتا ہے؟ (امداد حسین، بہاولنگر) + خون کے گروپس کیا ہوتے ہیں؟ (نازیہ ناز نیازی، لاہور کینٹ) + ہیموفیلیا سے کیا مراد ہے؟ (طیب اقبال، نارووال) + ٹرانسپلانٹیشن سرجری کیا ہوتی ہے؟ (انا ءگل، اسلام آباد)

انتقال خون اور عضلات کی پیوند کاری میں کئی اہم فرق ہیں۔ منتقل شدہ سرخ خلیات کی زندگی زیادہ سے زیادہ تین مہینے ہوتی ہے جبکہ پیوند کاری میں پیوند شدہ حصے نے متوقع طور پر کئی سال تک کام کرنا ہوتا ہے۔ انتقال خون نالیوں میں ہوتا ہے جبکہ پیوند کاری میں اعضاء کو پیوند کیا جاتا ہے۔ کسی بیرونی اینٹی جن کیلئے جو شریانوں کے ذریعے منتقل کیا جائے جسم کا حفاظتی ردعمل دوسرے ذرائع سے جسم میں منتقل کئے گئے یا منسلک کئے گئے اینٹی جن کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔ پیوند شدہ اعضاء میں کچھ حفاظتی خلیات موجود ہوتے ہیں جبکہ منتقلی خون سے پہلے زیادہ تر حفاظتی (Immune) خلیات فلٹر کردیئے جاتے ہیں۔

کوئی جسم منتقلی خون کو بھی ریجیکٹ کرسکتا ہے جس کے نتیجے میں کوئی انتقالی ردعمل واقع ہوسکتا ہے لیکن اس کا امکان نسبتاً انتہائی کم ہوسکتا ہے۔ یہ جاننے کیلئے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے جسم کے حفاظتی نظام کے بارے میں کچھ بنیادی اصولوں کا جان لینا ضروری ہے۔

انسانی جسم کے حفاظتی نظام کی دو بنیادی اقسام ہیں۔ پہلی "Humoral" یا اینٹی باڈی کے سبب سے اور دوسری "Cellular" ہے۔ "Humoral" حفاظتی ردعمل کے نتیجے میں کسی بیرونی اینٹی جن کے مقابلے میں اینٹی باڈیز یا ضد اجسام کی پیداوار سے مخصوص ہے۔ جب یہ اینٹی باڈیز اینٹی جن سے ملحق ہوتے ہیں تو حفاظتی کمپلیکس تشکیل پاتے ہیں۔ اس موقع پر جسم کے "Macrophages" (یعنی بڑے بڑے سفید خلیے جو جراثیم کو تباہ کرنے کیلئے جسم کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں) خاص طور پر جگر اور تلی میں پائے جانے والے ان حفاظتی کمپلیکسوں کو علیحدہ کر کے تباہ کردیتے ہیں۔ ایک بار اینٹی جن سے ملحق ہونے کے بعد اینٹی باڈیز کمپلیمنٹ "Pathway" کو بھی متحرک کر سکتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں کمپلیمنٹ تحریک بیکٹریا کی جھلی یا اینٹی باڈیز میں ملفوف خلیوں میں سوراخ کردیتی ہے۔ جب اینٹی باڈیز اور کمپلیمنٹ کا ٹارگٹ خون کے سرخ خلیات ہوں تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال "Hemolysis" کہلاتی ہے۔ اگر کبھی انتقال خون کے نتیجے میں کوئی جسمانی ردعمل وقوع پذیر ہوتو وہ عموماً "Humoral" قسم کا ہوگا۔ جبکہ عضلاتی یا ہڈیوں کے گودے کی منتقلی کے نتیجے میں پیدا ہونے والا جسمانی حفاظتی ردعمل "Cellular" یا خلیاتی ہوگا جس کے نتیجے میں مخصوص "Cytotoxic Lymphocytes" پیدا ہوتے ہیں۔

خون کے AOB نظام میں منتقلی میں اہم ترین سیل اینٹی جن ہیں مثلاً خون کی قسم A ہوسکتی ہے جس میں خون کے سرخ خلیے پر A اینٹی جن ہوگا لیکن B نہیں ہوگا یا B قسم ہوسکتی ہے جس میں B اینٹی جن ہوگا A نہیں ہوگا یا AB ہوگا جس میں A اور B دونوں اینٹی جن ہوں گے یا پھر O قسم ہوگی جس پر کوئی اینٹی جن نہیں ہوگا۔

دراصل ہر انسان جس کی عمر 6 ماہ سے زیادہ ہوگی کے خون میں A قسم کی اینٹی باڈیز یا B قسم کی اینٹی جن موجود ہوتے ہیں جو وہ خود پیدا نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر گروپ A سے تعلق رکھنے والے فرد کے خون کے سرخ خلیے پر A اینٹی جن اور خون کے پلازما میں اینٹی B ہوگا۔ اگر کسی ایسے مریض کو خون منتقل کردیا جائے جس کے منتقل ہونے والے خلیوں پر پہلے ہی اینٹی باڈیز موجود ہوں مثلاً ایسے مریض کو B قسم کا خون منتقل کردیا جائے تو خطرناک ردعمل واقع ہوگا چونکہ A اور B اینٹی جن کیلئے اینٹی باڈیز کمپلیمنٹ کو تحریک دینے کیلئے انتہائی موافق ہوتے ہیں لہٰذا ABO قسم کی منتقلی خون کے سرخ خلیات کے موافق نہیں ہوگی جس کے نتیجے میں حرکت پذیر خلیات میں ٹوٹ پھوٹ کا آغاز ہوجائے گا اور انتہائی قوی، تند اور متورم ردعمل شروع ہوجائے گا۔ اس کا حتمی نتیجہ گردوں کے فیل ہوجانے کی صورت یا موت کی صورت میں نکلتا ہے۔ خوش قسمتی سے اس قسم کے ردعمل کی شرح انتہائی حد تک کم ہے۔

منتقلی خون میں سرخ خلیات کی ریجیکشن کی ایک نسبتاً زیادہ عام قسم تاخیری "Hemolytic" ردعمل ہے۔ اس صورت میں مریض کو منتقل کئے گئے خون کے سرخ خلیات پر پہلے سے اینٹی باڈیز موجود نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے ردعمل چند دنوں کے بعد اور بعض اوقات تو چند ہفتوں کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ اس قسم کے ردعمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اینٹی باڈیز کمپلیمنٹ کو متحرک نہیں کرتے لہٰذا شریانوں میں متحرک خون کے سرخ خلیات عموماً ٹوٹ پھوٹ سے بچ جاتے ہیں۔ اس کی بجائے تلی انہیں علیحدہ کردیتی ہے جس کے نتیجے میں نسبتاً کمزور ردعمل ظاہر ہوتا ہے۔ تاخیری "Hemolytic" ردعمل تقریباً ہر 5000 میں سے ایک کی شرح سے نوٹ کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں موجود اینٹی باڈیز کو معلوم شدہ بلڈ گروپس کے سینکڑوں اینٹی جن کے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے۔ تاخیری ہیمولیٹک ردعمل عموماً بہت زیادہ شدید نہیں ہوتے لیکن بعض اوقات یہ گردوں کے فیل ہونے کا باعث بن سکتے ہیں۔ ایسے مریض جن کو "Sickle cell" اینیمیا کا مرض لاحق ہو تاخیری ہیمولیٹک ردعمل کا بہت زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ "Sickle cell" سے مراد خون کے ہلالی خلیات ہیں۔ عام طور پر پائے جانے والے گول خلیوں کی بجائے خون میں ہلالی شکل کے خلیات پائے جاتے ہیں جس کا سبب کوئی موروثی بیماری ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے قلت خون کا مرض پیدا ہوجاتا ہے۔ اس مرض میں [illegible] مریض عام طور پر جانبر نہیں ہوتا۔ اس مرض کے حامل مریضوں میں [illegible] مریضوں کی نسبت ہیمولیٹک ردعمل کی صورتحال اس لئے [illegible] ہے کیونکہ ہیموگلوبن کے حامل [illegible] سرخ خلیات [illegible] پیدا ہونے والی صورتحال "Sickle cells" [illegible] کی صورتحال پیدا کردیتی ہے۔

اس صورتحال سے بچاؤ کیلئے [illegible] منتقلی خون سے بیشتر ہیمولیٹک ردعمل سے بچنے کیلئے موافق ہونے کا ٹیسٹ کیا جاتا ہے۔ منتقلی خون کے عمومی ٹیسٹوں میں مریض کے خون کے سرخ خلیات کا A اور B اینٹی جن کیلئے تجزیہ، پلازما میں اینٹی A اور اینٹی B کی موجودگی کا ٹیسٹ Rh(D) اینٹی جن کی خون کے سرخ خلیے پر موجودگی اور پلازما میں سرخ خلیے کی دوسری اینٹی باڈیز کیلئے ٹیسٹ کئے جاتے ہیں۔ چونکہ ABO ناموافقیت انتہائی خطرناک [illegible] مریض کے ABO ٹائپ کے درست [illegible] تعین ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلڈ ٹائپ کے تعین کیلئے دونوں قسم کے اینٹی جن اور اینٹی باڈیز ٹیسٹ اور انکی موافقت ضروری ہے۔ بلڈ گروپ کے سینکڑوں اینٹی جن (جن میں Rh سسٹم کے درجنوں اینٹی جن شامل ہیں) میں سے عموماً ایک اینٹی جن Rh(D) کا ٹیسٹ لازمی ہے جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ جسم کے حفاظتی ردعمل کی وجہ بنتا ہے۔ اگر مریض کے خون میں یہ موجود ہوتو مریض Rh+ کہلاتا ہے۔ اس بات کا لگ بھگ 85% امکان ہے کہ ایسے مریض کو جس کے خون میں Rh- اینٹی جن ہوں، اگر Rh+ خون منتقل کردیا جائے تو ان کے جسم میں اینٹی باڈیز پیدا ہوجائیں گے جبکہ دوسرے بلڈ گروپ رکھنے والے افراد میں اینٹی جن اس حد تک قوی نہیں ہوں گے۔ غیر متوقع اینٹی باڈیز کی چھان بین کیلئے کئے جانے والے ٹیسٹوں میں جو کہ A اور B قسم سے تعلق نہیں رکھتے تھے تقریباً 25 کی تعداد میں سامنے آئے ان مریضوں میں سے زیادہ تر میں خون کے سرخ خلیوں کے اینٹی باڈیز بنانے کی صلاحیت اور موجودگی پائی گئی جو سابقہ منتقلی خون یا دوران حمل انتقال خون کے ردعمل میں پیدا ہوئے تھے۔ اگر تو سکرین پازیٹو ہوتو مزید ٹیسٹوں کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ اس اینٹی باڈی کی تشخیص اور قسم کا تعین ہوسکے اور ساتھ ہی کسی ایسے فرد کے خون کی ضرورت بھی ہوتی ہے جس کے خون میں یہ اینٹی جن نہ ہو۔ عام طور پر اینٹی باڈی سکرین نیگیٹو ہوتی ہے اور ABO موافق خون کی منتقلی بحفاظت ہو جاتی ہے جبکہ خون دینے والے اور خون لینے والے کے خون کے گروپوں کے درمیان باقی فرق موجود ہوسکتے ہیں۔

یہ صورتحال خون کے سرخ خلیات کی بجائے پلیٹ لیٹس کی منتقلی کے دوران تھوڑی مختلف ہوتی ہے۔ پلیٹ لیٹس کی منتقلی کی ضرورت مریضوں میں کیموتھراپی کے دوران پیش آتی ہے۔ چونکہ پلیٹ لیٹس A اور B اینٹی جن کے لئے کمزور ردعمل کا مظاہرہ کرتا ہے لہٰذا یہ دونوں درج بالا صورتحال میں کم اہم ہیں۔ اگرچہ ایسے اینٹی جن بھی ہیں جو پلیٹ لیٹس سے مخصوص ہیں لیکن ایسے کیس شاذ ہی پیش آتے ہیں کہ کسی مریض کے جسم میں ان کے خلاف اینٹی باڈیز پیدا ہوجائیں چاہے یہ منتقلی بار بار ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن HLA اینٹی جن جو پیوند کاری میں انتہائی اہم ہیں وہ پلیٹ لیٹس کیلئے قوی ردعمل کا اظہار کرتے ہیں جبکہ خون کے سرخ خلیات کیلئے ان کا ردعمل کافی کمزور ہوتا ہے۔ انتقال خون یا دوران حمل مریضوں میں HLA اینٹی جن کے اینٹی باڈیز بنالیں۔ جب پلیٹ لیٹس کی کسی مریض میں HLA اینٹی جن کے ہمراہ منتقلی کی جائے تو وہ بتدریج تیزی سے دوران خون سے صاف ہوجاتے ہیں جو کہ انتقال کے فوری ریجیکشن کیلئے ضروری ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس بات کی کلینیکل شہادت نہیں مل سکی جیسا کہ غیر موافق سرخ خلیات کی منتقلی کے دوران ہوتا ہے۔ (یعنی پلیٹ لیٹس کی تعداد اچانک بڑھنا نہیں شروع ہوجاتی لہٰذا مریض کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا) اور وہ خون کے خطرناک اخراج کے خطرے سے دوچار ہوتا ہے۔ پلیٹ لیٹس کے انتقال کے دوران اس کے انتشار کی وجہ سے کینسر کیموتھراپی اور ہڈیوں کے گودے کی منتقلی کے دوران مشکلات پیش آتی ہیں۔ بدقسمتی سے HLA اور پلیٹ لیٹس اینٹی باڈیز کیلئے ٹیسٹ سرخ خلیات کے اینٹی باڈیز کی نسبت انتہائی مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پلیٹ لیٹس کی موافقیت کا ٹیسٹ اسی صورت میں کیا جاتا ہے جب کئی بار پلیٹ لیٹس کی منتقلی کے باوجود کامیاب ردعمل ظاہر نہ ہوسکے۔

مشکلات اور بڑھ جاتی ہیں جب خون کے سفید خلیات مثلاً Lymphocytes کی منتقلی درپیش ہو۔ عام طور پر انتقال خون کے دوران خون میں سفید خلیات کی مقدار کافی حد تک کم ہوتی ہے کیونکہ نارمل حفاظتی نظام کے حامل اجسام Lymphocytes کے انتقال کو قبول نہیں کرتے جو کہ عام حالات میں اچھی بات ہے۔ اگر منتقل شدہ لمفوسائٹس ریجیکٹ نہ ہوں تو مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس ضمن میں حساس ٹیسٹوں کی مدد سے معلوم ہوا ہے کہ یہ خلیات ریجیکٹ ہونے سے پہلے وصول کنندہ کے خون میں ایک یا دو ہفتے تک موجود رہتے ہیں۔ اگرچہ اس سے زیادہ عرصہ تک بھی یہ زندہ رہ سکتا ہے۔ قلیل مقدار میں منتقل شدہ خون کے لمفوسائٹس مریض کے جسم میں کئی مہینوں تک بلکہ کئی سال تک موجود پائے گئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں مریض کے جسم میں قلیل مقدار میں حفاظتی نظام جینیاتی طور پر بیرونی عامل ہوگا۔ ابھی تک اس صورتحال کے مکمل اثرات کا اندازہ نہیں کیا جاسکا لیکن اس کے نتیجے میں حفاظتی ردعمل میں خلا بہرحال پڑتا ہے۔ زیادہ شدید ردعمل کی صورت میں لمفوسائٹس نا صرف مریض کے جسم میں زندہ رہ سکتے ہیں بلکہ مریض کی بافتوں کے مقابلے میں ردعمل کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں Graft-versus-Host بیماری پیدا ہوسکتی ہے جو کہ عموماً مہلک ہوتی ہے۔ مرکب خلیاتی حفاظتی ردعمل کے حامل مریضوں میں منتقلی خون اس بیماری میں مزید اضافہ کا باعث بن سکتی ہے۔ اس نایاب ردعمل سے بچنے کیلئے مریض کے خون پر گاما شعاعوں کے بار بار استعمال کی ضرورت درپیش رہتی ہے۔

سبحان تیری قدرت پکارنے والا پرندہ

تیتر

شیخ عبدالحمید عابد

بٹیر کی قسم کا ایک بھولا بھالا پرندہ ہے۔ جسے لوگ اس کی سریلی آواز کی وجہ سے پالتے ہیں۔ پالتو تیتر اپنے مالک کی سیٹی پر بولنے لگتے ہیں۔ تیتر کے بولنے کا انداز تمام پرندوں سے مختلف ہوتا ہے۔ بولتے ہوئے یوں لگتا ہے۔ جیسے کوئی فقرہ بار بار دہرا رہا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ''سبحان تیری قدرت'' ''سبحان تیری قدرت'' کا وظیفہ کر رہا ہو۔

تیتر ہمارے ملک کا ایک خاص مقامی پرندہ ہے۔ اس پرندے کی موجودگی کھیتوں اور میدانوں کی رونق بڑھا دیتی ہے۔ جہاں تیتر موجود نہ ہوں وہ جگہ کچھ خالی خالی سی معلوم ہوتی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے قدرت نے اس جگہ کوئی کمی باقی رکھی ہے۔

موسم بہار میں اس کا نغمہ بہت اچھا لگتا ہے۔ ادھر درختوں میں کلیاں آئیں اور ادھر اپریل کی سہانی صبح اور شام یہ ''سبحان تیری قدرت'' کا وظیفہ شروع کر دیتا ہے ہمارے ہاں تیتر کی دو قسمیں پائی جاتی ہیں۔ ایک سیاہ اور دوسرا سفید تیتر۔ سیاہ تیتر کو بھٹ تیتر بھی کہتے ہیں۔ سیاہ تیتر کے پروں پر سفید دھاریاں ہوتی ہیں۔ نر تیتر کی چونچ سیاہ اور مادہ کی بھوسلی ہوتی ہے۔ ٹانگوں کا رنگ سرخی مائل بھوسلا ہوتا ہے۔

بھوسلے تیتر کے جسم پر بھی سفید دھاریاں اور نشان ہوتے ہیں۔ اس کی ٹانگوں کا رنگ ذرا زیادہ سرخ ہوتا ہے۔

تیتر لمبی لمبی گھاس' جھاڑیوں اور کھیتوں میں رہتا ہے۔ درختوں پر بسیرا نہیں کرتا۔ گھنے جنگل اور دلدلی زمین بھی تیتر کو پسند نہیں' تیتر چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں جھاڑیوں وغیرہ میں چھپے رہتے ہیں اور درختوں کے بیج'



چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے اور اناج کے دانے کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔

تیتر اپنا گھونسلہ درختوں کے بجائے زمین پر بناتے ہیں۔ اور پتھروں کے نیچے یا کسی جھاڑی کے اندر گھاس اور درختوں کی چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں رکھ کر رہنے کی جگہ بنا لیتے ہیں۔

مادہ تیتر عام طور پر چھ سے دس تک انڈے دیتی ہے۔ بھوسلے تیتروں کے انڈے زردی مائل سفید ہوتے ہیں اور سیاہ تیتروں کے سبزی مائل بھوسلے۔ نر اور مادہ مل کر بچوں کو پالتے پوستے ہیں۔ قدرت سب سے پہلے ان کے بچوں کے پروں کو قوت بخشتی ہے تاکہ وہ اڑ کر اپنی حفاظت کر سکیں۔ پرندوں کے بچے اس وقت سے اڑنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں جبکہ ان کے جسم پر سوائے پروں کے مقام کے کہیں اور بال وغیرہ نہیں ہوتے اور صرف پر پھوٹنا شروع ہوتے ہیں۔ وہ اس قدر جلد پرواز میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں کہ قیاس میں بھی نہیں کیا جا سکتا۔

تیتر کے بچے بھی مرغی کے بچوں کی طرح جب ماں باپ کی ایسی آواز سنیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ ان کو خطرہ درپیش ہے تو فوراً ہی دبک کر زمین پر بیٹھ جاتے ہیں اور بے حس و حرکت پڑے رہتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے پھیکے رنگ کے پروں کے باعث آسمان پر منڈلاتی ہوئی چیلوں اور گدھوں

موسم بہار میں اس کی سریلی آواز لوگوں کو مسحور کر دیتی ہے۔

تیتر چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں رہتے ہیں۔

یہ بہت جلد پرواز میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔

کی تیز نگاہوں سے اوجھل ہو کر ان کے حملوں سے بچ جاتے ہیں۔

تیتر خشک درخت کے تنوں کی بجائے نیم یا ریٹھوں پر بیٹھنا پسند کرتا ہے۔ جب یہ کسی لٹھ کا سہارا لیتا ہے تو اس سے چمٹ نہیں جاتا بلکہ یہ اس پر تن کر بیٹھتا ہے۔

ایک جگہ سے دوسرے جگہ روانہ ہونے سے پہلے یہ دو آوازیں نکالتا ہے۔ پھر لمحہ بھر ٹھہر کر چل پڑتا ہے۔ تیتر کی زندگی بہت کامیاب اور بھرپور ہوتی ہے۔ یہ بہت محنتی اور توانا ہوتا ہے۔ سرمائی علاقوں میں موسم سرما میں جب بہت زیادہ برف پڑتی ہے اور طوفان وغیرہ کے امکانات بڑھ جاتے ہیں تو یہ برف کے گالوں سے بم کے گولے کی طرح نکلتا ہوا میدانی علاقوں کی طرف آ جاتا ہے۔ اسو قتیہ کامیابی کی تصویر نظر آتا ہے۔

تیتر کا گوشت بے حد لذیز ہوتا ہے۔ اس لئے بہت سے لوگ اسے شوق سے کھاتے ہیں۔ اس کا شکار جال اور بندوق سے کیا جاتا ہے۔

تیتر کو پالنے کیلئے بانس کی مضبوط سلاخوں کا پنجرہ بنایا جاتا ہے۔ جس میں خوراک اور پانی کے لئے چھوٹے چھوٹے برتن رکھے جاتے ہیں۔ پنجرے اور برتنوں کی صفائی کا خیال رکھنا چاہئے۔ پالتو تیتروں کو ٹوٹی ہوئی گندم و باجرا اور کنگنی کھلائی جاتی ہے۔



حوالہ جات

(1) پرندے۔ مولانا صلاح الدین احمد۔ بک ہاؤس اردو بازار لاہور

(2) پالتوں جانور۔ فیروز سنز لاہور

(3) مطالعہ قدرت۔ جلد اول مکتبہ سلطانیہ فلیمنگ روڈ لاہور

(4) جنوبی امریکہ کے پرندے۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

(5) جانوروں کی دنیا۔ مولانا ابوالنصر محمد بشیر۔ فرید بک سٹال لاہور

(6) چڑیا گھر کی سیر۔ مقبول اک[illegible] ہور



بے رشتہ

علی سفیان آفاقی ۔۔۔قسط نمبر 12

انسان کی فطرت بھی عجیب ہے۔ خوشیوں سے بھرپور اچھے دن پلک جھپکنے میں گزر جاتے ہیں۔ ان کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ جس کا ہر دن عید اور ہر رات شب برات ہوا سے بھلا وہ وقت گزرنے کا احساس کیونکر ہو سکتا ہے۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب سورج نکلا' نیا دن طلوع ہوا اور کب رات ہوگئی اور ایک دن ختم ہوگیا۔ ہاں، وقت گزرنے کے بارے میں ان بدنصیب لوگوں سے پوچھئے جو دن رات مصیبتوں اور مشکلوں میں گھرے رہتے ہیں۔ ہر طرح کی پریشانیاں اور محرومیاں انہیں گھیرے رہتی ہیں۔ ان کے لئے زندگی ایک عذاب ہوتی ہے۔ ان کے دن کاٹے نہیں کٹتے۔ دعائیں مانگتے ہیں کہ یا اللہ۔ یہ برے دن جلد گزر جائیں مگر ان کی دعائیں بھی آسمان تک نہیں جاتیں۔ ان کے لئے زندگی ایک وبال اور وقت گزارنا جان کا جنجال ہو جاتا ہے۔ وقت کاٹے نہیں کٹتا۔ صبح سے شام اور شام کے بعد صبح کے چوبیس گھنٹے انہیں مہینوں اور سالوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لئے اللہ سے یہ دعا کی جاتی ہے کہ وہ کسی کو برا وقت نہ دکھائے۔ آزمائشوں میں نہ ڈالے۔ ان کے لئے زندگی آسان اور آرام دہ کردے۔

شوکت اور نفیسہ پر بھی وقت مہربان تھا۔ اللہ نے انہیں خوش نصیبی اور ہر طرح کی خوشیوں سے نوازا تھا۔ اگر کمی تھی تو صرف ایک بچے کی۔ یہ بھی انسان کی فطرت ہے کہ اللہ نے اسے جو کچھ دیا ہوتا ہے اس پر خوش ہو کر اپنے رب کا شکر ادا نہیں کرتا۔ ان کی چیزوں کی خواہش کرتا ہے جو اسکے پاس نہیں ہوتیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے سے بھی باز نہیں رہتا۔

شوکت اور نفیسہ کو دنیا بھر کی نعمتیں اور آسائشیں حاصل تھیں۔ اگر کمی تھی تو صرف اولاد کی۔ اس کی کمی انہیں شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ جوں جوں دن گزرتے گئے ان کی بے تابی اور محرومی کا احساس اور بڑھتا گیا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا جب انکیں ہر چیز بے معنی نظر آنے لگی۔ صرف ایک ہی آرزو تھی جو کہ جنون کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ اولاد۔ اولاد' صرف اولاد۔ اسکے لئے انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ بڑے بڑے ڈاکٹر۔ پیر فقیر۔ تعویذ گنڈے سب آزما کر دیکھ لئے۔ لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ نفیسہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی تو ان کی مایوسی اور دکھ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس غم کو نفیسہ نے بہت زیادہ شدت سے محسوس کیا۔ یہاں تک کہ بیمار ہوگئی۔ شوکت نے اسکی دلجوئی اور ناز برداری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اسے ہر طرح اپنی بے پناہ محبت کا یقین دلانے کی کوشش کی اور ساتھ ہی قسمیں کھا کر اسے تسلی دی کہ وہ یہ خیال اپنے دل میں بھی نہ لائے کہ اس کی اس مجبوری کی وجہ سے وہ اولاد کی خاطر دوسری شادی کر لے گا۔ شوکت جانتا تھا کہ ایک بیوی کے لئے کسی دوسری عورت کو اپنے شوہر کی زندگی میں شامل ہونا کسی طرح بھی منظور نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شوکت کو اپنی بیوی نفیسہ سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ اس کو دکھی کرنے کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔ ساری عمر اولاد سے محروم رہنا اسے منظور تھا لیکن نفیسہ کا دل توڑنا کسی قیمت پر بھی گوارا نہ تھا۔

نفیسہ کو شوکت کی محبت کا بخوبی احساس تھا اور وہ اس پر فخر کرتی تھی۔ کون ایسا شوہر ہوگا جسے دنیا کی ہر چیز حاصل ہو سوائے اولاد کے۔ جسے قدرتی اور فطری طور پر اپنے وارث کی ضرورت اور کمی محسوس ہوتی ہو جو کہ نہ صرف اس کے انتہائی وسیع کاروبار اور جائیداد کا مالک بنے بلکہ اس کا اور اس کے خاندان کا نام بھی آگے چلائے۔ مگر شوکت کو یہ سب کچھ منظور تھا' اپنی چہیتی بیوی کا دل توڑنا منظور نہ تھا۔ اس نے خود کو اور نفیسہ کو تسلی دینے کی کوشش کی کہ دیکھو یہ سب نصیبوں کے کھیل ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ ہم اولاد کی نعمت سے محروم رہیں تو اسکی مرضی کے آگے سر جھکا دینا چاہئے اور درحقیقت اس نے اللہ کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ اس نے تو اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا مگر نفیسہ ایک عورت تھی۔ اسے اپنی خالی گود کو ہر قیمت پر بھرنے کی خواہش دیوانگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ اس نے بذات خود شوکت کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اولاد کی خاطر دوسری شادی کر لے چونکہ اسے اپنے شوہر کی محبت پر پورا بھروسہ ہے۔

مگر شوکت نے کہا "دیکھو نفیسہ۔ بہر حال میں ایک انسان ہوں۔ فرشتہ نہیں ہوں۔ کسی وقت بھی میرے قدم ڈگمگا سکتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں کے بیچ میں کوئی اور شخصیت آ جائے۔ میں تمہاری محبت میں کسی اور کو شامل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اگر تم نے دوبارہ یہ بات کی تو مجھے بہت صدمہ ہوگا۔ پلیز۔ مجھے صدمہ پہنچانے کا خیال دل سے نکال دو۔ جو بھی ہے' جیسے بھی ہے' مجھے منظور ہے۔ اللہ ہمیں صبر بھی عطا کردے گا۔"

نفیسہ کو بجا طور پر اپنے شوہر پر ناز تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا اور محسوس کیا کہ ہر کوئی اس سے اولاد کے بارے میں سوال ضرور کرتا تھا اور وہ "بس اللہ کی مرضی!" کہہ کر چپ ہو جاتی تھی۔ مگر آفرین ہے شوکت پر کہ دوبارہ کبھی اولاد کا ذکر اس کی زبان پر بھی نہیں آیا تھا۔

یہ وہ پس منظر تھا جب شوکت کا کزن اور بچپن کا دوست عثمان ایک فرشتہ بن کر ان کی زندگی میں آیا اور اس نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔ اگرچہ اسے دنیاوی اور مالی فائدہ بھی حاصل ہو رہا تھا مگر وہ ایک درویش قسم کا آدمی تھا جسے دولت کی آرزو نہ تھی۔ وہ صرف اپنے بیوی بچوں کو ایک معقول زندگی کا سامان فراہم کرنے کا خواہش مند تھا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جدوجہد بھی کرتا رہتا تھا۔ مگر اس کی قسمت کے ستارے گردش میں تھے۔ قابل' تعلیم یافتہ اور باصلاحیت ہونے کے باوجود وہ کوئی ایسی ملازمت حاصل نہیں کر سکا تھا جو اسکے گھر والوں کو ایک درمیانہ درجے کی زندگی بسر کرنے کا سہارا بن جائے۔

شوکت سے طویل عرصے کے بعد ملاقات ہونا بھی قدرت کو منظور تھا۔ یوں سمجھئے کہ اس کی تقدیر کروٹ لے رہی تھی۔ قسمت کے ستارے اس پر مہربان ہونے لگے تھے۔ لیکن اپنے ہونے والے بچے کو کسی اور کے حوالے کر دینے کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ شوکت کی منتوں اور نفیسہ کی دکھ بھری داستان سننے کے بعد وہ کسی حد تک رضامند ہو گیا تھا مگر اسے امید نہ تھی کہ اسکی بیوی شمسہ کسی بھی قیمت پر یہ تجویز منظور کرے گی۔ قسمت کے لکھے کو بھلا کون بدل سکتا ہے؟ آخر کار جب شمسہ بھی اس قربانی کے لئے رضامند ہو گئی تو شوکت اور نفیسہ کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ سچ ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے عثمان اور شمسہ کی قربانی کی قدر کرتے تھے اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر بچے کے عوض عثمان ان سے آدھی دولت بھی مانگتا تو وہ انکار نہ کرتے۔ تقدیر اپنا رنگ دکھا رہی تھی تو پھر راستے میں کون رکاوٹ ڈال سکتا تھا؟ تقدیر کے کھیل بھی نرالے ہیں۔ اسکا ایک فیصلہ اگر کسی کے لئے زندگی اور خوشی کا پیغام ہوتا ہے تو وہی فیصلہ کسی اور کے لئے غم والم اور بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔ قسمت شوکت اور نفیسہ پر مہربان تھی اس لئے ان کی ہر تمنا پوری ہو گئی تھی۔ اگر دنیاوی فائدے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو عثمان اور شمسہ کی قسمت بھی مہربان ہو گئی تھی۔ انہیں نعمتوں سے بھرپور ایک ایسی زندگی مل گئی تھی جس کا وہ کچھ دن پہلے تصور بھی نہیں کر سکتے تھے مگر اس کا ایک دوسرا رخ بھی تھا۔ وہ اپنے ایک بچے سے محروم ہو گئے تھے۔ یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ انہیں وہ سب کچھ مل گیا تھا جس کو حاصل کرنے کے وہ خواب دیکھا کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی ایک بچے کی محرومی کے غم کا داغ بھی ملا تھا۔ وقت بڑا مرہم ہے۔ بڑے سے بڑا گھاؤ بھی بھر دیتا ہے۔ ان دونوں کا غم بھی وقت گزرنے کے ساتھ ہلکا پڑتا جا رہا تھا لیکن وہ اس کو یکسر فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو جب انہیں اپنے بچے کا خیال نہ آتا ہو مگر صبر کے سوا اور کیا کر سکتے تھے؟

فیروز (فوزی) ایک ایسا بچہ تھا جو سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوا تھا۔ دنیا میں آتے ہی ایک دولت مند ترین جوڑے نے اس کو گود لے لیا تھا۔ اس کی بہترین بلکہ شاہانہ انداز میں پرورش کی جا رہی تھی۔ انگریز گورنس اور انگریز دایہ کے علاوہ پاکستانی ملازموں کی ایک فوج بھی اسکی خدمت اور دیکھ بھال کرنے پر مامور تھی۔ پھر بھی شوکت اور نفیسہ کو اطمینان نہیں تھا اس لئے وہ بذات خود شب و روز اس کی پرورش اور دیکھ بھال میں مصروف رہتے تھے۔ اس کی ذرا سی تکلیف پر بے چین ہو جاتے تھے اور بڑے سے بڑے ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ ابھی وہ شیر خوار ہی تھا لیکن اس کے لئے ایک شاندار کمرہ بے شمار قیمتی کھلونوں سے سجا دیا گیا تھا۔ شوکت اور نفیسہ کا بس نہ چلتا تھا کہ کسی طرح راتوں رات فوزی بڑا ہو جائے۔ باتیں کرنے لگے۔ چلنے پھرنے لگے۔ شرارتیں کرنے لگے مگر یہ ممکن نہ تھا۔ ان دونوں کی سوشل مصروفیات نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھیں۔ انہوں نے پارٹیوں اور محفلوں میں جانا چھوڑ دیا تھا حالانکہ ایک زمانے میں وہ شہر کی پارٹیوں کی جان سمجھے جاتے تھے۔ شوکت مجبوراً کچھ دیر کے لئے دفتر جاتا تھا مگر وہاں سے مسلسل ٹیلی فون کر کے فوزی کے بارے میں دریافت کرتا رہتا تھا۔

''فوزی کیا کر رہا ہے؟'' وہ کسی اہم میٹنگ کے دوران میں فون کر کے پوچھتا۔ ''سو رہا ہے''

کبھی نفیسہ بتاتی کہ وہ دودھ پی رہا ہے' رو رہا ہے۔

''ہمارا منا کیوں رو رہا ہے؟'' شوکت تڑپ کر پوچھتا ''کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟''

''ارے نہیں'' نفیسہ ہنس پڑتی۔ ''آخر وہ جیتا جاگتا بچہ ہے۔ کبھی روتا بھی ہے۔ یہ بچوں کی ایکسرسائز ہوتی ہے۔''

''اچھا۔ ٹیلی فون اسکے پاس لے جاؤ۔'' شوکت بے چینی سے کہتا۔

فوزی کے رونے کی آواز سن کر وہ پریشان ہو جاتا تھا۔ ''نفیسہ۔ لاپرواہی مت کرنا۔ دیکھو نا۔ ہم اور تم تو بچوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے ہیں۔ کیا پتہ اسے کوئی تکلیف ہو۔ وہ معصوم تو اپنی تکلیف بتا بھی نہیں سکتا۔''

اکثر وہ فوزی کے رونے کی آواز سن کر دفتر کے سارے کام چھوڑ کر فوراً گھر پہنچ جاتا تھا۔ اس وقت تک فوزی خاموش ہو کر سو بھی چکا ہوتا تھا۔

''ارے۔ یہ تو سو رہا ہے۔ تم تو کہتی تھیں کہ بہت رو رہا ہے۔'' وہ نفیسہ سے شکایت کرتا۔

''آپ نے خود بھی تو ٹیلی فون پر رونے کی آواز سنی تھی۔''

''ہاں۔ سنی تو تھی۔ مگر اب تو ماشاءاللہ آرام سے سو رہا ہے۔''

''بچوں کا کیا ہے۔ ابھی رو رہے ہیں تو ابھی ہنس رہے ہیں۔'' وہ پیار سے فیروز کو پیار کرتی۔ ''دیکھئے۔ بالکل ننھا فرشتہ لگ رہا ہے۔''

شوکت بھی آہستہ سے اس کو چوم لیتا تا کہ جاگ نہ جائے۔ ''فرشتہ لگ نہیں رہا ہے۔ یہ سچ مچ ننھا فرشتہ ہے۔ اللہ میاں نے اس کو خاص طور پر ہمارے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔''

دن اور مہینے گزرنے کے ساتھ ساتھ فوزی کی صحت بھی بہتر ہو رہی تھی اور اب وہ اپنے آس پاس کے لوگوں اور چیزوں کو غور سے دیکھ کر پہچاننے بھی لگا تھا۔ جب کوئی اسے مخاطب کرتا تو وہ بڑے پیارے انداز میں مسکراتا' نفیسہ ''ماشاءاللہ۔ نظر نہ لگ جائے'' کہہ کر فوراً اس کا صدقہ اتارتی تھی۔ وہ ہاتھ پیر ہلانا اور منہ سے آوازیں نکالنا بھی سیکھ گیا تھا۔

نفیسہ فوراً شوکت کو فون کرتی۔ ''سنئے۔ فوزی کیسے مزے سے باتیں کر رہا ہے۔''

''اچھا'' وہ بے تاب ہو جاتا۔ ''مجھے بھی تو سنواؤ۔''

نفیسہ بچے کے منہ کے پاس ریسیور رکھ دیتی۔ پھر پوچھتی۔ ''سنا آپ نے؟''

''ہاں۔ مگر یہ تو غوں غوں کر رہا ہے۔''

''سمجھا کیجئے۔'' وہ ہنس پڑتی۔ ''اتنے بچے اسی طرح باتیں کرتے ہیں۔''

''اس کا مطلب کیا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟''

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔'' نفیسہ کہتی ''میں بچوں کی زبان کی ماہر نہیں ہوں ورنہ ترجمہ کر کے بتا دیتی۔''

فوزی اسی طرح ناز و نعم اور لاڈ پیار میں شوکت اور نفیسہ کی پلکوں کی چھاؤں میں پلتا بڑھتا رہا۔ چند ماہ بعد وہ منہ سے باقاعدہ آوازیں نکالنے لگا۔ نفیسہ کو دیکھتے ہی اس کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر زور زور سے ہلاتا تو نفیسہ خوشی سے بے حال ہو جاتی ''میرا بچہ۔ میری گود میں آنا چاہتا ہے''

وہ فوراً اسے گود میں اٹھا کر اس سے بے معنی آوازیں نکال کر باتیں کرنے لگتی۔ واقعی بچے بھی کتنی عجیب چیز ہوتے ہیں۔ سب کو اپنے جیسا بنا لیتے ہیں۔ بڑے لوگ بھی ان ہی کی طرح کی آوازیں نکالنے اور ان ہی جیسی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔

فیروز نے جب پہلی بار خود ہی کروٹ لی تو نفیسہ نے فوراً شوکت کو فون پہ خوشخبری سنائی۔ وہ سارے کام چھوڑ کر بھاگا ہوا گھر آ گیا۔ گول مٹول فوزی بستر پر کروٹ بدلنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ نفیسہ اور سٹاف کے سب لوگ انتہائی دلچسپی سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ شوکت کو بھی یہ منظر اس قدر دلچسپ لگا کہ وہ بھی بے اختیار تماشائیوں میں شامل ہو گیا۔ سب لوگ خوش تھے اور ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے۔

ننھے فوزی نے کچھ عرصے بعد گھسٹنا اور پھر گھٹنوں چلنا شروع کر دیا۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا جسے نفیسہ اور شوکت گھنٹوں دیکھتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔ مختصر یہ کہ ننھے فیروز کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک ادا پر نفیسہ اور شوکت کی گہری نظر تھی۔ اب وہی ان کی زندگی کا مقصد اور عام خوشیوں اور آرزوؤں کا مرکز بن گیا تھا۔ اس نے بے معنی آوازیں منہ سے نکالنی شروع کر دی تھیں۔ نفیسہ اور شوکت دونوں اس بحث میں لگ جاتے تھے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ وہ کیا کہنا چاہتا ہے؟ نفیسہ کے نزدیک ان آوازوں کا مطلب کچھ اور ہوتا تھا مگر شوکت انہیں کسی اور مفہوم میں لیتا تھا۔

وہ دن نفیسہ اور شوکت کے لئے خوشیوں کی معراج اور زندگی بھر کا حاصل تھا جب فوزی نے مم اور پھر مما اور اسکے بعد ماما کہنا شروع کیا۔

''یہ تو بہت بے ایمانی کی بات ہے۔'' شوکت نے شکایت کی۔ ''تم نے اسے ماما کہنا سکھا دیا۔ پاپا کہنا کیوں نہیں سکھایا؟''

''ٹھیک ہے۔ میں ماں ہوں اس لئے ماما کہنا سکھایا ہے۔ آپ باپ ہیں تو خود ہی اسے پاپا کہنا سکھایئے۔''

شوکت نے فوراً یہ چیلنج قبول کر لیا اور بچے کو گود میں لیکر ''پاپا'' کہنے کی مشق کرانے لگا۔ آخر فوزی نے ماما کے ساتھ پاپا کہنا بھی سیکھ لیا۔ اس روز خوش ہو کر سارے گھریلو ملازموں کو بونس دیا گیا اور ان کی تنخواہوں میں اضافہ بھی کر دیا گیا۔ ڈھیر سارے ملازموں کے ہوتے ہوئے بھی نفیسہ خود اپنے ہاتھ سے فوزی کو دودھ پلاتی تھی۔ پھر ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق خوراک دینے کا وقت آیا تو بہترین اور مہنگے ترین غیر ملکی امپورٹڈ بچوں کے کھانے خریدے گئے۔

جب پہلی بار فوزی کو چمچے سے کھانا کھلایا گیا تو شوکت نے اس روز دفتر سے چھٹی کر لی۔ اس کے نزدیک یہ دنیا کا سب سے اہم ترین کام تھا کہ فوزی کو چمچ سے کھانا کھاتے ہوئے دیکھے۔ فوزی ایک کھلونا تھا جس کو دیکھ دیکھ کر ان دونوں میاں بیوی کا دل ہی نہیں بھرتا تھا۔ وہ سو بھی جاتا تھا تو یہ دونوں اس کے سرہانے بیٹھے اس کو دیکھتے رہتے تھے اور اس کی ہر ادا کو نوٹ کرتے تھے۔

”دیکھو دیکھو نفیسہ۔ یہ تو سوتے میں مسکرا رہا ہے۔“

”خواب دیکھ رہا ہوگا۔“

”اتنے چھوٹے بچے بھلا خواب میں کیا دیکھتے ہوں گے؟“ شوکت سوال کرتا۔

”وہ اپنی ماں کو دیکھتے ہیں۔“

”کیوں۔ باپ کو کیوں نہیں؟“

”اس لئے کہ میں ہر وقت اس کے سامنے رہتی ہوں اور اس سے باتیں کرتی رہتی ہوں۔“

فوزی دراصل شوکت اور نفیسہ کے لئے ایک کھلونا اور دلچسپ مشغلہ تھا۔

جب فوزی اپنے پیروں میں کھڑا ہوا اور نفیسہ کے سہارے اس نے دو قدم آگے بڑھائے تو نفیسہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے بے اختیار فوزی کو گود میں اٹھا کر چومنا شروع کر دیا۔ پھر فوراً ہی شوکت کو دفتر ٹیلی فون کیا جو ایک ضروری میٹنگ کے لئے دفتر چلا گیا تھا۔

”شوکت، شوکت“ خوشی کے مارے نفیسہ کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ اونچی آواز میں ”شوکت۔ شوکت“ کہہ کر رک جاتی تھی۔

”کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے نا؟“ شوکت نے گھبرا کر پوچھا

”ہاں ہاں۔ سب خیریت ہے۔“

”تو پھر اس طرح کیوں چلا رہی ہو؟“

نفیسہ بالآخر بول پڑی ”شوکت۔ پتہ ہے ابھی کیا ہوا؟“

”کیا ہوا“ شوکت نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”کچھ بتاؤ گی بھی یا مجھے پریشان ہی کرتی رہو گی۔“

نفیسہ نے کہا ”بس۔ تم ابھی گھر آ جاؤ۔ اسی وقت“

”مگر بات کیا ہے۔ کچھ تو بتاؤ“

”شوکت۔ فوزی نے پاؤں پاؤں چلنا شروع کر دیا“ نفیسہ نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا

”کیا واقعی؟“

”ہاں ہاں۔ میرا ہاتھ پکڑ کر وہ ابھی دو قدم چلا ہے“

شوکت بے اختیار کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا ”بس۔ بس۔ اب اسے اور نہ چلانا۔ میں ابھی آ رہا ہوں“

میٹنگ میں شریک لوگ حیرت سے یہ سب دیکھ اور سن رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر معاملہ کیا ہے۔

شوکت نے سامنے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات بھی نہیں سمیٹے۔ بولا ”معاف کیجئے۔ مجھے فوراً گھر جانا ہے۔ یہ میٹنگ کل اسی وقت کر لیں گے“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے چل پڑا۔

”سر۔ خیریت تو ہے نا۔ کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے؟“ ایک ڈائریکٹر نے پوچھا

”پریشانی؟“ وہ بے اختیار ہنسنے لگا ”نہیں۔ بالکل نہیں۔ ایوری تھنگ از پرفیکٹ۔ خدا حافظ“

یہ کہا اور تیز تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ سب حیران ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ بچے کے دو قدم چلنے کی خبر سن کر شوکت اتنا بے تاب ہو جائے گا کہ ایک انتہائی ضروری میٹنگ ملتوی کر کے چلا جائے گا۔

شوکت نفیسہ کو آوازیں دیتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔

”نفیسہ۔ نفیسہ۔ ارے بھئی کہاں ہو تم لوگ؟“

”یہاں۔ اپنے بیڈ روم میں!“ نفیسہ کی مسکراتی ہوئی آواز آئی۔

شوکت دوڑتا ہوا اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا تو نفیسہ فیروز کو اپنی گود میں لئے کھڑی تھی اور اسے پیار کئے جا رہی تھی۔

شوکت نے حیرت سے اس کو دیکھا ”ارے۔ یہ تو تمہاری گود میں بیٹھا ہوا ہے۔ تم تو کہہ رہی تھیں کہ......“

”ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ اب آپ خود دیکھ لیجئے“

نفیسہ نے فیروز کو اپنی گود سے اتار کر قالین پر کھڑا کر دیا اور اسکے دونوں ننھے منے ہاتھ تھام کر پیار سے بولی ”فوزی۔ میری جان۔ اب ذرا پاپا کو بھی چل کر دکھا دو۔“

فوزی نے اسکے سہارے لڑکھڑاتے ہوئے قدم اٹھایا تو شوکت بے اختیار چیخ اٹھا ”دیکھ کے۔ کہیں گر نہ جائے۔“

”ارے نہیں گرے گا۔ میرا بیٹا شیر ہے شیر۔ خود دیکھ لیجئے۔“

فوزی لڑکھڑاتا ہوا اک اک قدم اٹھاتے ہوئے چل رہا تھا اور ڈگمگا تا بھی جا رہا تھا۔ ابھی وہ دو تین قدم ہی چلا تھا کہ شوکت نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا اور اس کا چہرہ، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔ ہمارا بیٹا چلنے لگا ہے۔ ہمارا بیٹا اپنے پیروں چلنے لگا ہے۔

اس خوشی میں صدقہ دیا گیا۔ خیرات بانٹی گئی اور دوسرے دن ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا گیا۔

ایک دوست نے پوچھا ”ارے بھئی۔ یہ کس خوشی میں پارٹی دی ہے۔ منے کی سالگرہ تو نہیں ہے آج۔“

”ہمارا منا پاؤں پاؤں چلنے لگا ہے، ہم اس خوشی میں جشن منا رہے ہیں“

اس طرح بے انتہا لاڈ پیار اور دلار کے سائے میں ننھا فوزی عمر کی منزلیں طے کرتا رہا۔ دیکھنے اور سننے والے شوکت اور نفیسہ کی دیوانگی کی حد تک پہنچی ہوئی محبت کو دیکھ کر حیران بھی ہوتے تھے اور ننھے فیروز کی خوش قسمتی پر رشک بھی کرتے تھے۔

شوکت ننھے فیروز کے پیار میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ بزنس کے لئے بھی اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ وہ کسی بھی کام پر توجہ نہیں دے رہا تھا لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کا کاروبار روز بروز ترقی کر رہا تھا۔ اس کے منیجر نے کئی اور شہروں اور ملکوں میں بھی آفس کھول دیئے تھے جو بہت کامیابی سے چل رہے تھے۔ لندن آفس کو عثمان نے اتنی محنت اور توجہ دی تھی کہ نہ صرف اس کے بزنس میں اضافہ ہو گیا بلکہ شوکت کی رضامندی سے اس نے یورپ کے دوسرے شہروں میں بھی آفس قائم کر لئے تھے۔ شوکت کا خیال تھا کہ فیروز اس کے لئے ہر لحاظ سے بہت خوش قسمت ثابت ہوا ہے۔ اس کی آمد کے بعد نہ صرف ان کے گھر میں بچے کی معصوم آوازیں گونجنے لگی تھیں بلکہ ان کے کاروبار میں بھی اللہ نے بہت برکت دے دی تھی۔ وہ نفیسہ کو جب یہ خبریں سناتا تو وہ بڑے پیار اور ناز سے کہتی۔

”دیکھ لیجئے۔ یہ سب ہمارے فوزی کے آنے کی برکت ہے۔ ہمارا بیٹا کتنا نصیبوں والا ہے ماشاءاللہ“

ادھر شوکت اور نفیسہ کے دن رات خوشیوں میں ڈوبے ہوئے تھے ادھر عثمان اور شمسہ کی زندگی میں جو خلا پیدا ہو گیا تھا وہ ہر قسم کی نعمتیں اور خوشیاں مل جانے کے بعد بھی پُر نہیں ہو سکا تھا۔ ان دونوں نے پھر کبھی اپنے بچے کا ذکر بھی نہیں کیا تھا مگر ذہن اور دل سے اسکی یاد نہیں مٹا سکے تھے۔ عثمان اور شوکت کی دفتری معاملات کے سلسلے میں ٹیلی فون پر بات چیت بھی ہوتی رہتی تھی مگر دونوں میں سے کسی کی زبان پر کبھی بچے کا ذکر تک نہیں آیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ ٹیلی فون پر شوکت سے بات کرنے کے بعد کافی دیر تک عثمان خاموش اور گم سم رہتا تھا۔ گھر پر اس کی اور شمسہ کی زندگی بظاہر معمول کے مطابق تھی۔ ان کے بچے بے انتہا خوش اور مطمئن تھے۔ وہ بہترین سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ پیسے کی فراوانی تھی۔ ان کی کوئی خواہش ایسی نہ تھی جو پوری نہ ہوتی ہو۔ وہ رفتہ رفتہ اپنے ننھے بھائی کو بھول چکے تھے۔ نئی نئی دلچسپیوں اور نئے دوستوں میں گم ہو کر وہ اپنے بھائی کی یاد کو بھی گم کر بیٹھے تھے۔

بظاہر شمسہ اور عثمان کی زندگی بھی نارمل تھی۔ لندن میں ان کے ملنے والوں اور دوستوں کا ایک بہت بڑا حلقہ بن گیا تھا۔ ان کی زندگیوں میں دیکھنے والوں کو کسی چیز کی کمی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ ان کی ایک دوسرے سے محبت کی لوگ ایک دوسرے کو مثالیں دیا کرتے تھے مگر یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان کے دلوں پر کیا گزر رہی ہے۔ مصروفیت سے فارغ ہونے کے بعد راتوں کو وہ ایک دوسرے کو خبر کئے بغیر کتنی دیر تک جاگتے رہتے ہیں۔ شمسہ کی آنکھیں صبح کے وقت سرخ کیوں ہوتی ہیں؟ کوئی پوچھتا تو وہ رات کو دیر تک نیند نہ آنے کا بہانہ کر کے بات ٹال دیتی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اسے رات کو بہت دیر تک نیند نہیں آتی تھی مگر یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کا سبب کیا ہے؟

یہ دنیا بھی کتنی عجیب ہے۔ ایک بچہ کسی کے گھر اور زندگی کو روشن کرنے کا سبب بھی ہو سکتا ہے اور وہی بچہ کسی گھر میں اندھیرا کرنے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ بچہ ایک ہی تھا مگر اس کے اصلی ماں باپ اور منہ بولے ماں باپ کے لئے اس کا وجود بیک وقت خوشیوں کا خزانہ بھی تھا اور غموں کا پہاڑ بھی، شاید دنیا اسی کا نام ہے۔ (جاری ہے)



محنت اپنی ہو گی

مہر نسیم

حنا بچپن میں ہی یتیم ہو گئی تھی امی اور ابو دونوں وفات پا چکے تھے۔ اس کی پرورش اس کی خالہ نے کی تھی۔ جو اس کو بالکل اپنے بچوں جیسی محبت اور توجہ سے پال رہی تھی۔ مگر اس کے باوجود اسے اپنی امی اور ابو کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ خاموش خاموش اور دکھی رہتی تھی اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنے امی ابو کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزارتی۔ اس کو پڑھنے کا بھی شوق تھا۔ مگر خالہ چونکہ مشکل سے گزارہ کرتی تھیں۔ اس لئے وہ حنا کو پڑھا نہیں سکتی تھیں۔ حنا کے دل میں خواہش تھی کہ وہ بڑی ہو کر ڈاکٹر بنے۔ وہ اپنی خالہ کے بچوں کے ساتھ کھیلتی تو تھی لیکن اس کے دل میں حسرت رہتی کہ کاش اس کے بھی بہن بھائی ہوتے۔ وہ ان کے ساتھ کھیلتی اور باتیں کرتی۔

جس محلے میں حنا اپنی خالہ کے ساتھ رہتی تھی۔ وہیں ایک پڑھی لکھی لڑکی مریم بھی رہتی تھی۔ اس نے ایف ایس سی کا امتحان دیا ہوا تھا۔ اس کو جب حنا کی خواہش کا علم ہوا تو اس نے حنا سے کہا کہ وہ اس کو پڑھائے گی اور یوں حنا مریم سے پڑھنے لگی۔

حنا بڑی ذہین تھی۔ اس نے بہت جلد ابتدائی سبق پڑھ لیے۔ شام کے وقت حنا، مریم سے پڑھتی تھی۔ اس کے دل میں ڈاکٹر بننے کی خواہش سر ابھارنے لگی تھی۔ اس کا ننھا منا دل خوش تھا کہ کوئی تو ہے جو اس کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ حنا باقاعدگی سے مریم سے پڑھنے جاتی تھی۔ قاعدے کاپیاں بھی اسے مریم ہی فراہم کرتی تھی۔ اب حنا کا وقت بہت اچھا گزر جاتا۔ گھر آ کر بھی وہ پڑھتی رہتی۔ وہ اب خوش رہنے لگی تھی۔ اسے ایک مقصد حیات مل گیا تھا۔ جس کو حاصل کرنے کیلئے اسے صرف محنت اور ہمت کی ضرورت تھی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حنا کو مریم نے قریبی سکول میں داخل کروا دیا۔ اس کی فیس اور یونیفارم اور کتابوں کیلئے کچھ رقم حنا کی خالہ نے دے دی اور یوں حنا سکول میں داخل ہو کر گویا اپنی خواہش کی تکمیل کیلئے سرگرم ہو گئی۔ حنا نے اتنی محنت کی کہ پانچویں میں بورڈ کا امتحان دیکر وظیفہ حاصل کیا۔ اور یوں اس کی مزید تعلیم وظیفہ کی رقم سے آگے بڑھنے لگی۔ آٹھویں میں بھی اس نے وظیفہ لیا اور ساتھ ساتھ چھوٹے بچوں کو گھر پر پڑھانے لگی۔ میٹرک کے امتحان میں حنا نے اتنی محنت کی کہ اس نے بورڈ میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور اب اسے کامیابی [illegible] رنگ لا رہی تھی۔

اسے اچھی استانیاں ملیں جن کی راہنمائی میں وہ ایف ایس سی کے امتحان کی تیاری کرنے لگی۔ اس کا دل چاہتا تھا۔ جلد دو سال کا عرصہ بیت جائے اور وہ میڈیکل کالج میں داخل ہو جائے۔ شام کے وقت حنا ٹیوشن پڑھاتی اور وہ اپنے خرچے خود پورے کرنے لگی۔ حنا اپنی منزل کی جانب تیزی سے گامزن تھی۔ اس کی محنت اور لگن رنگ لانے والی تھی۔ ایف ایس سی کے امتحان میں اس نے اتنی محنت کی کہ اس کو نہ دن کا ہوش تھا اور نہ رات کی خبر۔ آخرکار وہ دن بھی قریب آ گیا جب رزلٹ نکلنا تھا۔ حنا دعا مانگ رہی تھی کہ یا خدا اسے کامیاب کرنا لیکن ساتھ ساتھ اسے پوری امید تھی کہ وہ اچھے نمبروں سے کامیاب ہو جائے گی۔ حنا کی خالہ بھی حنا کی کامیابی کے لئے دعا کرتی تھی۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے کرم اور حنا کی محنت اور لگن پر بھروسہ تھا۔ وہ جیسے ہمت، کوشش اور محنت سے یہاں تک پہنچی تھی خدا اس کو مزید کامیابی بھی دے گا۔ حنا کی خالہ خود حنا کے لئے کچھ نہ کر سکتی تھی مگر انہوں نے ہر قدم پر حنا کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ اس کی ہمت بندھائی تھی۔ اسے حوصلہ دیا تھا۔

حنا کا دل دھڑک رہا تھا۔ جب رزلٹ کا پتہ چلا تو خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس نے بورڈ میں دوسری پوزیشن حاصل کی ہے۔ سب اسے مبارکباد دے رہے تھے۔ اس پوزیشن کے ساتھ اسے میڈل ملا اور بہت سے انعامات بھی۔ کالج کی پرنسپل نے بھی اسے مبارکباد دی اور کہا کہ "حنا تمہاری محنت رنگ لائی ہے۔ تم نے جس طرح حالات کا مقابلہ کیا اور محنت کی یہ صرف تمہاری ہمت تھی۔ ابھی تمہیں مزید محنت کی ضرورت ہے۔ تم ہمت نہ ہارنا انشاء اللہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ اور تم اپنا خواب پورا کر لو گی۔ اس کی تمام ٹیچرز نے بھی اسے مبارکباد دی۔ حنا کی کامیابی کی خبر سن کر خالہ اور مریم نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ حنا نے مریم سے کہا کہ "یہ سب آپ کی بدولت ہوا" مگر مریم نے کہا "نہیں! اگر تم محنتی نہ ہوتیں تو یہ کبھی ممکن نہ تھا" اور پھر حنا کو میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا۔ وہ یہاں بھی اپنی محنت اور لگن سے کامیابی حاصل کرتی رہی ایک دن ڈاکٹر بن کر وہاں سے فارغ ہو گئی حنا کو خدا نے اس کی خواہش پوری کرنے کا موقع دیا۔ آج وہ کامیاب ڈاکٹر ہے اور غریبوں کا مفت علاج کرتی ہے۔



روشنی

جہالت سے روشنی کی طرف سفر کی روداد......
اس شخص کا احوال جو منتخب لوگوں میں سے تھا

بنت مجاہد آمنہ امین

زندگی ہے کیا......؟ زندگی کا خاتمہ کیوں ہو جاتا ہے؟ موت کیا ہے؟ موت کیوں آتی ہے؟ موت کے بعد کیا ہوگا؟ کیا موت ہی بس فنا کا نام ہے؟ کیا موت کے بعد واقعی کوئی زندگی ہے؟ کیا زندگی کا سفر صرف اور صرف اتنا ہی مختصر ہے کہ موت آئی اور سب کچھ ختم ہو گیا؟ اور کیا میں مر جاؤں گا؟

نہیں نہیں...... میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ ہائے! موت کتنی ظالم ہے۔ وہ خود سے باتیں کر رہا تھا۔ اپنے آپ سے سوال پوچھ رہا تھا۔ اس کا ذہن الجھتا ہی الجھتا جا رہا تھا۔ زندگی میں شاید ہی وہ کبھی اتنی کشمکش کا شکار ہوا ہوگا جتنا تب تھا۔ ہسپتال میں داخل ہوئے اسے ابھی چند ہی دن ہوئے تھے۔ وہ بیمار تھا اس لئے زندگی میں پہلی دفعہ اسے موت کا تصور تنگ کر رہا تھا اور مرنے کے تصور نے اس کے ذہن پر ڈیرے ڈال لئے تھے۔ اسے شدید پریشانی اور حیرانی کا سامنا تھا کہ زندگی اتنی بے معنی ہرگز نہیں ہو سکتی ہے کہ موت کے بعد ختم ہو جائے۔ ضرور اسکے پیچھے کوئی بڑا مقصد پوشیدہ ہے۔ اف میں کس سے پوچھوں!! میرے سوالوں کا جواب کون دے گا۔ وہ اپنا سر پکڑ کر بڑبڑا رہا تھا اور واقعی اس وقت اس کے سوالوں کا جواب دینے والا وہاں کوئی نہ تھا۔ موت کے خوف کا اندھیرا اسے آہستہ آہستہ ڈھانپ رہا تھا اور اس وقت وہ اپنی زندگی سے بھی مایوس ہوتا جا رہا تھا۔

اسی پریشانی میں دن گزرتے گئے۔ وہ حیرت انگیز طور پر آہستہ آہستہ ٹھیک ہو گیا اور ہسپتال سے گھر منتقل ہو گیا جہاں معمول کی مصروفیات اس کی منتظر تھیں۔ اس نے اپنا گٹار سنبھالا اور پوری دلجمعی سے پاپ میوزک کی نئی دھن بنانے میں مصروف ہو گیا۔ وہ ایک مشہور پاپ سنگر بننا چاہتا تھا اس لئے اس نے سخت محنت بھی شروع کر دی تھی۔ وہ خود ہی گانے لکھتا اور گاتا تھا۔ یہی اسکا مشغلہ اور اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس کام کے علاوہ اسکا دوسرا کام بھی تھا۔ وہ ڈانس کی محفلوں میں جاتا' وقتی طور پر وہ ان چیزوں میں بہت سکون محسوس کرتا تھا یا شاید گناہوں نے اسے خودفریبی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ڈانس کلب میں اچھل کود کر کے وہ سمجھتا تھا کہ یہی زندگی ہے۔

رفتہ رفتہ اس نے محسوس کیا کہ اسے کسی چیز کی تلاش ہے۔ محفلیں اور ڈانس اسے وقتی سکون دیتے تھے لیکن اس کے بعد وہی الجھنیں اسکے ذہن کو تنگ کرتی تھیں۔ وہ زندگی کا مقصد ڈھونڈ رہا تھا۔

اس کا نام اور کام پھیلتا جا رہا تھا۔ وہ برطانیہ کے ایک مشہور پاپ سنگر کے طور پر ابھرا۔ لوگ اسے رشک سے دیکھتے تھے۔ بچہ بچہ اس کا دیوانہ تھا۔ شہروں' دیہاتوں میں بمشکل کوئی ایسا شخص ہوگا جو اسکو جانتا نہ ہو۔ لاکھوں کروڑوں کی جائیداد' شہرت' عزت ہر چیز اس کے پاس تھی۔ اس کے نئے البم "Tea For Tiller Man" نے مارکیٹ میں آتے ہی دھوم مچا دی جس کی وجہ سے بڑے بڑے لوگ حتیٰ کہ وزیراعظم اور دیگر وزراء بھی اس کے ساتھ تصویر بنوانے میں فخر محسوس کرتے تھے لیکن اسے کسی اور چیز کی تلاش تھی۔ ہاں برطانیہ کے مشہور و معروف پاپ سنگر کیٹ اسٹیونز (Kate Stevense) کو اللہ کی تلاش تھی۔

ایک دن اتفاق سے پھر کیٹ اسٹیونز کا موت سے سامنا ہوا۔ وہ برطانیہ کے ایک مہنگے ترین ساحلی علاقے کے سمندر میں سوئمنگ کر رہا تھا کہ سمندر کی لہریں اسے دور بہا لے گئیں۔ پھر موت اس کے سامنے تھی۔ خوف سے ہی اس کی جان نکل رہی تھی کہ اچانک اس کے منہ سے نکلا

''اے خدا! مجھے بچا لے' میں تیرے لئے کام کروں گا'' اور خدا نے اس کی سن بھی لی۔ اس کے بعد لہریں اسے ساحل تک چھوڑ گئیں۔ یہ اس کی زندگی کا ایک معجزہ تھا۔

اب کیٹ روحانیت کی طرف راغب ہو گیا۔ اس کے بھائی ڈیوڈ نے بھی اس کی پریشانی اور بے چینی کو محسوس کیا اور اس کیلئے کچھ کرنے کا سوچا۔

کیٹ نے روحانیت پر مبنی کئی گانے لکھے اور گائے۔

اس دوران اس کا بھائی ڈیوڈ یروشلم گیا۔ وہاں اس نے سوچا کہ کیٹ کیلئے کوئی ایسا تحفہ ضرور خریدا جائے جو منفرد ہو۔ کیٹ کے پاس تو کسی چیز کی کمی نہیں' اس کے دل میں خیال آیا۔ آخر ایک دکان سے ڈیوڈ کو قرآن پاک ملا تو اس نے قرآن پاک کا انگلش ترجمہ خرید لیا کہ اپنے بھائی کیٹ کو سماویہ مذاہب کے بارے میں بتائے۔

لندن واپس آ کر اس نے یہ تحفہ کیٹ کی نذر کیا۔

قرآن پاک لے کر کیٹ نے اس کا مطالعہ شروع کیا تو اس پر کائنات کے اسرار کھلتے ہی چلے گئے۔ اس کی عقل دنگ رہ گئی۔ جس چیز کی اسے تلاش تھی وہ اسے ملنے والی تھی۔

قرآن پاک کا ایک ایک حرف اس کے دل میں اترتا جا رہا تھا۔ قرآن پاک میں جو کچھ بھی ہے سب سچ ہے...... حقیقت ہے...... اس کا دل چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا اور جب اس نے سورۃ یوسف پڑھی تو پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ وہ منزل کے قریب

پہنچ چکا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک کیٹ قرآن پاک کا مطالعہ کرتا رہا' اسے سمجھتا رہا' اس دوران گانے لکھنے اور گانے کا عمل بھی جاری رہا۔ قرآن پاک کے مکمل مطالعے کے بعد حقیقت اس پر عیاں ہو چکی تھی۔ اب وہ مزید دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مسلمان ہونے کا سوچا اور فوراً شہر کی ایک نئی تعمیر شدہ مسجد میں جا پہنچا اور امام صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

لا اله الا الله محمد الرسول الله

(اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں)

اس کے دل نے گواہی دی اور وہ زبان سے بھی پکار اٹھا۔ سکون کی حلاوت اس کے دل میں اتر چکی تھی۔ کیٹ نے اپنی منزل پا لی تھی۔ اندھیروں کے نگر سے اب وہ روشنیوں کے شہر میں آ چکا تھا۔ اس نے اپنا اسلامی نام ''یوسف اسلام'' رکھا کیونکہ سورۃ یوسف پڑھ کر ہی وہ اسلام سے متاثر ہوا تھا۔

یوسف اسلام کی زندگی اک نیا رخ اختیار کر چکی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار تھا کہ اسے اسلام کی طرف رہنمائی ملی ہے۔

''اب میں اسلامی گانے گایا کروں گا'' اس نے پکا ارادہ کر لیا لیکن مسلمانوں سے اسے پتہ چلا کہ رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ میں آلات موسیقی توڑنے کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ یہ جان کر اس نے ہنسی خوشی اپنے میوزک کے آلات سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے منہ موڑ لیا۔

ڈسکو ڈانس اور ساری بری عادتوں کو چھوڑ دیا۔ وہ اللہ کے سامنے اپنی ماضی کی غیر اسلامی زندگی پر بہت شرمندہ تھا۔

نماز کو اس نے زندگی کا حصہ بنا لیا اور اللہ کی محبت کو خون میں بسا لیا تھا۔ قرآن پاک کو اس نے عربی میں سیکھا اور اسکی تلاوت کو معمول بنا لیا۔ یوسف اسلام کے مسلمان ہونے کی خبر مغربی لوگوں پر بجلی بن کر گری۔ مغربی ذرائع ابلاغ نے اس سے لاتعلقی اختیار کر لی۔

وہ بھائی ڈیوڈ جس نے خود اسے قرآن پاک لا کر دیا تھا' یوسف کے اسلام لانے پر اسے سب سے زیادہ غصہ آیا۔ اس کے والدین کو بہت دکھ ہوا کہ یوسف اسلام موسیقی کی دنیا کا بڑا نام ہے اس کی شناخت ختم ہو جائے گی۔ سب ہی اس سے خفا ہو گئے مگر یوسف اسلام حق پر ڈٹا رہا۔ وہ اسلام کیلئے بڑی سے بڑی مشکل کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار تھا۔

اس نے اسلام کے سنہری اصولوں پر عمل کرتے ہوئے اپنے غیر مسلم والدین کے حقوق ادا کیے۔ اس کی ماں کیلئے یوسف کا رویہ بڑا حیران کن تھا۔ اسلام لانے سے پہلے اسے اپنی ماں کی اتنی پروا نہیں تھی جتنی اسلام لانے کے بعد ہو گئی۔ وہ اپنی ماں کا مکمل خیال رکھتا' اسے توجہ دیتا' ہر وقت اس کی خدمت میں لگا رہتا۔ تب وہ اسلام سے متاثر ہو گئی اور یوسف کے کہنے پر اسلام قبول کر لیا لیکن ڈیوڈ کو قائل کرنا اتنا آسان نہ تھا' وہ اپنی زندگی میں مگن تھا۔

ادھر یوسف اسلام کا باپ بہت بیمار ہو گیا۔ یوسف نے اسکی بھی بہت خدمت کی۔ اسلام کا پیغام اسے سنایا اور اسے مسلمان ہونے پر آمادہ کیا۔ باپ پر اسلام کی حقانیت عیاں ہو چکی تھی اس لئے اس نے بھی اسلام قبول کر لیا اور مسلمان ہونے کے دو دن بعد ہی اس کی موت واقع ہو گئی۔ یوسف اسلام اس بات پر بہت شاداں تھا کہ اس کے باپ نے مرنے سے پہلے اسلام قبول کر لیا ہے اور وہ ایک مسلمان کی موت مرا ہے۔ ڈیوڈ پر یوسف اسلام نے بہت محنت کی اور آخر ایک دن اس کی محنت رنگ لائی جب ڈیوڈ نے بھی اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ ڈیوڈ کے مسلمان ہونے کی یوسف کو سب سے زیادہ خوشی ہوئی۔ یوں اس کا سارا خاندان مسلمان ہو گیا۔

یہودیوں نے اسلام دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی طرف سے اس پر ترقی کے تمام دروازے بند کر دیئے لیکن مومن کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترقی کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے اس لئے یوسف کو کسی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اس نے ایک باپردہ مسلمان خاتون سے شادی کی اور اپنے آپ کو اسلام کیلئے وقف کر دیا۔

یوسف اسلام نے اپنے دوستوں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کیلئے زیادہ سے زیادہ کام کرنے کی تڑپ اس کے دل میں پیدا ہو چکی ہے۔ اس نے اپنا ایک اسلامی سکول کھولا تاکہ لندن میں مسلمانوں کے بچوں کی اسلامی تربیت کا خاطر خواہ انتظام ہو سکے۔ یہ اس کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اب وہ برطانیہ میں پچاس سے زائد اسلامی سکولوں کا نگران اور سرپرست ہے۔ یوسف اسلام کو جہاد سے بہت دلچسپی ہے۔ اس نے دنیا کے مصیبت زدہ مسلمانوں کی مدد کیلئے ''مسلم ایڈ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ تب مغربی اخبارات نے اس کے خلاف زہر اگلا کہ ''یوسف اسلام مجاہدین کو اسلحہ کی فراہمی کے کام میں ملوث ہے''۔ یوسف نے اخبار کے خلاف مقدمہ کیا اور وہ یہ مقدمہ جیت بھی گیا۔ الحمدللہ اب اس کا یہ خیراتی ادارہ کامیابی سے چل رہا ہے۔

یوسف اسلام افغانستان بھی گیا۔ اس نے افغانستان کے بارے میں ایک گیت لکھا ہے۔ نعتیہ شاعری پر مشتمل اس نے ایک کیسٹ بھی تیار کی ہے۔ یوسف خصوصی طور پر بچوں کیلئے لکھنا اور گانا چاہتا ہے۔ ''تجلیات الامہ'' کے نام سے سٹوڈیو قائم کرنے کا یوسف کا پکا ارادہ ہے۔

غرض یوسف نے لندن میں اسلام کے پرچم کو بلند کیا ہے۔ اس کا کام بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ کتنی خوشی کی بات ہے کہ کیٹ اسٹیونز اب یوسف اسلام ہے۔ اسلامی افق پر چمکتا ہوا درخشاں ستارہ ...... ایک مرد مومن۔

بقیہ: پاک بھارت کرکٹ

ٹیسٹ میچ کھیلے مگر یہ تمام میچ بھی برابر رہے۔

1978-79 ء بھارت کا دورہ پاکستان

1978-79 ء میں بھارت کی کرکٹ ٹیم پاکستان میں تین ٹیسٹ میچوں کی سیریز کھیلنے آئی اور یہ پہلا موقع تھا کہ پاکستان نے بھارت کے خلاف ٹیسٹ سیریز جیتی تھی اس سیریز میں پاکستان نے دو اور بھارت نے کوئی ٹیسٹ نہیں جیتا تیسرا ٹیسٹ برابر ہو گیا۔

1978-79 ء پاکستان کا دورہ بھارت

پاکستانی ٹیم نے بھارت کا جوابی دورہ اسی سال کیا اور اس سیریز میں پاکستان نے بھارت کے خلاف چھ ٹیسٹ کھیلے۔ بھارت نے دو ٹیسٹ جیت کر اور چار برابر کھیل کر یہ سیریز جیت لی۔

1982-83 ء بھارت کا دورہ پاکستان

بھارتی کرکٹ ٹیم پاکستان کے دورے کے دوران چھ ٹیسٹ کھیلنے کے لئے آئی اس سیریز میں بھی پاکستان کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس سیریز میں پاکستان نے تین اور بھارت نے کوئی ٹیسٹ نہ جیتا جبکہ تین ٹیسٹ برابر ہو گئے۔

1984-85 ء بھارت کا دورہ پاکستان

اس سیریز میں دو میچ کھیلے جا چکے تھے کہ بھارت کی وزیراعظم اندرا گاندھی کو قتل کر دیا گیا اور بھارتی کرکٹ ٹیم اپنا دورہ ادھورا چھوڑ کر واپس چلی گئی اور یہ ٹیسٹ بھی برابر ہو گئی۔

1986-87 ء پاکستان کا دورہ بھارت

اس سیریز میں پاکستان نے ایک ٹیسٹ جیتا اور چار ٹیسٹ برابر رہے اس طرح پاکستان نے پہلی بار بھارت کی سرزمین پر سیریز جیتی۔

1989-90 ء بھارت کا دورہ پاکستان

اس سیریز میں بھارت چار ٹیسٹ میچوں کی سیریز کھیلنے پاکستان آئی اور چاروں ٹیسٹ برابر ہو گئے اس طرح یہ سیریز بھی برابر رہی۔

1998-99 پاکستان کا دورہ بھارت

اس سیریز میں پاکستان نے بھارت میں دو ٹیسٹ کھیلے ایک جیتا اور ایک ہارا اور یوں یہ سیریز برابر رہی۔

دونوں ٹیموں کے درمیان **1989-99** ء میں ایشاء ٹیسٹ چیمپئن شپ کا آخری ٹیسٹ میچ کھیلا گیا جو پاکستان نے جیت لیا۔ پاکستان بھارت کے درمیان کھیلی جانے والی بارہ ٹیسٹ سیریز میں سب سے زیادہ سنچریاں ظہیر عباس اور مدثر نذر نے بنائیں۔ ظہیر اور مدثر نے چھ چھ سنچریاں بنائیں جبکہ کچھ دوسرے ریکارڈ درج ذیل ہیں۔

1۔ مدثر نذر نے **1992-93** میں حیدر آباد میں **231** رنز بھارت کیخلاف بنائے۔

2۔ ظہیر عباس نے **1982-83** ء میں لاہور میں **215** رنز بھارت کیخلاف بنائے۔

3۔ سب سے طویل اننگز جاوید میاں داد (موجودہ پاکستان ٹیم کے کوچ) نے **1982-83** ء میں حیدر آباد (پاکستان) میں **280** رنز ناٹ آوٹ بنائے۔

4۔ قاسم عمر نے **1984-85** ء میں فیصل آباد کے پانچ روزہ میچ میں **210** رنز بنائے۔

5۔ شعیب محمد نے **1989-90** میں لاہور ٹیسٹ میں **203** رنز بنائے۔

2004 ء کی پاک بھارت کرکٹ سیریز کو پاکستان کرکٹ بورڈ نے عمران خان کپل دیو ٹرافی سے موسوم کیا ہے بورڈ نے کرکٹ کے دونوں لیجنڈ آل راونڈر کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے یہ نام دیا ہے۔ بھارتی کرکٹ ٹیم اپریل میں لاہور میں دوسرا ٹیسٹ میچ اور راولپنڈی میں تیسرا ٹیسٹ میچ کھیلے گی۔

پاک بھارت کرکٹ سیریز

محمد سہیل قیصر ہاشمی

برصغیر پاک وہند اور جنوب مشرقی ایشیاء میں کرکٹ اور کرکٹ کے شائقین اپنی مثال آپ ہیں یہی وجہ ہے کہ اس خطے کے تین ممالک پاکستان ۔ بھارت اور سری لنکا ورلڈ چمپئن رہ چکے ہیں اور تینوں ٹیمیں آج بھی دنیا میں سخت حریف ثابت ہوتی ہیں مگر بھارت اور پاکستان کے درمیان ہونے والے کرکٹ میچ ہمیشہ جوش وخروش سے بھرپور ہوتے ہیں اور تماشائی پاک بھارت میچوں کا شدت سے انتظار کرتے ہیں۔

بھارتی کرکٹ ٹیم اپنے تاریخی دورہ پاکستان کے سلسلہ میں دس مارچ 2004ء کو پاکستان پہنچی۔ اس دورے میں بھارتی کرکٹ ٹیم تین ٹیسٹ اور پانچ ایک روزہ انٹرنیشنل میچ کھیلے۔ بھارتی ٹیم کا یہ دورہ دس مارچ 2004ء سے 18 اپریل 2004ء تک ہوگا۔

بھارتی کرکٹ ٹیم پندرہ سال بعد آئی ہے آنیوالی ٹیم میں اس وقت صرف سچن ٹنڈولکر واحد بھارتی کھلاڑی ہیں جو پاکستان کے خلاف پاکستان میں ٹیسٹ کھیل چکے ہیں انہوں نے 1989ء میں پاکستان میں پاکستان کے خلاف کھیل کر اپنی پروفیشنل (پیشہ ورانہ) کرکٹ کا آغاز کیا۔ پاکستان کرکٹ بورڈ نے بھارتی ٹیم کو دورے کے دوران سات ایک روزہ اور تین ٹیسٹ میچ کھیلنے کی دعوت دی تھی۔ مگر بھارت نے اسے منظور نہ کیا۔

2000ء کے شارجہ کپ کے بعد بھارتی حکومت نے اپنی ٹیم کو پاکستان کے خلاف میچ کھیلنے سے روک دیا تھا۔ بھارتی کرکٹ ٹیم نے آخری بار 1989ء میں سری کانت کی قیادت میں پاکستان کا دورہ کیا تھا۔ جبکہ پاکستان نے 1999ء میں بھارت کا دورہ کیا تھا یاد رہے کہ پاکستان نے 1952-53ء میں بھارت ہی کے خلاف سیریز کھیل کر ٹیسٹ کرکٹ کی دنیا میں قدم رکھا تھا

پاکستان اور بھارت کے درمیان اب تک مجموعی طور پر بارہ سیریز کھیلی جا چکی ہیں۔ جن میں سے پاکستان نے چار اور بھارت نے دو میں کامیابی حاصل کی جبکہ چھ سیریز کا نتیجہ برآمد نہ ہوا اس طرح دونوں ممالک کے درمیان 47 ٹیسٹ میچ کھیلے گئے جن میں سے پاکستان نے نو اور بھارت نے پانچ جیتے 33 برابر رہے۔ ذیل میں ہم ان سیریز کے بارے میں بتائیں گے۔

1952-53 پاکستان کا دورہ بھارت

اپنے پہلے غیر ملکی دورے میں پاکستان نے 1952-53 میں جب بھارت کا دورہ کیا تو پانچ میچ کھیلے گئے ان میں سے بھارت نے دو اور پاکستان نے ایک میچ جیتا اس طرح یہ سیریز بھارت نے دو ایک سے جیت لی۔

1954-55 بھارت کا دورہ پاکستان

1954-55ء میں بھارت نے پاکستان کا جوابی دورہ کیا اور اس دورے میں بھی پانچ ٹیسٹ میچوں کی سیریز کھیلی گئی مگر یہ پانچ کے پانچ ٹیسٹ برابر رہے اور یہ سیریز برابر رہی۔

1960-61ء پاکستان کا دورہ بھارت

1960-61ء کے دورہ بھارت میں پاکستانی ٹیم نے پانچ

باقی صفحہ نمبر 53..... پر



بھارتی ٹیم 15 سال بعد پاکستان آئی ہے



پاک بھارت کرکٹ میچوں میں تماشائیوں کا جوش وخروش دیدنی ہوتا ہے





میٹھے جوتے

عصمت چغتائی

ننھے بھائی بالکل ننھے نہیں۔ سب سے قدآور اور سوائے آپا کے سب سے بڑے ہیں۔ تقسیم کے بعد سے تو ننھے بھائی پاکستان گئے۔ جانے سے پہلے ہی کئی سال سے ان سے کسی نہ کسی وجہ سے ملنا نہ ہو سکا۔ وہ آگرہ میں رہتے تھے اور ہم لکھنو کے بورڈنگ میں چھٹیوں میں بھی وہ کہیں ہم کہیں۔ آج ان سے ملے بیس برس ہونے کو آئے۔ نہ جانے وہ کتنے بدل گئے ہوں گے۔ مگر مجھے تو وہی ننھے بھائی ہمیشہ یاد رہیں گے جو بہت لاڈ کرتے تھے۔ بہت ستاتے تھے اور کبھی کبھی ٹھکائی بھی کر دیتے تھے۔

مگر ٹھکائی سے زیادہ جو بات جلاتی تھی وہ بے وقوف بنانے کی عادت تھی' آئے دن وہ ہم لوگوں کو الو بنایا کرتے تھے۔ ایک دن کہنے لگے ''چمڑہ کھاؤ گی۔''؟

ہم نے کہا ''نہیں' تھو' ہم تو چمڑہ نہیں کھاتے''۔

''مت کھاؤ'' یہ کہہ کر چمڑے کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھ لیا اور مزے سے کھانے لگے۔

اب تو ہم بڑے چکرائے۔ ڈرتے ڈرتے ذرا سا چمڑہ لے کر ہم نے زبان لگائی۔ ارے واہ' کیا مزیدار چمڑہ تھا۔ کھٹا میٹھا!

''اور دو ننھے بھائی''

''بس بھئی اب ختم ہو گیا''۔

''کہاں سے لائے تھے ننھے بھائی؟''

''ہمارا جوتا پرانا ہو گیا تھا' وہی کاٹ ڈالا''۔

بھئی حد ہے' یعنی جوتا' اتنا مزے دار ہوتا ہے! اپن کو خبر ہی نہیں تھی''۔ جھٹ ہم نے اپنا جوتا چکھنے کی کوشش کی۔ اخ تھو! توبہ...... مارے سڑاند کے ناک اڑ گئی!

ارے بے وقوف تمہارے جوتے کا چمڑہ اچھا نہیں ہے۔ آپا کی جو نئی گرگابی ہے نا' اسے کاٹو تو اندر سے میٹھا میٹھا چمڑہ نکلے گا؟''۔ ننھے بھائی نے رائے دی۔

اور بس۔ اس دن سے ہم آپا کی نئی گرگابی کی تاک میں لگ گئے۔ مگر آپا کی نئی گرگابی سخت لاڈلی تھی۔ کبھی مہمان آتے یا آپا محرم کے تازیے دیکھنے حکیموں کی گلی جاتیں' تب بڑے اہتمام سے گرگابی نکالی جاتی۔ ہماری فراک سے' چاہے وہ دھلی صفا کیوں نہ ہو' اس کا منہ چمکایا جاتا۔ گلابی موزے چڑھتے۔ ان پر وہ نازنین گرگابی پہنی جاتی۔ اسے پہن کر آپا یوں پھدک پھدک چلتیں جیسے پیروں میں پر لگ گئے ہوں۔

تو بس اس دن سے ہم نے گرگابی کو گلاب جامن سمجھ کر اسے تاڑنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی منہ میں پانی بھر آتا۔ اف وہ کھٹ مٹھی گرگابی' جس پر نیلے ساٹن کا پھندنا سجا تھا' بالکل چاکلیٹ کے کیک کی طرح ہمارے دل پر چھریاں چلاتی۔

عید کا دن تھا' آپا اپنی حسین اور مہہ جبین گرگابی پہنے' پائنچے پھڑکاتی' سویاں بانٹ رہی تھیں۔ ہم ان کے پیروں کو ایسے گھور رہے تھے جیسے بلی ترمال چوہے کو گھورتی ہے۔

ہماری نظر تو شاید چوک جاتی' ننھے بھائی کی نظر بھلا کیوں بخشتی۔ انہیں اس گرگابی سے سخت بیر تھا کیونکہ انہیں جوتا نہیں دلایا گیا تھا اور آپا کو گرگابی دلا دی گئی تھی۔ آپا ظہر کی نماز پڑھنے جونہی کھڑی ہوئیں۔ ننھے بھائی نے ہمیں اشارہ کیا۔

'اب موقع ہے۔ آپا نیت توڑ نہیں سکیں گی۔ بس''

مگر کاٹیں کاہے سے؟'' ہم نے پوچھا۔

آپا کی صندوقچی میں سلمہ ستارہ کاٹنے کی جو قینچی ہے' وہ نکال لاؤ۔

ہم نے جونہی گرگابی کا بھورا ملائم چمڑہ نکال کر منہ میں رکھا ہمارے سر پر دو سو چپلیں جھپٹ پڑیں۔ پہلے تو آپا نے ہماری خوب مرمت کی۔ پھر پوچھا ''مردار یہ کیا کر رہی ہے؟''

''کھا رہے ہیں''۔ ہم نے نہایت مسکین صورت بنا کر بتایا۔ یہ کہنا تھا کہ سارا گھر ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا۔

''پاگل ہو گئی ہے۔''

''بے وقوف' گندی''۔

''یہ اسے کیا ہو گیا ہے۔؟''

''اری جوتا کیوں کھا رہی تھی نیک بخت؟'' ہماری تکا بوٹی ہو ہی رہی تھی کہ ابا میاں آ گئے۔ مجسٹریٹ تھے' فوراً مقدمہ' معہ مجرمہ اور مقتول گرگابی کے' روتی پیٹتی آپا نے پیش کیا۔ وہ ابا میاں جو بڑے سے بڑے مقدموں کا چٹکیوں میں فیصلہ کر دیتے تھے' حیران رہ گئے۔ کبھی ہمیں دیکھتے' کبھی مقتول جوتے کو اور پھر گہری سوچ میں پڑ جاتے۔

ادھر ننھے بھائی مارے ہنسی کے قلابازیاں کھا رہے تھے' ابا میاں نے عینک کے اوپر سے ہمیں دیکھا' نہایت غمگین آواز میں بولے۔

''سچ بتاؤ جوتا کھا رہی تھیں۔؟''

''جی ہاں'' ہم نے روتے ہوئے اقبال کیا۔

''کیوں؟''

''میٹھا ہوتا ہے''۔

''جوتا میٹھا ہوتا ہے؟''

''جی ہاں'' ہم پھر رینکے۔

''یہ کیا بک رہی ہے بیگم؟'' انہوں نے فکر مند ہو کر اماں کی طرف دیکھا۔ اماں بسورنے لگیں'' یا خدا ایک تو لڑکی ذات' دوسرے جوتے کھانے کا چسکہ پڑ گیا تو نامراد کون قبولے گا''۔

ہم نے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ ''سچی بھئی چمڑہ بہت میٹھا ہوتا ہے۔ ننھے بھائی نے ہمیں ایک دن کھلایا تھا'' مگر کون سنتا تھا۔

''جھوٹی ہے گدھی'' ننھے بھائی صاف مکر گئے۔ بھلا میں اسے چمڑہ کیسے کھلا سکتا ہوں۔ چمڑہ کوئی کیسے کھا سکتا ہے''۔

اور بہت دنوں تک یہ معمہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ خود ہماری عقل گم تھی کہ یہ ننھے بھائی کے جوتے کا چمڑہ کیسا تھا جو اتنا لذیذ تھا۔

اور پھر ایک دن خالہ بی بریلی سے آئیں بقچیہ کھول کر انہوں نے پتوں میں لپیٹا چمڑہ نکالا سب کو بانٹا۔ سب نے مزے مزے سے کھایا اور ہم کبھی انہیں دیکھتے' کبھی چمڑے کے ٹکڑے کو اور پھر ان تمام جوتوں کو یاد کرتے جو آپا کی گرگابی کھانے کی کوشش میں پڑے تھے۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ جسے ہم چمڑہ سمجھتے تھے' وہ آم رس تھا۔ جسے آم کا پاپڑ بھی کہتے ہیں اور کسی ظالم نے آم کے رس کو سکھا کر لال چمڑے کی شکل کی یہ ناہنجار مٹھائی بنا کر ہمیں جوتے کھلوائے۔

بقیہ: شکاریات

دوسرے کنارے پر ایک گینڈا دیکھا جو انہیں دیکھ کر اپنا سر بلند کر کے اور کان پیچھے کی سمت موڑ کر زور زور سے زمین پر پاؤں مارنے کے شغل میں مصروف ہو گیا تھا۔ بابر اور اس کے ہمراہیوں نے اپنی کمانیں اٹھائیں اور تیر چڑھا کر ایک ساتھ گینڈے پر پھینکے تین تیر گینڈے کے پہلو پر لگے اور کند ہو کر کچھ فاصلہ پر جا گرے۔ جیسے کسی آہنی دیوار سے ٹکرا کر بے کار ہو گئے ہیں۔ لیکن چوتھا تیر جو بابر نے چلایا تھا اور جسے پوری قوت اور فنکارانہ چابکدستی سے نشانہ باندھ کر پھینکا گیا تھا۔ گینڈے کے دائیں کان کے قریب لگ کر کھال میں اٹک گیا تھا۔

گینڈے نے اپنے جسم میں اٹکے ہوئے تیر کی تکلیف محسوس کی تو انتہائی غضبناک ہو کر ایک لمبی جست لی۔ اس طرف چاروں سوار کمانوں میں تیر چڑھا کر تیار تھے۔ گینڈے نے جونہی جست بھری۔ سب نے ایک ساتھ دوبارہ تیر پھینکے۔ اس بار بھی صرف بابر کا تیر پہلے تیر کے بالکل قریب اٹک کر رہ گیا اور باقی تیر کند ہو کر گر پڑے۔ گینڈے کو اس دوسرے تیر کی تکلیف نے پہلے سے بھی زیادہ مشتعل کر دیا۔ وہ اس قدر برق رفتاری سے آگے بڑھا کہ اپنے قریبی سوار کے گھوڑے کے پہلو میں سینگ مارنے میں کامیاب ہو گیا۔ سوار کو اتنی بھی مہلت نہ ملی کہ اپنے گھوڑے کو دوڑا کر زد سے نکل جاتا۔ گینڈے نے گھوڑے کو زخمی کر دیا تو گھوڑا اچھلا۔ فوراً ہی گینڈے نے گھوڑے کو سوار سمیت سینگ میں اٹھا کر اوپر اچھال دیا۔ بابر کے سردار فوج نے جو اس گھوڑے پر سوار تھا اپنے ہوش و حواس برقرار رکھے اور ایک درخت کی شاخ جو آگے جھکی ہوئی تھی وہ اتفاق سے اس کے ہاتھ آ گئی۔ سردار تھوڑی سی زور آزمائی کے بعد درخت پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اس لئے اس کی جان بچ گئی۔

گینڈے نے بلا تاخیر دوسرے گھوڑے پر حملہ کر دیا۔ اس کے سوار چاہا کہ گینڈے پر حملہ کرے مگر اس کا گھوڑا اس قدر خوفزدہ ہو چکا تھا کہ اس نے بھاگنے ہی میں اپنی خیر سمجھی۔ تیسرے سوار کا گھوڑا بھی اپنے ہمراہی گھوڑے کے نقش قدم پر چلتا ہوا بھاگ اٹھا۔ دونوں گھوڑے اپنے سواروں کو ان کی مرضی کے خلاف جنگل میں لے بھاگے' جنگل کی یہ راہ ٹوٹی پھوٹی اور تنگ تھی اور اسے دونوں طرف سے اوپر پھیلی ہوئی ٹہنیوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ دونوں سوار بار بار ٹہنیوں سے الجھے تو اپنا توازن قائم نہ رکھ سکے اور زمین پر آ گرے۔

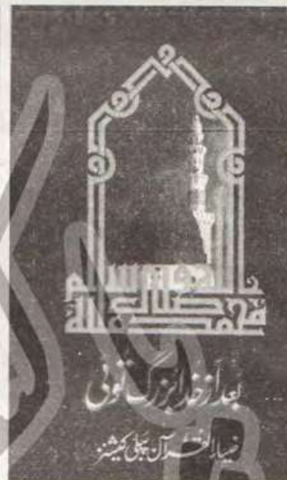
ظہیر الدین بابر نے صورت حال کا جائزہ لیا تو گھوڑے سے چھلانگ لگا کر اترا۔ فوراً ہی اس کا گھوڑا بھی جنگل کی طرف بھاگ نکلا۔ یقیناً وہ بھی کافی خوفزدہ تھا لیکن اپنے سوار کی مرضی کے خلاف جنگل کی طرف بھاگنا نہیں چاہتا تھا۔ بابر نے دیکھا کہ گینڈا اس کے ہمراہیوں کا تعاقب کر رہا ہے۔ بابر نے تاک کر تیر پھینکا جو گینڈے کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ گینڈا اس ناگہانی حملے سے بوکھلا کر رکا اور تعاقب چھوڑ کر بابر کی طرف پلٹا۔ اس دوران بابر نے دوسرا تیر پھینکا جو خالی گیا۔ اب گینڈا پوری قوت صرف کر کے بابر کی طرف دوڑا۔ بابر نے ایک بڑے درخت کے تنے کی آڑ میں پناہ لی۔ گینڈا غیض و غضب میں بھرا ہوا درخت کے قریب پہنچا اور اتنے زور سے درخت میں ٹکر ماری کہ اس کا ایک سینگ کچھ دیر کے لئے درخت کے تنے میں اٹک کر رہ گیا یہ بڑا نازک وقت تھا۔ گینڈے کی آنکھیں غصہ سے سرخ انگارہ بن چکی تھی۔ بابر نے اپنی کمان میں تیر چڑھایا اور پھینکا۔ تیر جو گینڈے کی دائیں آنکھ میں لگا اور آنکھ کی راہ مغز تک پہنچ گیا۔ گینڈے کی طاقت جواب دینے لگی اور وہ درد و کرب سے تڑپتے ہوئے زمین پر گر کر مر گیا۔ اور ظہیر الدین بابر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ گوالیار کی طرف روانہ ہو گیا۔



پھول کتاب گھر

تبصرے کے لئے دو جلدوں کا آنا ضروری ہے

اچھی کتابوں کا انتخاب بچوں اور والدین کیلئے ایک مسئلہ ہوتا ہے ہم آپ کی مشکل آسان کئے دیتے ہیں۔ ہم ہر ماہ آپ کے لئے بہترین کتابوں کا انتخاب پیش کریں گے۔





نام کتاب...... "مغرب" سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
تالیف...... محترمہ مظفر حلیم۔ ترجمہ...... غازی محمد اسحاق

قیمت...... 150 روپے (خاص ایڈیشن)۔ 100 روپے۔ (عام ایڈیشن)
ناشر...... صفہ پبلشرز 19 اے ایبٹ روڈ لاہور فون نمبر 6307269

یوں تو سورج مشرق سے نکلتا ہے لیکن گزشتہ چند عشروں سے امریکہ اور مغرب میں اسلام کی روشنی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اسی لئے اسے "مغرب" سے ابھرتے ہوئے سورج سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مظفر حلیم کی تالیف (The Sun is Rising in the West) کا اردو ترجمہ ہے۔ جس میں مختلف رنگ ونسل کے ایسے نومسلم امریکیوں کے قبول اسلام کے تذکرے ہیں جن سے مولفہ کا ذاتی رابطہ رہا یہ تمام افراد حقیقت کے متلاشی تھے اور اسی چیز نے انہیں مضطرب رکھا مگر جب انہیں اسلام میں اپنے ہر سوال کا خاطر خواہ جواب مل گیا تو انہوں نے اسلام قبول کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا اس کتاب میں ان نومسلموں کی ان مشکلات ومصائب کا بھی ذکر ہے جن کا اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے خاندان یا معاشرے کی طرف سے ان کو سامنا کرنا پڑا۔ ایمان تازہ کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ سودمند ہوگا۔

نام کتاب...... چغتائی انسائیکلوپیڈیا۔ مصنف...... مقصود احمد چغتائی۔ قیمت...... 86 روپے
ناشر...... ولید پبلشرز 394 بلاک G/4 جوہر ٹاؤن لاہور

مقصود احمد چغتائی بنک آفیسر ہیں لیکن ان کے شوق ان کے پیشے سے میل نہیں کھاتے سکاؤٹنگ اور سیاحت دونوں کے لئے خاصا وقت درکار ہوتا ہے لیکن مقصود چغتائی نہ صرف ان دونوں کے لئے وقت نکالتے ہیں بلکہ سیاحت کے بعد سفرنامے بھی لکھتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ لوگ سفر کریں اور اس کیلئے وہ نہایت آسان اور مفید نسخے بتاتے ہیں۔ زیر نظر کتاب مقصود احمد چغتائی کی ذاتی زندگی کے حوالے سے ہے۔ اس کتاب میں ان کے بارے میں ڈاکٹر مسکین حجازی' چیف جسٹس (ر) نسیم حسن شاہ' احمد ندیم قاسمی' امجد اسلام امجد' فاطمہ ثریا بجیا' رمیض حسین ... کشور ناہید' نواب زادہ نصر اللہ خان' بے نظیر بھٹو' ایس ایم ظفر' وغیرہ کی آرا شامل ہیں اسی سے اندازہ لگا ... چغتائی صاحب کی شخصیت کتنی ہمہ جہت ہے۔

نام کتاب...... مارکو پولو کے دیس میں۔ مصنف...... چودھری شہزاد۔ قیمت...... 90 روپے
ناشر...... ... پبلیکیشنز کمرہ نمبر 13 تیسری منزل راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

چودھری شہزاد بامقصد اور معلوماتی سفرنامہ نگاری میں ایک منفرد اور امتیازی مقام کے حامل ہیں۔ وہ ایک کاشتکار ہیں پھلوں اور پھولوں کی پیداوار کرتے ہیں ان کے سفرنامے جہاں مختلف ممالک کی ثقافت اور حالات سے آگاہی دیتے ہیں وہاں ان کے سفرناموں میں ہم وطنوں کے لئے لمحہ فکریہ بھی ہوتا ہے کہ جس طرح دوسرے ملکوں نے ترقی کی ہے ہم کیوں نہیں کر سکے حالانکہ قدرت نے ہمیں ہر طرح کے وسائل اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ بقول علی سفیان آفاقی' ان کے سفرنامے بے مقصد اور بے معنی نہیں ہیں ارفع مقاصد اور معانی کے حامل ہیں۔ آپ ان کی انگلی تھام کر دنیا بھر کے رنگ برنگے حسین مناظر کا نظارہ کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ زیر نظر کتاب فرانس' اٹلی' بیلجیئم' سپین اور دبئی کے سفرنامے پر مشتمل ہے۔

نام کتاب...... بعد از خدا بزرگ توئی۔ مصنف...... سجاد احمد قریشی۔ قیمت...... 75 روپے
ناشر...... ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور فون نمبر 7221953

حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر صدیوں سے لکھا جارہا ہے اور قیامت تک لکھا جائے گا لیکن پھر بھی اس موضوع کا مکمل احاطہ نہیں ہو پارہا۔ سیرت نبوی ﷺ کے نئے نئے پہلو سامنے آتے ہیں اور ہر پہلو اپنے اندر لامحدود وسعت اور گہرائی رکھتا ہے۔ مذکورہ کتاب میں مصنف نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت وصفات کو قرآن مجید کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ خاص طور پر آپ ﷺ کی ختم نبوت کے حوالے سے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ 34 عنوانات کے تحت سیرت طیبہ کے اہم پہلوؤں پر قرآنی دلائل واتمثال سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب سلیس انداز میں تحریر کی گئی ہے تاکہ عام سمجھ بوجھ کے حامل افراد بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

نام کتاب...... آئمہ اہل بیتؓ۔ مصنف...... پروفیسر خالد پرویز۔ قیمت...... 275 روپے
ناشر...... بیکن بکس قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور فون نمبر 7351662

لیجئے پروفیسر خالد پرویز صاحب کی ایک اور کتاب منظر عام پر آئی۔ کتابیں تو دو آئی ہیں لیکن تبصرہ فی الحال ایک پر کیا جارہا ہے دوسری کتاب پر آئندہ سہی۔ زیر نظر کتاب میں اہل بیت اطہار کے بارہ اماموں کا تذکرہ موجود ہے ان میں حضرت علیؓ حضرت امام حسنؓ حضرت امام حسینؓ حضرت امام زین العابدینؒ حضرت امام محمد باقرؒ حضرت امام جعفر صادقؒ حضرت امام موسیٰ کاظمؒ حضرت امام علی رضاؒ حضرت امام محمد تقیؒ حضرت امام حسن نقیؒ حضرت امام حسن عسکریؒ اور حضرت امام مہدیؒ شامل ہیں۔ اس کتاب میں ان بارہ اماموں کے حالات زندگی اور صفات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں حضرت امام مہدیؒ کا ظہور ہونا ہے۔ امام مہدیؒ کے حوالے سے کچھ احادیث اور روایات ہیں جن کے مطابق قیامت کے نزدیک آپؒ کا ظہور ہوگا اور آپؒ دنیا میں عدل و انصاف قائم کر دیں گے اور حضرت عیسیٰ آپؒ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔ اہل بیت عظامؓ سے عقیدت ومحبت چونکہ ہر مسلمان کی زندگی کا بنیادی مرکز محور ہے۔ اس لئے اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے سکون قلب وذہن کا باعث ہوگا۔







اے حمید

قصہ تیسرے درویش کا

تیسرے درویش نے ماچس سلگا کر سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا:۔

''میرے بھائیو اور سائبانو! میرا قصہ ایک ایسے شہر سے شروع ہوتا ہے جہاں پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک ایسے ہوائی جہاز میں سفر کر رہا ہوں جو پانی پر چلتا ہے۔ اس شہر کا نام کچھ عجیب سا ہے۔ مجھے اگر یاد نہیں رہا تو غالباً اس کا نام شہر یار تھا۔ وہ کسی کا یار نہیں تھا پہلے جب میں اسٹیشن پر اترا اور ایک بنچ پر بیٹھنے لگا تو میں نے دیکھا کہ بنچ پر لکھا تھا۔ رنگ گیلا نہیں ہے۔

اور جب میں وہاں سے بیٹھنے کے بعد اٹھا تو سارا روغن میرے کپڑوں سے چپک گیا تھا۔ میرے پاس ایک اور بنچ پر ''رنگ گیلا ہے'' لکھا تھا۔ وہاں سے کچھ لوگ اٹھے تو ان کے کپڑے بالکل صاف تھے۔ میں نے سوچا کہ یا الٰہی کیا شہر ہے؟ جس کا پلیٹ فارم ایسا ہے وہ خود کیا ہوگا؟ ابھی میں پلیٹ فارم پر ہی تھا کہ ایک آدمی پلیٹ میں سفید فارم رکھے میری طرف بڑھا اور بولا:۔

''اسے بھر دیجئے۔'' میں نے پوچھا: ''کیوں'' اس نے کہا:

''یہ فارم ہر اجنبی کو شہر میں داخل ہونے سے پہلے بھرنا پڑتا ہے۔''

بھائیو! میں نے فارم لے کر پڑھا تو اس میں چند ایک سوالات تھے وہ سوالات یہ ہیں:۔

☆......آپ اس شہر میں کیوں آئے ہیں؟۔

☆......راستے میں آپ کو کوئی ایسا شہر نہیں ملا جہاں آپ اتر سکتے؟۔

☆......آپ شادی شدہ ہیں یا کنوارے شدہ؟۔

☆......آپ نے کبھی چوری کی ہے؟۔

☆......کیا آپ گنجے ہیں؟۔ اگر ہیں تو ناخن مت کٹوایئے۔

☆...... جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کی عمر کیا تھی؟۔ وغیرہ وغیرہ۔

خانہ پری کے بعد میں نے دیکھا کہ جس دفتر میں کام ہو رہا تھا اس کے باہر ویٹنگ روم لکھا تھا اور جہاں لوگ انتظار کر رہے تھے۔ اس کے باہر سامان رکھنے کا کمرہ لکھا تھا۔ باتھ روم میں شرفاء کیلئے کھانا پک رہا تھا اور شرفاء کے کھانے کے کمرے میں قلی نہار ہے تھے۔ بک سٹال پر میرٹھ کی قینچیاں اور الوؤں کے ہرے بھرے پٹھے بک رہے تھے لوگ ریل کی پٹڑیوں پر چل رہے تھے اور ذرا دور ریل آتی دیکھ کر جمعدار پھاٹک کھول رہا تھا تا کہ لوگ آ جا سکیں۔ میں ڈرتے ڈرتے شہر میں داخل ہوا۔ سڑک پر آتے ہی لڑکے نے اخبار میری طرف بڑھا دیا۔

''ایک آنہ میں 'بے خبر' اخبار کا ضمیمہ......کل کیا ہوگا؟ آپ مقدمہ ہاریں گے یا جیتیں گے؟ شادی ہوگی یا بیوی بھاگ جائے گی؟ زکام ہوگا یا سر درد؟ ایک آنہ میں سب کچھ پڑھیے......'' لیکن حضرات! میں نے پہلی سرخی ہی پڑھ کر اپنے دونوں کان رومال میں لپیٹ کر جیب میں ڈالے اور وہاں سے چل پڑا۔ وہ خبر کچھ اس طرح کی تھی:۔ ''مال روڈ پر دو منزلہ بس الٹ گئی۔ تیسری منزل میں بیٹھے ہوئے مسافر زخمی ہو گئے...... صفحوں والے چوک میں صف ماتم بچھ گئی ملک کے مشہور شاعر حضرت ٹھنڈا کانپوری کے گھر میں چوری۔ چور دروازہ لے کر بھاگ گئے۔''

بھائیو! اب میں نے شہر کی سیر شروع کر دی۔ میرا خیال تھا کہ سب سے پہلے مال روڈ کی سیر کی جائے چنانچہ میں نے ایک پٹھان سے پوچھا۔ ''بھائی مال کدھر ہے؟۔'' اس نے منہ لٹکا کر کہا۔ ''ہمارے پاس کہاں بھائی!۔'' میں نے سوچا جاتے پٹھان کی لنگوٹی سہی' کم از کم اس کا نام ہی دریافت کر لیا جائے۔

''خان تمہارا نام کیا ہے۔؟'' اس پر خان خاناں بولا۔ ''امارا نام دستر خوان ہے۔''

میں نے لنگوٹی وہیں چھوڑی اور اٹھ بھاگا۔ مال روڈ پر بڑی چہل پہل تھی۔ اور کیا ڈن اور کیا پیر کیا منگل کیا بدھ سبھی چہل قدمی میں محو خرام تھے اور ہر ایک کا طوطی بڑے زور سے بول رہا تھا۔ ایک آدمی نے طوطی کا منہ مائیکروفون کے سامنے رکھا تھا اور اسکا طوطی سب سے زیادہ بول رہا تھا۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ لوگ سڑکوں کے بیچ میں چل رہے تھے اور گاڑیاں وغیرہ فٹ پاتھ پر رواں تھیں۔ قدم قدم پر ''آہستہ چلیں سڑک پکی ہے'' کے بورڈ لگے تھے۔ ایک آدمی کیلے کے چھلکے سڑک پر کچھ اس اہتمام سے بچھا رہا تھا کہ اگر آدمی پھسل پڑے تو پھر پھسلتا ہی چلا جائے۔ ایک جگہ ہسپتال کے باہر بورڈ پر لکھا تھا:۔ ''ہسپتال ہے......... ہارن زور سے بجائیں۔''

ایک پنواری کی دکان میں لوگ حجامت بنوا رہے تھے دیوار پر لکھا تھا:

''ادھار میرٹھ کی قینچی ہے۔'' پاس ہی ایک ننگے سر بیٹھا ٹوپیاں بیچ رہا تھا۔ اس نے لکھوا رکھا تھا۔ ''محمود کی ٹوپی حامد کے سر پر بھی فٹ آئے گی۔'' کپڑا بیچنے والے کی دکان پر لکھا تھا:

''اچھا کپڑا وہی ہے جسے آپ کے احباب پسند کریں۔ ہم آپ کو احباب بھی دیں گے'' چوراہے میں ایک سینما ہاؤس تھا۔ اس کے باہر گیٹ کے پاس ہی سائیکل سٹینڈ پر لکھا تھا: ''ہم آپ کے سائیکلوں کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ لیمپ اور پمپ چھوڑتے وقت سائیکل اپنے ساتھ لے جائیں۔'' ٹکٹ فروخت کرنے والی کھڑکی پر ایک بورڈ لگا تھا جس پر ذیل کی عبارت درج تھی۔ ایک سے زیادہ جیب نہ کاٹیں۔

''قطار میں ٹکٹ خریدنے والوں کو حوالہ پولیس کیا جائے گا۔''

''بلیک مارکیٹ کرنے والے حضرات براہ راست منیجر سے ملیں۔''

ایک اور بورڈ دیوار کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ جس پر سینما کے قوانین و ضوابط لکھے تھے۔ ان میں سے مجھے جو چند ایک یاد رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں:

☆ پہلا شو ٹھیک اس وقت شروع ہو جاتا ہے جب ہاؤس فل ہو جاتا ہے۔

☆ فلم تبدیل کر دینے کا منیجر کو حق ہے۔

☆ فلم پر تنقید کرنے والوں کو پولیس کے حوالے کیا جائے گا۔

☆ دنگہ فساد کرنے والوں کو اپنی لاٹھیاں اور سوڈے کی بوتلیں ہمراہ لانی چاہئیں۔

☆ بچوں کو چاہئے کہ وہ اپنی ماؤں کو گھر پر ہی چھوڑ آئیں۔

☆ فری پاس لینے والے ٹکٹ نہ خریدیں اور ٹکٹ خریدنے والے فری پاس کا مطالبہ نہ کریں۔

☆ زنانہ شو کے دن سینما کی حدود میں مستورات کا داخلہ ممنوع ہوگا۔

قصہ دوسرے درویش کا

مال روڈ پر میری ایک دکان ہو جس کی پیشانی پر لکھا ہو:

سنگ موسیٰ جی مر مر اینڈ برادرز ترقی پسند کتبے لکھنے والے

اخبارات میں پہلے صفحے پر اس قسم کے مختصر اشتہارات ہوا کریں۔

(الف) ہمارے ہاں کے کتبے ہلکے ہوتے ہیں اور قبر پر بوجھ نہیں ڈالتے۔

(ب) ہمارے کتبوں کی عبارت پڑھ کر فرشتوں کا دل پسیج جاتا ہے۔

(ج) ہم کتبے اس احتیاط سے تیار کرتے ہیں کہ وہ صدیوں پرانے معلوم ہوتے ہیں۔

(د) ہم کتبوں پر لطیفے بھی لکھتے ہیں تا کہ منکر نکیر پر اچھا موڈ طاری ہو جائے۔

(ر) ہمارے کتبے سردیوں میں گرمی اور گرمیوں میں ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔

(س) ہمارے کتبے پڑھ کر دل کو راحت' دماغ کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔ (کیونکہ ان پر کچھ نہیں لکھا ہوتا)۔

اور اس کے علاوہ بھائیو...... بسوں کی پیشانی پر چھوٹے چھوٹے بورڈ لگوائے جائیں۔ ''کیا آپ نے کتبہ بنوالیا؟''

دکان کے اندر شوکیسوں میں خوبصورت کتبے رکھے جائیں جن پر ہر آدمی کے پسند کی عبارت لکھی ہو:

☆......میں بڑا نیک آدمی تھا۔ افسوس زندگی نے وفا نہ کی۔

☆......حضرات قبر کے پاس سے نہ گزریں۔ میں سو رہا ہوں۔

☆......کہو بھائیو! زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ کوریا کی لڑائی کا کیا بنا؟۔

☆......السلام علیکم۔ تشریف لائیے۔ دل ما روشن۔ دل ما شاد۔

☆......اندر آنا منع ہے۔

ایڈیٹر کی قبر پر نصب ہونے والا کتبہ یوں لکھا ہو:

''بجلی فیل ہو جانے پر آج اخبار نہیں نکلے گا۔''

شاعر کے کتبے پر صرف یہ لکھا جائے: ''مقطع عرض ہے......''

نیوز اناؤنسر (ریڈیو) کا کتبہ یوں ہو: ''خبریں ختم ہو گئیں......''

پان فروش کے کتبہ پر لکھا ہو: ''موت زندگی کی قینچی ہے۔''

کنجوس پنساری کے کتبہ پر لکھا ہو:

''یہاں وہ دفن ہے جس کا نام صفحہ ہستی پر ہلدی سے لکھا گیا تھا۔''

سگریٹ بیچنے والے کا کتبہ یوں ہو:

''او مسافر جانے والے دیکھ جا منہ پھیر کر
ہم مسافر کس لیے لیٹے ہیں رستہ گھیر کر''

سابق ایم ایل اے کا کتبہ کچھ اس طرح ہو۔

''حضرات اپنا قیمتی ووٹ ضائع مت کریں۔''

ہم ایسے گناہ گاروں کے کتبے پر صرف اتنا لکھا ہو:

''یہ قبر پرانی ہے۔ اس کا حساب ہو چکا ہے۔''

سینما گھروں کے اندر اس قسم کی سلائیڈیں چلائی جائیں۔ ''آپ فقط مر جائیں باقی کام سنگ موسیٰ جی اور مر مر جی کر لیں گے۔''



باتیں کچھ کتابوں سے

مزاحیات



شکاریات

جب تیر گینڈے کی آنکھ میں اُتر گیا

مغل حکمران ظہیر الدین بابر کے شکار کا سچا واقعہ

قمر تسکین

گوالیار کے سابق راجہ منگت رائے نے تاتار خاں سے گوالیار کا قلعہ واپس لینے کیلئے اس کا محاصرہ کیا تو تاتار خاں نے ظہیر الدین بابر سے مدد کی استدعا کی۔ بابر نے تاتار خاں کی مدد کے لئے لشکر بھیجا جس نے راجہ منگت رائے کو شکست دے کر بھگا دیا۔ راجہ محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گیا تو تاتار خاں نے معاہدہ کے تحت بابر کے لشکر کو قلعہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی اور خود قلعہ بند ہو گیا۔ مغل سپہ سالار کو تاتار کی عہد شکنی پر سخت غصہ آیا لیکن اس کے لشکر کی تعداد قلیل تھی اس لئے وہ یہ دھمکی دے کر لوٹ گیا کہ جلد ہی ایک بڑی فوج کے ساتھ قلعہ گوالیار پر حملہ کرے گا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا اور وہ تمام شرائط تلوار کے ذریعے منوائے گا جن کے تحت تاتار خاں کی امداد کیلئے لشکر بھیجا گیا تھا۔

ادھر جوں ہی ظہیر الدین بابر قلعہ گوالیار سے ہٹ کر باہر کی طرف روانہ ہوئے۔ راجہ منگت رائے نے دوبارہ قلعہ گوالیار کا محاصرہ کر لیا۔ تاتار خاں میں اکیلے چونکہ اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اسے ایک بار پھر بابر سے مدد لینے کا خیال آیا لیکن وہ اپنی عہد شکنی کے پیش نظر بابر سے امداد طلب کرنے کی جرات نہ کر سکا۔

قلعہ گوالیار میں مشہور بزرگ شیخ محمد غوث گوالیار بھی مقیم تھے۔ تاتار خاں نے ساری کیفیت ان کے گوش گزار کی تو آپ نے مشورہ دیا کہ وہ بلاتردد بابر کے سامنے دست سوال دراز کرے اور بعد میں قلعہ بابر کے سپرد کر کے اس کے ایک نائب کی حیثیت سے گوالیار پر حکومت کرے۔

تاتار خاں نے اس نازک صورتحال کا جائزہ لیا اور مجبوراً دوبارہ بابر سے مدد کی درخواست کی۔ بابر نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور اس بار خود لشکر کی کمان سنبھال کر قلعہ گوالیار کی طرف پیشقدمی شروع کر دی۔ جب گوالیار تقریباً 20 میل کے فاصلہ پر رہ گیا تو بابر نے تین ساتھی منتخب کئے اور اپنے لشکر کو پیچھے چھوڑ کر ان کے ہمراہ آگے بڑھا۔ وہ ایک جنگل کے قریب پہنچے تو ایک مقامی شخص نے انہیں خبردار کیا کہ اس گھنے جنگل میں خطرناک درندوں کا بسیرا ہے۔ اور اگر وہ اپنی سلامتی چاہتے ہیں تو اس جنگل سے دور ہو کر سفر کریں۔

یہ سن کر بابر کو تشویش کی بجائے بڑی مسرت ہوئی کیونکہ وہ شکار کا شوقین تھا۔ بابر اور اس کے تینوں ساتھی گھوڑوں پر سوار جنگل کے نشیب میں وادی کے طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک ایسے خطہ میں پہنچ گئے جہاں قد آدم گھاس کھڑی تھی۔

بابر اور اس کے ہمراہی آگے بڑھ کر ایک دشوار گزار مقام پر پہنچے تو ایک جنگلی بھینسا نظر آیا جو غصہ میں بپھرا ہوا بار بار چھلانگیں لگا رہا تھا۔ اس کی دم ہوا میں لہراتی نظر آ رہی تھی۔ وہ بابر اور اس کے ہمراہیوں کو دیکھ کر تیر کی طرح ان کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے پاؤں کی مٹی اڑاتا ہوا بابر پر حملہ آور ہو گیا۔ جو اپنے ساتھیوں سے آگے کھڑا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ بابر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر ایک طرف ہٹا لیا بھینسے نے اپنے وار کو خالی جاتے دیکھا تو گھوم کر دوبارہ حملہ کیا۔ اس بار بابر سنبھل کر رکاب میں کھڑا ہو گیا اور اپنی تلوار لہرا کر قدرے جھکا اور بھینسے کے سر کو نشانہ بنا کر وار کر دیا۔ یہ وار کارگر ثابت ہوا۔ اور وہ چکرا کر ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔

بابر کے ساتھیوں نے بے ساختہ مرحبا کے نعرے بلند کئے۔ وہ اور آگے بڑھے تو انہوں نے ... دی کے

باقی صفحہ 6 پر

پاگل

ایک وزیر نے پاگل خانے کا معائنہ کرتے ہوئے نرس سے پوچھا۔ ''آپ لوگوں کو مریض کی صحت یابی کا علم کیسے ہو جاتا ہے۔؟''

نرس نے جواب دیا۔ ''ہم کئی طریقوں سے آزماتے ہیں مثلاً حوض میں نلکا کھول کر مریضوں کو بالٹیاں تھما دیتے ہیں اور کہتے ہیں حوض کو خالی کر دو''۔

''یہ کیا آزمائش ہوئی؟'' وزیر نے پوچھا۔

''جو مریض صحت یاب ہو چکا ہو وہ آگے بڑھ کر نلکا بند کر دے گا۔''

''بھئی واہ! یہ بڑی نرالی ترکیب ہے۔ یہ بات میرے ذہن میں بھی نہیں آئی تھی'' وہ بے ساختہ بولے۔

(انیقہ ثروت...... چکوال)

☆☆☆

لطیفہ

ایک درزی اپنے گاہکوں کو لطیفے سنایا کرتا تھا۔ جب اس کا گاہک لطیفہ سن کر لوٹ پوٹ ہو جاتا تو درزی تیزی سے کپڑا کاٹ کر چھپا دیتا۔ ایک دن ایک گاہک آیا۔ درزی نے اسے لطیفہ سنایا اور چالاکی سے کچھ کپڑا بچا لیا۔ گاہک بولا۔ جناب ایک لطیفہ اور سنائیں۔ درزی نے پھر ایک لطیفہ سنا کر پھر کچھ کپڑا بچا لیا۔ اب وہ گاہک پھر بولا۔ ایک لطیفہ اور سنائیں۔ تو درزی بولا لطیفہ تو سنا دوں مگر آپ کی قمیض چھوٹی ہو جائے گی۔

(محمد شعیب خانزادہ...... ٹنڈوالہ یار)

☆☆☆

ایجادات

تین سائنسدان بیٹھے ہوئے تھے۔ انگریز، ہندو اور پاکستانی تینوں اپنے اپنے ممالک کی ایجادات کے بارے میں باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔

انگریز کہتا کہ ہمارے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جس کے بازو نہ تھے اب ہم نے اس کے بازو لگائے ہیں اب وہ بہت اچھا باکسر ہے۔

ہندو کہتا ہے کہ ہمارے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جسکی ٹانگیں نہ تھیں ہم نے اس کی ٹانگیں لگائیں اب وہ فٹ بال کا کھلاڑی ہے۔ جب پاکستانی کی باری آئی تو وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہتا ہے کہ ہمارے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جس کا سر نہ تھا ہم نے اس کا سر لگایا اب وہ پاکستان کا حکمران ہے۔

(حفظہ فاروق...... بدوملہی نارووال)

☆☆☆

جواب

استاد: انگریزوں نے برصغیر میں پہلا قدم رکھنے کے بعد کیا کیا؟ شاگرد: انہوں نے دوسرا قدم رکھا۔

(رضوانہ ارم...... گورمانی اڈا)

☆☆☆

دوپہر

بچہ: ماں جب مجھے صبح سویرے جگاتی ہے تو کہتی ہے اٹھو بیٹا دوپہر ہو گئی تم ابھی تک سوئے ہوئے ہو۔

دوسرا بچہ: تو پھر؟

بچہ: لیکن جب میں دوپہر کا کھانا مانگتا ہوں تو کہتی ہے آج تمہیں اتنی صبح سویرے بھوک لگ گئی ہے۔

(عاطف نذیر...... نارووال)

☆☆☆

لعنت

شیطان نے فرعون کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

دروازے پر دستک سن کر فرعون نے پوچھا۔ کون ہے۔؟

شیطان اندر آ گیا اور کہنے لگا۔ لعنت ہو تم پر کہ تم دعویٰ تو خدائی کا کرتے ہو اور یہ تک نہیں جانتے کہ دروازے پر کون ہے؟

(حاجی محمد عامر متغل...... ڈسکہ)

اندھیرا

بیٹا: ابو کیا آپ اندھیرے میں لکھ سکتے ہیں۔؟

باپ: کیوں نہیں بیٹا۔



بیٹا: تو پھر ابو میں لائٹ آف کرتا ہوں آپ میری سکول رپورٹ پر دستخط کر دیں۔

☆☆☆

ایک دوست: میں بہت پہلے نہا لیتا ہوں۔

دوسرا دوست: وہ کیسے؟ پہلا دوست: وہ اس طرح کہ میں نہاتے ہوئے صابن استعمال نہیں کرتا۔

دوسرا دوست: اور میں اس سے بھی پہلے نہا لیتا ہوں۔

پہلا دوست: وہ کیسے؟ دوسرا دوست: وہ اس طرح کہ میں نہاتے ہوئے پانی بالکل استعمال نہیں کرتا۔

(راؤ بشیر عابد میواتی...... اوکاڑہ)

☆☆☆

مصرع

ایک بار علی گڑھ میں ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد ہوا۔ اس میں علامہ اقبال بھی تشریف فرما تھے۔ مشاعرے کے اختتام پر کالج کے چند شوخ طلبہ نے علامہ اقبال کو پریشان کرنے کیلئے ایک مصرع گھڑ کر علامہ سے گرہ لگانے کی درخواست کی۔ مصرع یہ تھا۔

مچھلیاں دشت میں ہوں پیدا ہرن پانی میں

علامہ اقبال ایسے بکھیڑوں سے پرہیز ہی فرماتے تھے لیکن جب طالبعلموں نے بے حد اصرار کیا تو آپ ڈائس پر تشریف لائے اور شعر مکمل کیا۔

اشک سے دشت بھریں آہ سے سوکھیں دریا
مچھلیاں دشت میں ہوں پیدا ہرن پانی میں

(حرا خالد...... خانیوال)

☆☆☆

ورثہ

ایک امیر شخص اپنے غریب دوست سے: جب میرا باپ مرا تو اس نے ورثے میں پانچ لاکھ روپے میرے لیے چھوڑے تھے۔ غریب دوست: جب میرا باپ مرا تو وصیت میں لکھا تھا بیٹا تمہارے لیے ساری دنیا چھوڑے جا رہا ہوں جہاں مرضی جاؤ اور محنت کر کے خوب کماؤ۔

☆☆☆

سکول کا کام

ایک چھوٹا بچہ کتابوں کی دکان پر گیا اور پوچھا۔ انکل! آپ کے پاس چھٹی جماعت کی اردو کی کتاب ہے۔ دکاندار نے کہا جی ہاں۔ کاپی ہے۔ لڑکے نے دوبارہ پوچھا۔ دکاندر نے اثبات میں سر ہلایا اور پین؟ لڑکے نے پھر پوچھا۔ دکاندار نے پھر کہا جی ہاں۔ لڑکے نے کہا تو میرا سکول کا کام ہی کر دیں۔

(عرفان احمد کاہلوں...... فیصل آباد)

☆☆☆

کتنے بجے

کسی آدمی نے آدھی رات کو لائبریرین کے گھر فون کر کے پوچھا: لائبریری کتنے بجے کھلتی ہے۔؟

لائبریرین: سات بجے صبح، لیکن آدھی رات کو فون کرنے کا مقصد۔؟ آدمی: سات بجے سے پہلے نہیں کھل سکتی۔

لائبریرین: لیکن آپ اس سے پہلے کیوں لائبریری میں جانا چاہتے ہیں؟۔

آدمی: (جھنجھلا کر) لائبریری میں کون کم بخت جانا چاہتا ہے۔ مجھے تو لائبریری سے باہر آنا ہے۔

(سیدہ اقراء...... ٹاؤن شپ لاہور)

☆☆☆

کندھا

ایک بڑی بلڈنگ کے پاس سے بس گزرنے لگی تو ڈرائیور کے پیچھے بیٹھی ہوئی ایک بوڑھی عورت نے چھڑی سے کندھے کو ہلایا اور بولی۔ ''کیا یہ سٹیٹ بنک ہے؟۔''

ڈرائیور نے کہا۔ نہیں یہ میرا کندھا ہے۔

(راؤ عبدالسلام...... ملتان)

☆☆☆

صفحہ بتائیے انعام پائیے

مرتب= پھول بھائی

مہناز گل (میانوالی) سبطین احمد شاہد سیال (چکلالہ) عالیہ ملک (سوہاوہ) ثانیہ یسٰین (فیصل آباد) سمیرا بانو (فیصل آباد) الٰہی بخش ریدگ (بلیدہ) سارہ چودھری (میرپور) ارشد علی (نفیس آباد کراچی) ماریہ جاوید چودھری (شرقی کالونی وہاڑی) فاطمہ حمدی (پشاور) احمد معاذ (پنڈی بھٹیاں) عقیل احمد مغل (بھکر) انیل امید (آسیا آباد مکران) مصباح اعظم (لاہور) ولید اکبر فاروقی (حافظ آباد) محمد اسعد بشیر ریحان (بھاگٹانوالہ) سبطین عباس شاہ (حجرہ شاہ مقیم) زاہد اقبال (پنڈ سلطانی اٹک) محمد عاقب سلیم (سیدھر کلاں) شمریز بابر (لیدھ کلاں) زوہیب اتفاکر (سیدھر کلاں) عاصم زمان (سیدھر کلاں) زبیر حسین (سیدھر کلاں) کاشف سلیم (سیدھر کلاں) عاطف سکندر۔ کاشف رحمٰن۔ یاسر عمران۔ عمران قمر۔ ذیشان رسول۔ سید حیشم عباس۔ شوکت علی۔ رضوان عباس تارڑ۔ احسان ربانی۔ اظہر اقبال۔ زاہد عمران۔ قیصر عباس۔ ثاقب سلیم۔ عاطف سلیم۔ حاجی پرویز اختر۔ حامد ناصر رانجھا۔ شفاقت علی۔ قمر عباس ارائیں۔ محمد اقبال۔ حسنات احمد۔ ساجد اقبال۔ ارسلان عابد۔ اعجاز احمد۔ نوید اقبال (میکین)۔ غضنفر اقبال (میکین) (گھٹی باوا) شہزاد اسلم (مدھرے پھالیہ) محمد ارشد (کٹھیالہ شیخاں) شاہد اقبال (کہانہ تھیں چنیوٹ) حاجی صابر (سرائے عالمگیر) حافظ عبدالستار نیازی (کاموںکے) محمد نعیم (دھیرکوٹ آزاد کشمیر) رانا اکبر علی (بھوئے آصل پتوکی) میسرہ انصاری (بہاولپور) عثمان جاوید (دین پور کلاں شکر گڑھ) محمد عمران رشید (ڈیرہ گجراں شیخوپورہ) فرحت جبیں (مانانوالہ شیخوپورہ) محمد طارق اعظم جرولہ (کوٹ ادو مظفر گڑھ) زینب اشفاق (چنیوٹ) عثمان عارف (فتح جنگ اٹک) رافعہ تاثیر (اوکاڑہ) رانا عمیر انجم (شیخوپورہ) محمد مظفر حبیب خان (موسیٰ خیل میانوالی) ندیم شنوادی (چارباغ منگل خیل) محمد ساجد شریف (میاں چنوں) سبطین علی (نوشہرہ فیروز) رضوان اسلم (جہانیاں) سیدہ سندس گیلانی (شیر شاہ کالونی لاہور) عمر امیر ماجد (مٹھ ٹوانہ خوشاب) عمیر احمد (ماڈل ٹاؤن ڈی جی خان) جویریہ سلیم (ڈھوک چراغ دین راولپنڈی) احمد طارق (بہاولپور) اویس حمید (غلام محمد آباد) تصور وقاص مٹھو زرگر (دھوری بھلوال) امجد محمد (کندیاں) صداقت حسین ساجد (شورکوٹ جھنگ) منیر حسین (کوٹ ادو) ریحان ادریس (گلشن فاطمہ اوکاڑہ) محمد ارشد مغل (لودھراں) بلال احمد چاند (گلستان جوہر کراچی) صائمہ رفیق ببر (شاہ جمال) زبیر تبسم (نواں کوٹ دیپالپور) عثمان احمد کھوکھر (ڈسکہ) جاوید اقبال جیدی (گوہر والا بھکر) شعیب انعام ڈوگر (ننکانہ شیخوپورہ) عامر ظہور (میلسی) فرحانہ قمر (اورنگی ٹاؤن کراچی) طیبہ ذوالفقار (فرید ٹاؤن ساہیوال) اکمل حمید مغل (ڈجکوٹ) محمد عبدالباسط (صدیق آباد کوٹ ادو) مقبول احمد (خیر پور ٹامیوالی) غلام مرتضیٰ (کمالیہ) قاضی محمد ارسلان (گوجر خان) سید ذوالفقار حسین زلفی (جھاوریاں) نازیہ پروین (بدوملہی نارووال) زین محمد اقبال (نوابشاہ سندھ) ذیشان اکرم علی حسنین اکرم (نوکھر گوجرانوالہ) رابعہ افتخار (گوالمنڈی لاہور) وجیہہ خلیق (وارث پورہ فیصل آباد) عبدالمصطفیٰ (پنڈی گھیب) راؤ نوید انور (بھوئے اصل پتوکی) سبحان اللہ (پشاور) ربیحہ خاتون (غیاری کلاں شکر گڑھ) حافظ عابد یسین (منظور آباد لیہ) محمد بلال ہاشمی (تاجپورہ لاہور) عظمت النساء (جھاوریاں) سمیرا امین (رائے ونڈ) آصف ڈوگر (فاروق آباد شیخوپورہ) نعمان عرفان (غریب آباد حیدرآباد) مظہر علی اعوان (نوشہرہ فیروز) احمد مجتبیٰ علی (شرقپور شریف) شجاعت حسین نقوی (علی پور مظفر گڑھ) شہزیم راجہ (جھڈو) شافیہ خالد (نارنگ) محمد ندیم (تلہ گنگ) روف احمد شاہ (جھگی والا جتوئی) طاہر شفیق (نیا شہر جھنگ) محمد عمر دراز خان کرمانی (فرید ٹاؤن گوجرانوالہ) ثوبیہ اسلم (چکوال آزاد کشمیر) سید محمد جنید بادشاہ (گونڈہ) مہہ جبین احسن (ڈنگہ گجرات) حسین رضا (مظفر گڑھ) طلحہ غیاث منظور سعیدی (ملتان کینٹ) حسنین علی اعوان (نوشہرہ فیروز) حرا نعمان راؤ (منڈی ٹاؤن بھکر) صنوبر سلطانہ (استقلال آباد سرگودھا) قمر شہزاد چودھری (اسلام گڑھ آزاد کشمیر) اظہر مہدی (گوہر والا بھکر)

انعامی کوپن

اس ماہ کے جملے

1. جہاں قد آدم گھاس کھڑی تھی۔
2. غلام اسحٰق خان نے اس کی سرپرستی لے لی تھی۔
3. اس پر سب حاضرین عدالت خاموش ہو گئے۔
4. اقبال قران کا شاعر ہے۔
5. حنا بڑی ذہین تھی۔

یہ رہے صفحات کے نمبر

1 ...... 2 ...... 3 ......

4 ...... 5 ......

نام ____________________

عمر ____________________

گھر کا پتہ ____________________

____

کوئز کی دنیا

1۔ شیر بنگال کن کو کہا جاتا ہے؟
(1) مولوی فضل الحق (2) حسین شہید سہروردی (3) لیاقت علی خان۔

2۔ اسلامی سال کس مہینے سے شروع ہوتا ہے؟
(1) صفر المظفر (2) محرم الحرام (3) ذی الحج

3۔ یوم تکبیر کس تاریخ کو منایا جاتا ہے؟
(1) 23 مارچ (2) 14 اگست (3) 28 مئی

4۔ بیرون ملک پاکستان کا قومی پرچم سب سے پہلے کس نے لہرایا؟
(1) پاک فوج (2) اسکاؤٹس (3) قائداعظم

پتہ: ماہنامہ پھول
4 شاہراہ فاطمہ جناح لاہور

خواتین قائداعظمؒ کی توقعات کے مطابق معاشرے میں اپنا کردار ادا کریں۔ مجید نظامی

پاکستان کا مستقبل محفوظ ہے کیونکہ نئی نسل کی رہنمائی کیلئے مجید نظامی جیسی شخصیت موجود ہے۔ پروفیسر عارفہ یونس

اسلامیہ کالج کوپر روڈ میں تقریب تقسیم انعامات۔ چیف ایڈیٹر "نوائے وقت" "دی نیشن" کی طرف سے ایک لاکھ روپے کے وظائف دیئے گئے۔



چیف ایڈیٹر نوائے وقت' نیشن مجید نظامی اسلامیہ کالج برائے خواتین کوپر روڈ کی اساتذہ اور طالبات کے ساتھ

قائداعظم محمد علیؒ خواتین کو ہمیشہ سوسائٹی کا ایک اہم جزو سمجھتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ خواتین ملکی ترقی میں بھرپور کردار ادا کریں لہٰذا خواتین کو قائداعظمؒ کی توقعات کے مطابق معاشرے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے تاکہ ہمارا ملک ترقی وخوشحالی کی طرف گامزن ہو۔ ان خیالات کا اظہار مجید نظامی چیف ایڈیٹر "نوائے وقت" نے اسلامیہ کالج کوپر روڈ برائے خواتین کے جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ خواتین قومی یکجہتی اور اخلاقی اقدار کے حوالے سے مثبت کردار ادا کرسکتی ہیں۔ قائداعظمؒ اور مادر ملتؒ نوجوانوں بالخصوص خواتین سے بہت پرامید تھے۔ نوجوان نسل کو ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اور پاکستان کے استحکام کیلئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

اسلامیہ کالج کوپر روڈ برائے خواتین کی پرنسپل پروفیسر عارفہ یونس نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کا مستقبل محفوظ ہے کیونکہ نئی نسل کی رہنمائی کیلئے مجید نظامی جیسی شخصیت موجود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلامیہ کالج نے ملکی ترقی میں ہمیشہ اپنا حصہ ڈالا ہے اور جب بھی وطن کو ضرورت پڑی اس کالج نے اپنا کردار ادا کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانی خواتین کو سرحد پار خواتین کی بہبود کو فراموش نہیں کرنا چاہیے جو دشمن کی زد میں ہیں اور ہندو کے مظالم برداشت کررہی ہیں۔

چیف ایڈیٹر نوائے وقت مجید نظامی نے اپنی طرف سے ذہین طالبات کیلئے ایک لاکھ روپے کے وظائف دیئے۔ جن طالبات کو وظائف دیئے گئے۔ ان میں مہرین انور' ماریہ ایوب' امت الامین خالد' ثناء مسلم' فرح علی' کرن طفیل' گلنار آزاد' ارم نایاب' رومانہ اشتیاق' صالحہ رشید' اقراء انور' مہوش سعید اور رقیہ تبسم شامل ہیں۔



بختاور بلال صوفی قائداعظمؒ فورم کی تقریب میں تلاوت قرآن کررہے ہیں



کریسنٹ ماڈل سکول کے طالب علم محمد حمزہ سجاد تقریری مقابلے میں دوسری پوزیشن حاصل کرنے پر وزیراعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی سے انعام حاصل کررہے ہیں

سرکاری سکولوں میں طلباء کو اچھی تعلیم مل رہی ہے نہ ماحول۔ میاں عامر محمود

نوائے وقت اور نیشن کی ٹیمیں سکولوں کا دورہ کر کے رپورٹیں شائع کریں۔ مجید نظامی سرپرستی کریں



ضلع ناظم لاہور میاں عامر محمود نے کہا ہے کہ سرکاری تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے 5 لاکھ 68 ہزار طلباء کو اچھی تعلیم مل رہی ہے اور نہ ہی اچھی تربیت یا ماحول۔ جہاں طلباء ہیں وہاں فرنیچر ٹاٹ اور نہ ہی پڑھانے کیلئے مکمل سٹاف جہاں اساتذہ ہیں وہاں طلبا و طالبات نہیں ہیں تاہم ضلعی حکومت لاہور میں تعلیمی اداروں اور تعلیمی صورتحال بہتر بنانے کیلئے انتہائی کوشش کر رہی ہے۔ میاں عامر محمود نے گزشتہ روز روزنامہ نوائے وقت اور دی نیشن کے چیف ایڈیٹر مجید نظامی سے ملاقات کی اس دوران تعلیمی معاملات پر بات چیت کرتے ہوئے ضلعی ناظم نے کہا کہ صوبائی حکومت کی طرف سے دیئے گئے تعلیمی بجٹ کے مطابق ضلع لاہور کیلئے 276 روپے سالانہ فی کس تناسب بنتا ہے جو بہت ہی کم ہے انہوں نے کہا کہ جب تک مخیر حضرات اور نجی ادارے تعلیم کے شعبے میں عوام کی خدمت کیلئے سامنے نہیں آئیں گے یہ صورتحال زیادہ بہتر نہیں ہو سکے گی۔ میاں عامر محمود نے کہا گزشتہ پندرہ برسوں سے اساتذہ کی بھرتی پر پابندی کی وجہ سے سکولوں میں تعلیمی حالات بہت ہی ناگفتہ بہ ہیں محکمہ تعلیم کا برسوں پرانا بنایا ہوا انفراسٹرکچر تباہ ہو چکا ہے۔ لاہور شہر کے کئی سکول ایسے ہیں جن میں بجلی پانی نہیں۔ طلبا و طالبات کیلئے بیت الخلاء تک نہیں ہیں انہوں نے کہا کہ 15/16 سو کے قریب سکول اس حالت میں تھے کہ ان میں 189 جعلی سکول بنے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ سب سے تعجب خیز واقعہ یہ ہے کہ بہاولپور ہاؤس (جی آر او II) میں جہاں اعلیٰ سرکاری حکام جن میں بہت سے محکمہ تعلیم کے افسر بھی رہتے ہیں یہاں ایک سکول تھا جس میں 20 لیڈی ٹیچرز تھیں اور طالبعلم کوئی بھی نہیں۔ مگر ان استانیوں نے جعل سازی کر کے سکول میں 400 طالبات و طلباء زیر تعلیم ظاہر کئے تھے۔ اسی طرح کسی سکول میں تین سو طالبعلم ہیں مگر وہاں اساتذہ صرف تین ہیں۔ میاں عامر محمود نے مجید نظامی سے کہا کہ آپ اور آپ کے ادارے سے ہماری گزارش یہ ہے کہ آپ ہماری سرپرستی کریں۔ مخیر حضرات اور عوامی بہبود کے نجی اداروں کو ہم یقین دلانا چاہتے ہیں جن اداروں میں وہ روپیہ لگائیں گے وہاں بطور نگران ان کے نامزد افراد کو بھی رکھا جائے گا تاکہ عوام کی تعلیم کیلئے جو عطیات دیں انہیں مکمل اعتماد ہو کہ یہ روپیہ صحیح مقاصد کیلئے خرچ ہو رہا ہے ان سے دریافت کیا گیا کہ گورنر ہاؤس میں بھی ایک سکول ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رپورٹ ہے۔ اس پر میاں عامر محمود نے کہا چند ماہ قبل گورنر پنجاب نے اس سکول کا دورہ کیا تھا ہم نے بھی کیا ہے۔ گورنر کے دورہ کے بعد وہاں حالات بہت حد تک ٹھیک ہیں۔ میاں عامر محمود نے کہا کہ لاہور ضلع میں سکولوں کے خراب حالات کو بہتر بنانے کیلئے فلاحی انجمنوں اور این جی اوز کے ساتھ معاہدے کر کے 226 سکول نگرانی میں دیئے ہیں تاکہ یہ ادارے ان سکولوں کے حالات بہتر بنائیں اور طلبا و طالبات کی تعلیم کو بھی معیاری بنائیں جن سکولوں کو ان اداروں نے "اڈاپٹ" کیا ہے وہاں حاضری اور تعلیمی نتائج بہتر ہو رہے ہیں۔

انہوں نے مجید نظامی سے درخواست کی کہ وہ نوائے وقت اور دی نیشن کے کارکنوں کی ایک ٹیم بنا دیں جو ضلعی حکومت کے "اڈاپٹڈ" اور نان اڈاپٹڈ" سکولوں کا وزٹ کریں وقتاً فوقتاً ٹیم یہ سلسلہ جاری رکھے اور اپنی رپورٹیں شائع کریں۔



الحافظ ریاض الاطفال کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

اسلامی تعلیمات پر عمل سے ہی آخرت سنور سکتی ہے۔ حافظ اعجاز الحق

برصغیر انگریزوں کی آمد سے قبل مسلمانوں میں تعلیمی معیار کا تناسب 85 فیصد تھا۔ مسلمان مساجد اور مدارس سے اسلامی شعار کے مطابق تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انگریزی نے اس نظام تعلیم کو ختم کر کے اپنا نظام تعلیم جاری کیا جس سے ہمارے ہاں گریجوایٹ تو بنے لیکن اچھے مسلمان اور اچھے پاکستانی نہیں بن سکے۔ ان خیالات کا اظہار الحافظ ریاض الاطفال کے بانی حافظ محمد اعجاز الحق چوہدری نے ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مقصد نئی نسل کو ملی و قومی جذبے سے سرشار کرنا ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات پر عمل سے ہی آخرت سنور سکتی ہے۔

گورنمنٹ پاک ماڈل ہائی سکول جناح پارک سلطان پورہ کا اعزاز

ضلعی حکومت کے زیر انتظام گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول مصری شاہ لاہور میں تلاوت کلام پاک، نعت خوانی اور تقریری مقابلہ ہوا۔ جس میں گورنمنٹ پاک ماڈل ہائی سکول جناح پارک سلطان پورہ لاہور کے کلاس نہم اے کے طالب علم محمد نعمان نے تلاوت کلام پاک میں پہلا انعام حاصل کیا اور اسی سکول کے جماعت دہم اے کے طالب علم علی رضا نے تقریر میں دوسرا انعام حاصل کیا اس اعزاز کا سہرا سکول کے ہیڈ ماسٹر جناب چوہدری شبیر احمد سپرا کے سر ہے جنہوں نے ذاتی دلچسپی لیکر طلبہ کو اس مقابلے کیلئے تیار کیا۔



پھول قاری ماریہ مشتاق جنہوں نے دس سال کی عمر میں صرف ڈیڑھ سال کے عرصے میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔

ماہنامہ پھول

کھٹے میٹھے خطوط

انعامی خط نمبر 1

ٹائٹل پر مینار پاکستان اپنی تمام تر بلندیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھا۔ مینار پاکستان کے اردگرد پھولوں کے ڈھیر اور ساتھ ہی ایک پیارا بچہ ٹائٹل کی خوبصورتی کو مزید چار چاند لگا رہے تھے۔ مگر جب نعیم مرتضیٰ کی ''مینار یا یادگار'' پڑھی تو مینار کی عمارت کہ جس کی بنیاد اور مضبوطی ہمارا اتحاد ہے بوسیدہ لگنے لگی۔ ساتھ ہی موجود پیارا بچہ بھی پاکستان کے مستقبل کے متعلق فکر مند نظر آ رہا تھا۔ پھر ''ایشین ٹائیگر'' کے متعلق پڑھا تو دل سے مزید آہ نکلی۔ ''قدیر کہانی'' کہ جسے پڑھ کر دل عبدالقدیر خان صاحب کی عظمت کو سلام پیش کرتا تھا' اب پڑھ کر خون کے آنسو روتا ہے۔ محسن پاکستان کو ان کی خدمات' محنت اور جانفشانی کا کیا صلہ ملا؟ پاکستان اسلام کا قلعہ کہلاتا ہے مگر افسوس اس قلعے میں ہزار ہا چھید ہو چکے ہیں اور یہ چھید ہمارے اپنکیے ہوئے ہیں یہ کہ کر کہ ان چھیدوں سے ہماری بندوقیں دشمنان پاکستان کے دلوں میں چھید کریں گی اور فتح کے جھنڈے گاڑیں گی مگر اب تو کے ان چھیدوں سے دشمن کی یلغار ہے اور ہم کامیابی کے جھنڈے تو کیا گاڑ رہے ہیں' اپنے آباء کے گاڑے ہوئے ان جھنڈوں کو کہ چشم فلک جن کی بلندی پر رشک کرتی تھی' اکھاڑنے کے درپے ہیں۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

میرے دماغ میں یہی خیالات موجزن تھے کہ دیکھا کہ ٹائٹل پر قومی لباس میں ملبوس بچہ مسکرا رہا ہے کہ جیسے اسے روشنی کی کوئی کرن نظر آ رہی ہو۔ یہ دیکھ کر دل کو کچھ امید ہوئی کہ شاید یہ اگلی نسل پاکستان کی سربلندی کی ضامن ہے مگر ابھی تک تو فی الحال مایوسی اور تاریکی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے ہی نظر آ رہے ہیں۔ بھیا! کہتے ہیں کہ مومن ایک سوراخ سے نہیں ڈسا جاتا مگر ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم باوجود ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسے جا رہے ہیں اور پھر بھی بھاگ بھاگ کر اسی سوراخ کی طرف لپکے جا رہے ہیں حالانکہ ہمیں اس سوراخ میں پھن لہراتا' پھنکارتا اژدھا واضح نظر آ رہا ہے۔ یہی بات میں نے ''فریب'' میں بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ اللہ ہمیں ہدایت کی روشنی نصیب کرے۔

بھیا! آپ کی ایڈیٹری میں پہلی مرتبہ پھول کو اتنا تفصیلی خط لکھ رہا ہوں۔ خدا لگتی کہوں گا کہ آپ نے ''پھول'' کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً ہیں۔ ان چاندوں نے میرے دل کے آنگن میں اس قدر چاندنی پھیلائی ہے کہ ہر چیز منور ہو گئی ہے۔

پاکستان کی خرابی کے ذمہ داروں کے علاوہ مجھے کچھ شکایات آپ سے بھی ہیں بھیا! آپ کو مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ میری اب تک دو تحریریں پھول میں شائع ہوئی ہیں مگر ہر مرتبہ فہرست میں میرا نام غائب ہوتا ہے۔ (آپ کے ساتھ ہی ایسا ہوا ہے اس کے لئے معذرت، آئندہ احتیاط کی جائے گی۔)

اگر میں فائز سیال اور صوفیہ شاذ کی تعریف نہ کروں تو بڑی زیادتی کی بات ہوگی۔ ان کا ہر لفظ مٹھاس اور چاشنی سے بھرپور ہوتا ہے اور اس کی حلاوت بہت دیر تک محسوس ہوتی رہتی ہے۔ ''حیات نو'' اور ''فرض کی روشنی'' بہت اچھی ہیں۔ آخر میں آپ ہی کا جملہ بعد از تبدیلی نقل کرتا ہوں۔ اللہ نے اور آپ نے چاہا تو پھر ملیں گے۔ (ضرور ملیں گے انشاء اللہ) (نعیم یوسف...... راولاکوٹ آزاد کشمیر)

انعامی خط نمبر 2

امید ہے پھول ساتھیوں کی دعاؤں کی بدولت بالکل تندرست ہشاش بشاش ہوں گے اور آپ کی ردی کی ٹوکری بھی موٹی تازی ہوگی جس کی آدھی خوراک میرے خطوط و تحریریں ہوتے ہیں۔ ویسے بھیا جی آپ ہر ماہ ردی تو خوب اکٹھی کر لیتے ہوں گے۔ (آپ کی مہربانی ہے)

اس ماہ کا پھول 29 فروری کو ملا ٹائٹل پر مینار پاکستان کی اسکے مستقبل کے معمار اور محسن پاکستان کی تصویریں تابناک مستقبل کا پتہ دے رہی تھیں۔ ایک کونے میں بہار اپنی آمد کا پتہ دے رہی ہے تو دوسری طرف فوراً یہ بتاتا کہ یہ بہار خوشیوں کے ساتھ ساتھ ایک ایسے ماہ میں آئی ہے جب ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کے پیارے نواسے کو شہید کر دیا گیا۔ اور ان پر طرح طرح کی مصیبتیں اور ظلم ڈھائے گئے۔ اللہ جی ان کے درجات میں اضافہ کرے (آمین)

کرنیں دن بدن سکڑتی جا رہی ہیں جبکہ گرمیوں میں تو اشیاء پھیلتی ہیں۔ یہاں الٹا حساب ہے ان کو فوراً بڑھا دیں۔ حمد و نعت دونوں ہی اچھی تھیں۔ ''اداریہ'' بھی بہت جلدی ختم ہو جاتا ہے ذرا لمبا کریں تا کہ پڑھنے میں مزا آئے۔ وعدہ رہا تب بھی اس پر یونہی عمل کریں گے جیسے اب کرتے ہیں۔ سب سے پہلے کہانیوں میں ''رشتہ'' اور ''قدیر کہانی'' پڑھی دونوں ہی اپنے اندر قارئین کی دلچسپی سمو لینے کی خصوصیت رکھتی ہیں۔ اور ان کا پورے ماہ انتظار رہتا ہے۔ ''فریب'' اور ''چراغ'' اس ماہ کی بہترین کہانیاں تھیں۔ فریب میں تو ہندوؤں کے چہرہ سے نقاب چاک کیا گیا ہے اور ہندوؤں کی اصلیت دکھائی گئی ہے۔ اس دفعہ لگتا ہے تمام رائٹرز کا جنگل اور جانوروں پر کافی دھیان رہا ہے۔ سانپ پر کہانی ''بندر میاں اور آگ'' ''ہم بے شکاری'' ''صبح کا بھولا'' بھی آ جا کر جانوروں میں ہی پہنچا لیکن جو بھی ہو پھول ایک انتہائی شاندار رسالہ ہے اس کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بہت ہی گہرا اور اچھا دوست ہو اور یہ دھیمے دھیمے لہجے میں ہر بات پڑھنے والے کے دل و دماغ میں اتار دیتا ہے۔ اور اس کا نصیحت کرنے کا طریقہ بہت ہی سادہ اور آسان فہم ہوتا ہے۔ کھٹے میٹھے خطوط پڑھ کر مزہ آ جاتا ہے۔ طوا نیم لگتا ہے آپ یا بہت چھوٹی ہیں یا لُغت کے معاملے میں کمزور ہیں۔ آپ کو اگر یہ کہانیاں سمجھ سے باہر لگتی ہیں تو پھر تو جنوں بھوتوں پریوں والی کہانیاں جو کہ صرف خیالی ہوتی ہیں وہ ہی سمجھ میں آتی ہوں گی۔ پھول تو ایسا شمارہ ہے جو ہر عمر کے لوگوں کی ذہنی پہنچ کو مدنظر رکھتا ہے۔ اگر مزاح کی بات کرتیں تو یہ ٹھیک ہے کہ مزاح کے معاملے میں پھول کنجوس ہے۔ ''مسکرایئے'' بھی ایسا کالم ہے جس پر خود کو زبردستی رضامند کرنا پڑتا ہے کہ بھئی اس پر مسکرانا ہے۔ (یہ قارئین کے ارسال کردہ لطائف سے ہی مرتب کیا جاتا ہے)

''فرض کی روشنی'' اور ''عظیم گمنام'' دونوں ہی بہت اچھی تھیں۔ ویسے آجکل ایسے لوگ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے ہی ملتے ہیں جو کہ عظیم ہوتے ہوئے بھی گمنام ہوں۔ ''میٹھی گولیاں'' زوبینہ اصغر کی اچھی کاوش تھی ہم نے اسے پاس کر دیا اور ان کی اس کاوش پر ان کو داد بھی دیتی ہوں۔ لیکن بھیا جی آپ اس معاملے میں کچھ فراخ دل واقع نہیں ہوئے۔ نہ تو آپ میری تحریریں شائع کرتے اور نہ یہ ان کے لکھنے پر کوئی داد دیتے ہیں۔ ایک کہانی جس کا آپ ہی نے کہا تھا کہ لکھو اور بھیجو میں نے جنوری میں بھیجی تھی لگتا ہے آپ کی ردی کی ٹوکری کی نذر ہو گئی (آپ کتنی سمجھدار ہیں) اگر آپ کہیں تو میں پھر کوئی تحریر بھیجوں (ضرور بھیجیں بقول آپ کے ردی بھی تو اکٹھی کرنی ہے نا) اور ویسے بھیا جی میں آپ سے سخت ناراض بھی ہوں میں نے اپنی ناراضگی کا بتانے کیلئے آپ کو پی سی او سے فون کیا اور 25 روپے لگ گئے لیکن آپ جناب نے فون ہی نہیں اٹھایا بھائی ایسے ہی ہوتے ہیں (جب فون ہی نہیں اٹھایا تو 25 روپے کیسے لگ گئے؟)

آپ نئے قارئین کو تو بہت خوش آمدید کہتے ہیں لیکن جو پرانے ہیں ان کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ آپ کہیں گے میں جھگڑالو ہوں میں بالکل جھگڑالو نہیں ہوں لیکن کبھی کبھی غصہ بھی تو آ ہی جاتا ہے نا۔ اور پھر ناراض ہونا یا گلہ کرنا ہو تو وہ اپنوں سے ہی کیا جاتا ہے۔

اب چلتے ہیں پھول پر تبصرے کی جانب آتے ہیں۔ تو ''حیات نو'' میں آجکل کے نہایت ہی اہم مسئلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کہ ہمارے ملک میں نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور اگر غور کیا جائے تو اس مسئلے کے حل کرنے کا ایک حل بھی پوشیدہ ہے۔ لیکن اگر غور کریں تو ہی وہ سامنے آ سکتا ہے۔ ''پھول کتاب گھر'' میں [illegible] پڑھ کر ایک الجھن تو حل ہوئی کہ (صوفیہ شاذ) شاذ بٹ کہانی لکھتی ہیں۔ خدا جانے کہاں کیا ہے واقعی ایک [illegible] ایک بات یہ کہ ہر اوٹ پٹانگ سوال اور بات پر اڑنا نہیں چاہیے اور دوسرا یہ کہ کسی کی عقلمندی کا تعلق [illegible] سے نہیں ہوتا اللہ جی نے سب کو عقل سے نوازا ہے اب یہ انسان کا کام ہے اس کو کس طرح استعمال کرے۔

صوفیہ شاذ کی کہانی ''پیارا ہے زندگی'' نے ایک جذبہ تازہ دیا کہ زندگی میں کچھ کر کے جانا چاہیے تاکہ دنیا میں کچھ اچھا [illegible] بھی سنور جائے۔ نور محمد جمالی کی تحریریں رفتہ رفتہ اچھی ہوتی جا رہی ہیں آخری سفارش ایک اچھی [illegible] ''الحدیث'' اور یہی تو ہے زندگی میرے پسندیدہ کالم ہیں۔ ہر ماہ اس سے بہت کچھ سیکھنے [illegible] زندگی گزارنے کا ایک نیا ڈھنگ دریافت ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ اگر مزید تعریف پھول کی کرنے [illegible] کچھ مزید صفحات لگ جائیں لیکن اب رات کا 1:00 بج رہا ہے اور کافی نیند آ رہی ہے لہٰذا خدا [illegible] چھٹی بھتیاں)

انعامی خط نمبر 3

''پھول'' پر غیر جانبداری سے تبصرہ کرنے کی جسارت کر رہی ہوں ممکن ہے آپ کو پسند نہ آئے تو کیا [illegible] مزاج نازک پہ گراں گزرنے والی تلخ تحریر کو برداشت کرنے کیلئے۔ جب ''پھول'' میرے [illegible] سب سے پہلے ''پھول رنگ'' پر نظر دوڑاتی ہوں کہ شاید کوئی جانا پہچانا چہرہ نظر آئے۔ اس بار ''صوفیہ [illegible] ہوئی۔ ہم تو شاذ آپی (شاذ بٹ) کے نام سے مانوس ہیں۔ یہ ''صوفیہ شاذ'' کون ہیں؟ پیاری [illegible] کرتے اور نہ ہی ذوست آپ کی تحریر بھی اس بار بے ترتیب سی تھی، اور زبردستی لکھی ہوئی لگ رہی [illegible]

[illegible] خوبصورت تھا اس لئے تبصرہ کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔ جہاں تک اداریے کا تعلق ہے تو [illegible] دوسرے اخبار میں ایسی تحریر مل جائے گی۔ کیونکہ مدیر محترم کا کام ہی یہ ہوتا ہے۔ آپ سمجھ رہے [illegible] کے پھپھولے پھوڑ رہی ہوں۔ (یہ خیال آپ کے ذہن میں کیوں آیا؟) ایسا ہرگز نہیں ہے۔ [illegible] کے بارے میں۔ ''ہم بے شکاری'' نام بھی پرانا اور انداز بھی۔ ''فریب'' واقعی خاص تحریر [illegible] نعیم یوسف کیلئے خصوصی شاباش کہ جنہوں نے نئی نسل کو ماضی سے آگاہ کیا۔ پرائڈ پبلک [illegible] غیر معیاری تھیں۔ (وہ اشتہار تھا ایسے ہی بن کر آیا تھا) ویسے پھول فورم میں چھوٹے بچے [illegible] آ رہی ہیں سوائے لڑکیوں کے۔

پھول [illegible] بچوں کا رسالہ ہے۔ مگر اکثر تحریریں بچوں کی پہنچ سے دور۔ (آپ ہی اسے چھوٹے بچوں کا کہتی [illegible] کے معیار کو بڑے بچوں کے لیے قرار دیتی ہیں) بچے رنگ اور مزاح پسند کرتے ہیں کیا بچوں کی [illegible] اور مزاح میں اضافہ ہو رہا ہے)۔

[illegible] صرف کہانی جب کہ ہماری حقیقی زندگی میں ایسے بہت سے کردار ہیں جو کم سے زیادہ کی طرف [illegible] ایک زندہ مثال ''زندہ کہانی'' ''قرآنی کہانی'' کے مصنف خالد بکڈ پو والے پروفیسر خالد پرویز صاحب ہیں۔ (پروفیسر خالد پرویز کا خالد بکڈ پو سے کوئی تعلق نہیں وہ ملتان میں پروفیسر ہیں)۔ حقیقی کرداروں سے [illegible] زندگی [illegible] کی خوبصورتی پر ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ ''پھول کہانی گھر'' ''واہ کیا بات ہے'' جیسے سلسلوں کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ اور پھول کلب کے سلسلے کو بھی دوبارہ شروع کر دیں تاکہ چھوٹے شہروں اور قصبوں میں پھول کی خوشبو عام ہو سکے۔ (فرحت جبیں...... مانانوالہ)

☆ ڈاکٹر عبدالقدیر کی تصویر دیکھ کر بہت دکھی ہوا۔ اتنا پیارا انسان آج کتنی مشکل میں ہے۔ جس شخص نے پوری قوم کو تحفظ کا احساس دیا آج خود کتنا غیر محفوظ ہے۔ ہم لوگ آج وہی کچھ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کر رہے ہیں۔ جو کوفیوں نے حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کیا تھا۔ اللہ کرے کہ ہمارے سیاستدانوں کو عقل آ جائے اور ہم امریکہ کی خوشنودی کے لیے اپنے محسنوں کا گلا گھونٹنے کی بجائے اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ اسکے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہونے کی جرأت کر سکیں۔ قدیر کہانی بھی اس دفعہ کچھ اداس اداس سی لگی۔ حمد و نعت اور کرنیں زبردست تھیں۔ صوفیہ شاذ کی "پیار ہے زندگی" کچھ ہٹ کر تھی۔ اسکی جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔ "میٹھی گولیاں" میں زوبینہ اصغر نے کتنے خوبصورت اور سادہ طریقے سے بہت بڑے مسئلے کی نشاندہی کی ہے۔ جسے ہم لوگ اہمیت نہیں دیتے۔ "ایشین ٹائیگر" [illegible] محرم الحرام اور حضرت امام حسینؓ کے حوالے سے تحریریں اچھی تھیں۔ طوائیم کا خط پڑھ کر عجیب سا لگا بھئی اگر آپکو مذہبی باتیں پسند نہیں تو آپ وہ نہ پڑھا کریں اور رہ گئی بات پھول فورم بند کر دینے کی تو آپ یہ بھی مت پڑھا کریں۔ کیونکہ یہ صرف آپکے کہنے پر بند کر دیا گیا تو ہم اپنے پیارے پیارے پھول ساتھیوں کے بارے میں کیسے جان پائیں گے۔ کہانیاں صرف پڑھتے ہیں جبکہ جو کہانیاں پھول میں چھپتی ہیں ان سے کچھ نہ کچھ سیکھتے بھی ہیں۔ اب آپکو پھول کمپیوٹر کالج پسند ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ میرے گھر میں تو کمپیوٹر ہی نہیں آپ اسے بند کر دیں تو اس لیے جو چیز آپکو پسند ہے آپ پڑھیے جو پسند نہیں اسے نہ پڑھیے کیونکہ ہو سکتا ہے جو چیز آپکو ناپسند ہے وہ دوسروں کو پسند ہو اس لیے وہ بند نہیں کی جا سکتی۔ (عثمان جاوید...... شکرگڑھ)

☆ مارچ کا شمارہ ملا۔ ٹائیٹل پر براجمان خوبصورت محمد کو دیکھ کر احساس ہوا کہ ہمارا کلچر ابھی زندہ ہے
پھول کو بڑی بے چینی سے الٹنا پلٹنا شروع کیا۔ اپنا خط ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔
سوچا تھا کہ پھول کے مستقل لکھاری بنیں گے۔ مگر ردی کی شریر ٹوکری میرا خط بھی ہضم کر گئی۔
آخر کب تک کھاتی رہے گی۔ ایک تو "موٹی" کا پیٹ بھی نہیں پھٹتا۔ خیر شمارہ کھولا اور لگے دلجمعی
سے پڑھنے۔ حمد باری تعالی اور نعت رسول مقبول ﷺ ازلی خوبصورتی کے ساتھ صفحے
پر ثبت تھیں۔ کرنیں ہمیں اسوۂ حسنہ کی طرف مائل کر رہی تھیں۔ آپ کے اداریے نے تو ہمیں لیاقت علی خان کا مکا یاد کرا دیا جو آج تک دشمن کو یاد ہوگا۔ "ماں کی دعا" واقعی ماں کی دعا عرش کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ اس دفعہ جس کہانی نے دوبارہ لکھنے کا حوصلہ دیا وہ تھی "حیات نو" کس قدر خوبصورت انداز بیاں تھا۔ واہ مزہ آ گیا۔ "پیار ہے زندگی" اچھی تحریر تھی۔ (انس محمود [illegible] ...... [illegible])

☆ آپ کا گلدستہ تو دن بدن مہکا جا رہا ہے۔ جس کی مہک سے ہر [illegible] ذہن روشن خیالات سے مہک جاتا ہے۔
(فریدہ اسلم...... گوجرانوالہ)

☆ مارچ کا شمارہ 28 تاریخ کو ہی مل گیا۔ ٹائٹل پر محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کی تصویر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ محمد قادری ایک تصویر میں حیرت سے ہمیں تک رہے تھے جب کہ دوسری تصویر میں تھوڑی سی مسکراہٹ اور حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ ٹائٹل 23 مارچ کے حوالے سے تھا کیونکہ ٹائٹل پر مینار پاکستان کی تصویر موجود تھی۔ سرورق الٹتے ہوئے پھول کا رنگ (پھول رنگ) ملاحظہ کیا۔ قمیض کے کالر کھڑے کیے چشمے کے شیشے صاف کیے اور ہاتھ میں محدب آئینہ تھاما، اوپر سے نیچے نیچے سے اوپر ہر طرف باریک بینی سے جائزہ لیا لیکن کسی صداقت حسین ساجد نامی قلمی پہلوان کا نام نہ دیکھ کر سکھ کا سانس لیا۔ (قارئین کی بھی یہی کیفیت تھی)۔ (صداقت حسین ساجد...... شورکوٹ جھنگ)

☆ پھول کی پرانی قاری ہوں اور آپ سے پہلی دفعہ مخاطب ہوں۔ آج آپ کو پھول کا ایڈیٹر تسلیم کر لیا ہے۔ اس لیے تو خط لکھ رہی ہوں۔ دراصل اختر بھیا کے یوں اچانک چلے جانے کا شدید صدمہ پہنچا تھا اور پھول بھی یک دم تبدیل ہو گیا۔ دراصل ہم نے اپنے ذہنوں میں یہ بات نقش کر لی تھی کہ اختر بھیا تا عمر پھول کے ایڈیٹر رہیں گے۔ پھول آپ کی ایڈیٹری میں بھی بہت اچھا جا رہا ہے۔ آپ کو مبارکباد ہو۔ دوسرے آپ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔
(رخسانہ شبیر...... ڈیرہ غازی خان)

☆ مارچ کا پھول فروری کی آخری تاریخ کو ہی مل گیا تھا۔ رنگ برنگے پھولوں کے پاس کھڑا کیوٹ سا بچہ اپنی تمام معصومیت چہرے پر سجائے بہت پیارا لگ رہا تھا۔ اس بار پھول یوم پاکستان کے حوالے سے بہت شاندار تھا۔ لیکن ساتھ پہلے کی نسبت اسلامی واقعات اور اسلامی سلسلے زیادہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور بہت سی معلومات میں بھی اضافہ ہوا۔ حمد باری تعالی اور نعت رسول مقبول ﷺ پڑھ کر دل کو ایمان کی روشنی سے منور کیا۔ میرے خیال سے پھول واحد رسالہ ہے جو بیک وقت ہمیں پوری دنیا اور تاریخ سے روشناس کراتا ہے۔

محمد عارف عثمان کی "چراغ" میں آزادی کی نعمت پر روشنی ڈالی گئی۔ بلاشبہ آزادی بہت قربانیوں کے بعد نصیب ہوتی ہے اور ہم کم از کم اپنے ان مسلمان بہن بھائیوں کیلئے آزادی کی دعا تو کر سکتے ہیں جو اپنی آزادی حاصل کرنے کیلئے کئی برسوں سے بہت بڑی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ "حیات نو" میں زندگی گزارنے بلکہ سر اٹھا کر جینے کا درس ملا۔ اور یہ بھی سیکھا کہ ہر مشکل اور آزمائش کا آسان حل خودکشی نہیں۔ عام حالات میں تو ہر کوئی جی سکتا ہے مزہ تو تب ہے جب خدا پاک نے آپ پر آزمائش ڈالی اور پھر آپ میں اتنی جرأت اور حوصلہ ہے کہ اس آزمائش پر پورا اتر سکیں اور کامیابی حاصل کریں۔ صوفیہ شاذ کی "پیار ہے زندگی" بہت اچھی تھی۔ جب اللہ جی نے خود فرمایا ہے کہ مجھ سے جتنی بار معافی مانگو گے میں معاف کروں گا اور اپنی مہربانیاں تم پر عنایت کروں گا تو پھر ہم کیوں نہیں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے۔ "رشتہ" کا بس ہر بار انتظار ہوتا ہے۔ اور ہر بار مزید انتظار بڑھ جاتا ہے۔ "قدیر کہانی" میرے فیورٹ سلسلوں میں سے ایک ہے۔ لیکن آجکل جس طرح کی خبریں سننے میں آ رہی ہیں۔ کیا قومی ہیرو کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے؟ مجھے تو ان پر بہت فخر ہے اور فخر رہے گا۔ اور فخر کیوں نہ ہو جب انہوں نے ہمیں دنیا کے بڑے بڑے ممالک کیساتھ لا کھڑا کیا۔ "ہم بنے شکاری" اور "عظیم گمنام" بھی بہت شاندار کہانیاں تھیں۔ (سارہ چوہدری...... چکسواری، آزاد کشمیر)

☆ حمد باری تعالی اور نعت رسول مقبول کافی سویٹ تھی۔ ہر شعر شاعر کی اپنے سچے مالک اور اپنے پیارے نبی ﷺ سے عقیدت کا بڑا والہانہ اظہار تھا۔ اس کے بعد اداریے کی طرف بڑھے یہ آپ کی واحد تحریر ہوتی ہے جو پھول میں پڑھنے کو مل جاتی ہے آپ میرے خیال میں کافی شرمیلے واقع ہوئے ہیں۔ کوئی سٹوری کوئی کالم لکھا کریں اور ہاں بھائی جان ٹیلی فونک کالم دوبارہ شروع کر دیں اس طرح آپ سے براہ راست بات کرنے کا موقع مل جائے گا ہمیں تو کب سے انتظار تھا کہ ہمارے گاؤں میں فون لگے تو ہم ٹیلی فونک کالم میں شرکت کر سکیں۔ لیکن نصیب دشمناں آپ نے وہ کالم ہی ختم کر دیا اب پلیز پلیز وہ کالم شروع کر دیں۔ (آپ کا شکریہ آپ نے ٹیلی فون لگتے ہی سب سے پہلے ہمیں فون کیا۔ پتہ نہیں فون لگنے پر مبارکباد دینی چاہیے یا نہیں بہرحال فون لگنے اور آپ کی باجی زاہدہ علی کی شادی کی سالگرہ پر ڈھیروں مبارکباد) (جویریہ رمضان...... جام پور)

☆ آپکی محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں لیکن کئی ماہ سے پھول کی خوشبو سونگھ رہی تھی اب رہا نہیں گیا آپکو خط لکھنے بیٹھ گئی ہوں۔ ماشاءاللہ پھول دن دگنی رات چگنی ترقی کر رہا ہے خدا نظر بد سے بچائے۔ پھول کا تازہ شمارہ ملا نہایت خوبصورت ٹائٹل تھا۔ (ابیحہ خاتون بنت عبدالسلام۔ سنیاری کلاں شکرگڑھ)

☆ خدا کرے ماہنامہ پھول پاکستان کی طرح روشن رہے اور اسکی روشنیوں میں چمکتا دمکتا رہے۔ اور لوگوں کے ذہنوں کو چمکاتا رہے۔ مجھے جس بات نے خط لکھنے پر مجبور کیا ہے وہ یہ ہے کہ پھول نے مجھے حوصلہ اور ہمت دی۔
(نذیر احمد۔ مظفرگڑھ جھگی والا)

☆ مارچ کا پھول خریدا حسب معمول بڑا ہی خوبصورت سا ٹائٹل۔ بڑا ہی معصوم، خوبصورت اور حیران سا بیٹھا بچہ اس کی تصویر پر دل کو بھائی۔ حمد باری تعالی، نعت شریف اور کرنیں پھول کی پہلی پتی پر جگمگا رہی تھیں۔ اداریہ حسب معمول اپنی مثال آپ تھا آپ کا لکھا گیا اداریہ ہمیشہ دل کو بھاتا ہے۔ آپ سچائی کی تہہ میں پہنچ کر گوہر نایاب کو باہر نکالتے ہیں اور اداریے کے ذریعے نئی نسل کو راہ عمل کی وہ روشنی دکھاتے ہیں جو شاید ہمارے ہاں مفقود ہو چکی ہے اللہ تعالی آپ کے زور قلم کو اور بھی تابانیاں عطا فرمائے۔ آمین! میں نے سب سے پہلے قدیر کہانی پڑھی کیونکہ دہ میری پسندیدہ شخصیت ہیں ان کی کہانی پڑھ کر دل میں ایک عجیب سی امنگ پیدا ہوتی ہے۔ وطن کیلئے کچھ کر گزرنے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ (حفیظ الرحمٰن خان۔ پپلاں میانوالی)

☆ شازیہ [illegible] کی تحریر میں ایک کشش ضرور ہوتی ہے جو آخر تک پڑھنے پر مجبور کرتی ہے۔ ان کی کہانیوں میں وہ [illegible]

☆ پھول [illegible] بہت خوشی ہوئی کیونکہ ہماری سات پشتوں نے بھی کبھی انعام نہیں جیتا۔ سارے گھر والے تو بہت ہی خوش ہیں [illegible] صاحب جن کا یہ فلسفہ تھا کہ یہ لوگ اپنوں کو نوازتے ہیں۔ وہ میرا نام پڑھ کر بہت زیادہ خوش ہوئیں۔ (حافظ محمد [illegible]۔ محلہ منظور آباد [illegible])

☆ ماہ مارچ کا خوبصورت ٹائٹل، سبق آموز کہانیاں اور ہر قسم کا علمی مجموعہ پھول پڑھنے کر بہت خوشی ہوئی۔ (امجد علی رضو۔ سکردو)

☆ اس دفعہ کہانیوں میں سب سے زیادہ ماں کی دعا، حیات نو، پیار ہے زندگی
آخری سفارش، چراغ، رشتہ پیار کا، اور میٹھی گولیاں بہت اچھی لگیں۔ پھول کمپیوٹر کالج
سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے میں نے بھی کمپیوٹر سیکھ لیا ہے۔
میں نے پھول فورم میں تصویر بھیجی تھی۔ جب بوڑھا ہو جاؤں گا پھر آئے گی کیا۔ (
کیا دو تین ماہ میں بوڑھے ہو جائیں گے؟)۔
(اسد اقبال، بلال عمر۔ عیدگاہ روڈ نارووال)

☆ بھیا اداریہ کے علاوہ آپ کی تحریر کی کافی کمی محسوس ہوتی ہے پلیز اپنی تحریر کو مستقل کریں یا کم از کم شاہکار کہانی مع انٹرویو کے شائع کر دیں۔ اب کچھ بات ہو جائے۔ کہانیوں کی۔ شاز آپی میری آئیڈیل ہیں ان کا لکھنے کا سٹائل مجھے بہت پسند ہے۔ پیار ہے زندگی کے علاوہ فرض کی روشنی، عظیم گمنام، حیات نو، چراغ، اچھی تھیں۔
آپکے ساتھ شکوے شکایتیں اس امید کے ساتھ ہوتے ہیں کہ آپ بہت اچھے ہیں اور ویسے بھی ہمارا "پھول" کے ساتھ رشتہ ہی اس قسم کا ہے جو اپنائیت کے ساتھ ساتھ [illegible] محبت پر مشتمل ہے۔ (سعدیہ ثمینہ۔ واربرٹن شیخوپورہ)

☆ مارچ کے شمارے کی تعریف کہاں سے شروع کروں اور کہاں پر ختم کروں سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کیونکہ سب کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں۔ خاص طور پر سانپ کو دودھ پلانا' چراغ' قدر یکہانی' پیار ہے زندگی' حیات نو اور خاص طور پر ماں کی دعا پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے کیونکہ ہمارے ماں باپ بچپن سے بڑے ہونے تک ہماری بڑی مشکل سے ہماری دیکھ بھال کرتے ہیں اور اگر بڑھاپے میں ہمارے ماں باپ میں سے کوئی بیمار ہو جائے تو ہم بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ میں یہ کہانی پڑھ کر گھنٹوں روتا رہا۔ کاش ہم لوگ بھی موسیٰ علیہ السلام کا ساتھی بننے کا عہد کر لیں آپ حضور ﷺ کا ساتھی بننے کی تمنا کریں)۔ خدا تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے والدین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے سروں پر ہمیشہ ہمارے پیارے والدین کا سایہ سلامت رکھے۔ میرے ہاتھ پر چوٹ لگی ہوئی ہے صرف ایک ہاتھ سے خط لکھ رہا ہوں۔
(میں خود بھی ایک ہاتھ سے ہی خط لکھتا ہوں)۔
(احسان محمود ٹیپو۔ نارووال)

☆ واہ واہ اس دفعہ تو کمال کا شمارہ نکالا۔ سرورق نے تو رسالے کو چار چھوڑ کر آٹھ چاند لگا دیئے مارچ کا شمارہ بہار کے پھولوں کی مہک لئے ملا اور حضرت امام حسینؓ کے کربلا کے واقعے کو تازہ کر دیا۔ پھول کو میں نے بار بار پڑھا اب کس کہانی کی تعریف کروں پھول خود ہی پھول کی طرح ہے۔ (حسین علی اعوان۔ بھریا روڈ)

☆ قرآن کہانی کے علاوہ کہانیوں میں سب سے پہلے نمبر پر "فریب" دوسرے نمبر پر "صبح کا بھولا" اور تیسرے نمبر پر "سچا عہد" تھیں۔ "چراغ" بہت ہی اچھی تحریر تھی۔ (سید محمد جنید بادشاہ)

☆ آپ پھول فورم میں جب پھول پڑھنے والوں کا تعارف شائع کرتے ہیں تو ساتھ میں ان کا مکمل ایڈریس بھی شائع کریں تاکہ قلمی دوستی کی جا سکے۔ پھول کتاب گھر کا سلسلہ مجھے بہت ہی پسند آیا اس میں ہمیں اچھی کتابوں کے بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔ پہلے ہمیں خود محنت کر کے تلاش کرنی پڑتی تھی مگر اب آپ نے اب ہماری مدد شروع کر دی ہے۔
(سید محمد علی شاہ۔ علی نگر' سندھیلیانوالی)

☆ اس دفعہ بھی پھول پہلے کی طرح نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا تھا۔ تمام کہانیاں اچھی خوبصورت اور سبق آموز تھیں۔ (شہزاد احمد شہزاد۔ ڈھانگری بہادر آزاد کشمیر)

☆ میں نے بہت سارے میگزین پڑھے مگر سب سے زیادہ اچھا زندگی سنوارنے والا اخلاق کا درس دینے والا تمام انسانیت سے پیار کا درس دینے والا صرف پھول ہی ہے پھول ہی وہ میگزین ہے کو جو بھی اسے پڑھے اس کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ سخت سے سخت آدمی کو پھول بنا دیتا ہے۔ (قمر شہزاد۔ چکسواری آزاد کشمیر)

☆ پھول کا نیا مارچ کا شمارہ بہت اچھا تھا سب کہانیاں اور سلسلے بہت ہی زیادہ اچھے تھے۔
(امجد محمد کندی۔ شیر بہادر کندی۔ اظہر اقبال کندی۔ عظمیٰ شاہین کندی۔ کندیاں)

☆ پھول کا مستقل قاری اور لکھاری ہوں۔ میرے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ ابھی آپریشن کیے ہوئے صرف 12 دن گزرے ہیں لیکن میں پھول کو نہ لکھوں یہ تو ہو ہی نہیں سکتا (بہت بہت شکریہ)۔ (تصور وقاص علی زرگر۔ دھوری سرگودھا)

☆ پھول میں بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کے بھی فائدے ہیں اس ماہ کا پھول بہت ہی اچھا تھا خدا تعالیٰ اس کو اور ترقی دے اور پھول کے تیرہ سال پورے ہونے پر بہت بہت مبارک قبول ہو۔ (ساجد محمود۔ کراچی)

☆ سب سے پہلے آپ کو پھول کی ادارت بہت مبارک ہو۔ میں پھول کا تقریباً تین سال سے مطالعہ کر رہی ہوں۔ پھول مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اسلامی' سائنسی اور نصیحت آموز کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔

نوٹ: یہ میں آپ کو مکھن نہیں لگا رہی۔ (فاطمہ صمدی۔ پشاور)

☆ آخر مجھ سے ایسی کون سی غلطی ہو گئی ہے جس کی سزا آپ مجھے دے رہے ہیں جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے وہ یہ کہ پچھلے خط میں میں نے خط کے شروع میں آپ کا نام اور السلام علیکم نہیں لکھا تھا۔ میں اس کی آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ (تمام قارئین اندازہ کریں) پہلے میں پھول کبھی کبھی پڑھتا تھا۔ نہ جانے پھول پر آپ نے کیا جادو کیا ہے کہ ہر ماہ میں بے چینی سے پھول کا انتظار کرتا ہوں۔ میں نے کئی لطیفے بھی آپ کو بھجوائے تھے۔ لیکن آپ نے وہ بھی شائع نہیں کئے۔ افسوس کہ آپ کو ہمارا کچھ خیال نہیں ہے۔ (بدگمانی دل سے نکال دیں۔ پھول کے تمام قارئین ہمیں بہت عزیز ہیں)۔
(ممتاز محمود۔ ڈنڈوت)

☆ آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا نظم بھی صفحہ کے ایک جانب لکھا کریں۔ (جی ہاں) اور جو میں نے اس سے پہلے نظم بھیجی تھی اس کا کیا ہوا؟ (خود ہی اندازہ کر لیں۔ ویسے آپ نثر پر توجہ دیں) (نور العین۔ کوہاٹ)

☆ آپ کی زیر ادارت نکلنے والا ہر رسالہ ویسے تو دن بدن نکھر رہا ہے لیکن اگر آپ اداریہ میں تھوڑی سی جدت یا دلکشی پیدا کریں تو مزید چار چاند لگ جائیں گے!!! قدم آپ نے بڑھانا ہے ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں!!! تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ جن میں "پیار ہے زندگی" چراغ' میٹھی گولیاں' فریب' صبح کا بھولا' اور حیات نو ہیں۔
(عالیہ ملک۔ سوہاوہ)

☆ اداریہ زبردست ہوتا ہے یہ امی کی رائے ہے۔ وہ اداریہ پڑھ کر ہمیں بھی سمجھاتی اور سناتی ہیں رسالہ ہر لحاظ سے بھرپور تھا اور ہر ماہ بہتر سے بہتر ہوتا جا رہا ہے۔ کہانیاں اور معلوماتی تحریریں سب بہت اچھی تھیں۔ "حیات نو" "بندر میاں اور آگ" "ہم بنے شکاری" "سچا وعدہ" "صبح کا بھولا" ٹاپ پر رہیں۔ محرم الحرام اور یوم پاکستان کے حوالے سے لکھی گئی تحریریں بھی متاثر کن تھیں۔ یہی تو ہے زندگی میں فائز حسن سیال بہت اچھی باتیں بتاتے ہیں لیکن یہ سلسلہ اگر مختصر ہو تو زیادہ دلچسپ اور قابل عمل ہو گا۔ نرالے ہیں انداز ہمارے بورنگ سلسلہ ہے (ذرا چھوٹے بچوں سے پوچھ کر دیکھیں) (ماریہ جاوید چوہدری۔ وہاڑی)

☆ ماہنامہ پھول پچھلے چند ماہ میں بڑا ہی متوثر نظر آ رہا ہے نئے سلسلے اور نیا انداز نئے لکھاری سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام تحریریں میرٹ پر منتخب کی جا رہی ہیں۔ جسکی بدولت پھول میں ایک نئی جدت پیدا ہوئی ہے جو پھول کو دوسرے میگزینوں سے بہتر بنانے کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہمارے علاقہ (پھالیہ) میں پھول پڑھنے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے جو کہ پھول کی اچھی کارکردگی کی وجہ سے ہی ممکن ہوا ہے جو ساتھی بھی پھول اور پڑھتا ہے مستقل قاری بن جاتا ہے ماہنامہ پھول کی نئی ٹیم نے پھول میں جو جدت پیدا کی ہے وہ اس کاوش پر مبارکباد کی مستحق ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو کامیاب کرے اور انہیں لمبی عمر عطا فرمائے کیونکہ یہ نئی نسل کی خدمت کر رہے ہیں نئی نسل کو ادب کے ساتھ منسلک کر رہے ہیں۔
(محمد عاقب سلیم۔ لیدھر کلاں۔ پھالیہ)

☆ کشمیر اور فلسطین کے مسلمانوں کے ساتھ ظلم و تشدد کے بارے میں بتایا گیا ہے اور مجھے اس بات پر بھی حیرانگی ہوئی کہ ہم اور ہماری حکومت آئے دن مسلمانوں کی لاشیں دیکھتی ہے اور ہماری حکومت میں جہاد کا جذبہ تک نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے مسلمانو! جہاد کرتے رہنا ورنہ کافر ہم پر غالب ہو جائیں گے۔ (مظہر علی اعوان۔ بھریا روڈ)

☆ مارچ 2004ء کا شمارہ ملا۔ سرورق خوبصورت تھی۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ "حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ" دل میں اتر گئیں۔ "کرنیں" خوبصورت سلسلہ ہے۔ "قرآن کہانی" "ماں کی دعا" "حیات نو" "پیارے ہے زندگی" "آخری سفارش" "رشتہ" "قدر یکہانی" "حضرت امام حسینؓ کے بچپن کے حالات" "فریب" بے حد پسند آئے۔ محرم الحرام کے حوالے سے تحریریں بے حد پسند آئے اور معلومات میں اضافہ ہوئی۔ (ہم تو سمجھتے تھے کہ صرف صوبہ سرحد والے مذکر مونث تبدیل کرتے ہیں مگر آپ بھی......اچھا لگا۔ اس لئے تصحیح کر دی) (الٰہی بخش دیدگ' بلیدی مکران)

☆ میں خیریت سے ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ بھی خیریت سے ہونگے۔ اور کیسے نہ ہونگے مجھ جیسے ہزاروں معصوم بچوں کی دعائیں جو آپ کے ساتھ ہیں۔ "پھول فورم" میں اپنی تصویر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ (دوسروں کی تصویریں دیکھ کر بھی خوش ہوا کریں) محمد یاسر علوی دوست۔ حاصل پور)

☆ مارچ 2004ء کا شمارہ اس بار بھی حسب معمول جلد ہی مل گیا۔ ٹائٹل حسب سابق بہت خوبصورت تھا۔ اس بار یوم پاکستان اور یوم عاشورہ کے حوالے سے تحریریں بہت خوبصورت تھیں۔ "اندھیرا اجالا" کے مصنف [illegible] کی تعریف کرکے بہت خوشی ہوئی۔ آپ سوچ رہے ہونگے کہ میں نے صرف تعریف ہی کی ہے تنقید نہیں۔ [illegible] تنقید کرنے والی کوئی وجہ مجھے ملی ہی نہیں۔ اور میں دعا کرتا ہوں نہ ہی ملے۔ (محمد طاہر عمیر۔ کمالیہ)

☆ مارچ کا شمارہ لیا تو ایسا لگا کہ اس بار کا شمارہ روایتی انداز سے ہٹ کر خاص انداز میں ڈھلا ہوا ہے۔ سرورق پر جہاں مینار پاکستان اور اسکے گرد رکھے ہوئے پھول ہمارے اسلاف اور بہار کی یاد تازہ کر رہے تھے وہاں مہد قادری کی پھول کیطرح کھلی ہوئی تصویر دل کو لبھاتی ہوئی پیغام دے رہی تھی کہ "ہم بھی پھولوں سے کسی طور پر کم نہیں" ساتھ میں ڈاکٹر خاں کی غور و فکر میں ڈوبی تصویر پر بھی نظر پڑی جو شائد بلکہ یقیناً اس بات پر ملول نظر آ رہے تھے کہ انہیں اپنے اہل وطن سے ایسی خود غرضی کی امید نہیں تھی جو ان کی خدمات کے صلے میں ان سے برتی جا رہی ہے۔ جس طرح آپ نے بہنا علیزہ عباس کی تنقید کو کھلے دل سے قبول کیا تو اس وقت آپ مجھے سابق ایڈیٹر کے شانہ بشانہ مسکراتے نظر آئے۔ باقی سارا رسالہ نہایت عمدہ تھا یہ شمارہ مجھے ہر لحاظ سے ایک جامع شمارہ لگا تبھی تو قلم اٹھانے پر مجبور ہوا ہوں۔ (مقبول احمد۔ خیر پور ٹامے والی)

☆ مجھے پھول پڑھتے ہوئے مہینہ دوسرا اور خط پہلا ہے۔ پھول سے تعلق میرے دوست رؤف احمد شاہ کی وجہ

سے ہوا۔ پھول پڑھ کر میں نے اس کا مستقل قاری بننے کا فیصلہ کرلیا۔ اس میں کہانیاں لاجواب ہوتی ہیں۔ لطائف اور دنیا کیا ہے کیا مجھے سب سے زیادہ پسند آئے۔ اس کے علاوہ کرنیں' جہاد سے متعلق کہانیاں اور الحدیث کو میں انتہائی شوق سے پڑھتا ہوں۔ اور میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاؤں۔ آپ بھی دعا کریں۔ (اللہ تعالیٰ سب کو یہ خواہش اور سعادت نصیب فرمائے)۔ (ملک محمد کلیم عمران ذوگر جھگی والہ)

☆ میں یہ خط اپنی آپی سعدیہ سے لکھوا کر بھیج رہی ہوں ضرور شائع کریں۔ میرے امتحان ہونے والے ہیں آپ میرے لئے دعا کریں۔ (آپ محنت کریں ہم دعا کریں گے) آپ اپنے رسالے میں چھوٹے بچوں والی اور کارٹون والی کہانیاں بھی دیا کریں۔ (بڑے بچے ناراض ہوتے ہیں۔ اب تو چھوٹے بچوں کیلئے بھی کچھ سلسلے ہوتے ہیں()صالحہ نورین۔ نارووال)

☆ ''پھول'' میرے ہاتھ میں ہے۔ بے قراری سے اس کو جب تک پڑھ نہیں لیا چین نہیں آیا ہمارا تو وہ حال ہے

اس وقت انتظار کا عالم نہ پوچھیے

جب کہہ رہا ہو کوئی آ رہا ہوں میں

آپ ہر اہم موقع یا مذہبی تہوار پر کوئی نہ کوئی تفصیلی کالم ضرور لکھتے ہیں۔ اس طرح ہم جیسوں کا بھی بھلا ہو جاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ہم بھی عبادت کر لیتے ہیں۔ ''حیات نو'' آجکل ہم جیسے نوجوانوں کے لئے بے مثال کہانی ہے۔ ''چراغ'' اس ماہ کی بہترین کہانی تھی۔ (یسرا بانو۔ سدھار)

☆ یوں تو پھول سے کافی عرصہ سے تعلق ہے مگر اسمیں جو تبدیلیاں گزشتہ 4-5 ماہ کے اندر ہوئیں ہیں اس سے پھول واقعی صف اول کا میگزین بن گیا ہے۔ ایک عدد گزارش ہے کہ اس میں شاعری والا سلسلہ ضرور شائع کریں۔ مارچ کے شمارے میں حیات نو' آخری شفارش' میٹھی گولیاں' اور خدا جانے کہاں کیا ہے۔ بہترین کہانیاں تھیں۔ (سبطین احمد شاہد سیال۔ چکلالہ)

☆ واہ بھیا واہ! آپ نے سرورق پر ہی ایسا خوبصورت اور روح پرور شعر لکھ کر ہمارے دل جیت لئے اور پھر محمد قادری کی تصویر نے تو سرورق کو چار چاند لگا دیئے۔ اس کے بعد حمد و نعت پڑھیں اور کرنیں کے بعد حسب معمول اداریہ کی طرف آئے۔ جس میں آپ نے قرارداد پاکستان اور واقعہ کربلا کا خوب نقشہ کھینچا۔ لو جی اتنی آپ کی تعریف کر لی اور اپنے پھول کی بھی یہ تعریف سن کر آپ خوش تو ہوئے ہونگے لیکن آپ نے ابھی تک قلمی دوستی کا سلسلہ شروع نہیں کیا۔ قلمی دوستی کا سلسلہ جلد از جلد شروع کریں تا کہ ہم اچھے دوست بنا سکیں۔ (پیر محمد سبطین عرف مشو شاہ۔ جھگی والہ)

☆ مارچ کا شمارہ محمد قادری کے خوبصورت اور دیدہ زیب تصاویر کے ساتھ ملا۔ حضرت امام حسینؓ کے بارے میں فیچر اور نظم پڑھ کر دل کو سکون محسوس ہوا۔ آپ کچھ سلسلے ایک شمارے میں شائع کرتے ہیں تو دوسرے میں وہ سلسلہ نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ''پھول اخبار'' وغیرہ (زرا ذائقہ بدلتے رہنا چاہئے) اس کے علاوہ قدیر کہانی ''رشتہ'' اچھی جا رہی ہیں۔

(رؤف احمد شاہ جھگی والہ' جتوئی)

☆ بہترین ٹائٹل، آخری شفارش' چراغ' سانپ کو دودھ پلانا اور صبح کا بھولا جیسی کہانیاں ماہ مارچ کے پھول کی زینت بنیں۔ ماہ رواں کی مناسبت سے اور محرم الحرام کے بارے میں تحریریں قابل تعریف ہیں۔ جیسے ''فریب'' ہندو بنیے کے لالچ کی غماز' حکمرانوں کا منہ چڑھا رہی ہے۔ یہ امر گھائے کا سودا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ پس پشت ڈال دیا جائے۔ نظموں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے' یہ جو کہانیوں کا عنوان اتنے کھڑا ہوا' یہ بھی ٹھیک نہیں' کیا پندرہ کہانیاں ٹھیک نہیں؟ وقت کی ضرورت ہے کہ ٹیلی فونک کالم شروع یا پھر بعنوان انعامی مقابلہ مصوری' کریں۔ اس طرح صفحہ بتایئے۔...... والا سلسلہ ختم ہو جائے۔ کبھی سلسلہ وار کالم بہترین جا رہے ہے۔ ادیبوں کے تعارف کا سلسلہ بھرپور طریقے سے جاری ہے۔ محسن پاکستان کو خراج تحسین قابل ستائش ہے۔

(عمران رشید۔ شیخوپورہ)

☆ ''پھول'' میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ پھول کے سارے سلسلے ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں مجھے تو پھول کی تعریف کرتے ہوئے الفاظ بھی نہیں مل رہے ہیں۔ دعا ہے کہ ''پھول'' تا قیامت اسی طرح دائم و قائم رہے۔ آمین۔ (انیل امید۔ آسیا آباد)

☆ مارچ کا شمارہ پڑھ کر ذہن کے یہاں خانوں میں کئی سوال ابھرتے اور ابھر ابھر کر ڈوبتے رہے۔ بچوں کے پڑھنے کے لئے خوبصورت لازوال اور انمٹ نقوش چھوڑنے والا اداریہ، کہانیاں، محسن پاکستان' ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے بارے میں خوبصورت مگر جامع ہر حرف دل میں اترنے والا ہے۔ الحدیث کا سلسلہ موتیوں بھرا ہے بچوں کی ذہنی پرورش کے لے بے حد مفید ہے۔ اندھیرا اجالا سے شہرت پانے والے ڈاکٹر یونس جاوید کے حالات زندگی اور ان کی کہانی صبح کا بھولا پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ میرے اللہ علم کے سچے موتیوں کا خزانہ ماہ نامہ پھول سدا جگمگاتا رہے۔ (تحسین نیازی۔ میانوالی)

☆ آپ پھول میں نعتیں زیادہ دیا کریں۔ کیونکہ ہم سکول میں بھی نعتیں پڑھتے ہیں۔ (عبدالسمیع۔ عدیل احمد۔ نارووال)

☆ میں پھول رسالے سے اپنے دوست غلام دستگیر کی وجہ سے متعارف ہوا۔ اس نے مجھے رسالہ تحفے میں دیا۔ مجھے بہت پسند آیا اس ماہ بھی پڑھا بہت زبردست تھا۔ خدا آپکو اور اس رسالے کو ترقی دے۔ (محمد سلیم اختر۔ نارووال)

☆ میں پھول کا چار سال سے باقاعدہ قاری ہوں۔ یہ میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ مارچ کا شمارہ یکم مارچ کو ملا۔ اس دفعہ 23 مارچ کے حوالے سے بھی اشاعت خوب تھی۔ قرآن کہانی ''ماں کی دعا'' پسند آئی اس کے علاوہ قدیر کہانی' رشتہ بھی اچھی تھیں۔ (زاہد اقبال۔ پنڈ سلطانی ضلع اٹک)

☆ مارچ کا شمارہ! کیا بات ہے۔ مینار پاکستان' پیارا سا بچہ' ہمراہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کے سرورق کو چار کے بجائے پانچ چاند لگا رہے تھے۔

اور اوپر کونے میں درج شعر ایک الیے کو یاد دلاتا ہے

وہ میرا رہبر تھا' میرا ہی امامؓ تھا

جو زندگی کو خون سے عنوان دے گیا۔

یہ دونوں مصرے ہمارے نبیﷺ کے پیارے نواسے کی یاد میں تازہ کرتے ہیں۔ ان کی عظیم قربانی کو یاد دلاتے ہیں کہ انہوں نے نانا کے دین کو روشن کرنے کیلئے اپنی جان قربان کر دی۔

(رضوان عباس تارڑ۔ لیدھر کلاں پھالیہ)

اس ماہ کا رسالہ بہت ہی زبردست تھا۔ ٹائٹل تو بہت زبردست تھا۔ بھیا آپ جلد از جلد پھول کہانی گھر کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں۔ (غلام دستگیر۔ نارووال)

☆ کھٹے میٹھے خط پڑھ رہی تھی تو دل سے چاہا کیوں نہ میں بھی پیارے بھیا جی کو خط لکھوں۔ کچھ خط لکھنے والوں کو یہ شکوہ ہے کہ ان کا خط شائع نہیں ہوتا بلکہ ردی کی ٹوکری کی نذر کیا جاتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ بھیا جب اتنے پیارے ہمارے خط پڑھتے ہیں۔ اور انہیں شائع بھی کرتے ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے ہمارے اکثر خط ان تک نہ پہنچتے ہوں۔ اس بار پھول کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ (شکیلہ اکرم۔ نوکھر، گوجرانوالہ)

☆ مارچ کا شمارہ بے حد پسند آیا۔ سب سے پہلے پیارے نبی پاکﷺ کے ارشادات پڑھے۔ اداریے کا یہ فقرہ کہ ظاہری طور پر دکھائی دینے والی فتح یا شکست حقیقت اپنے اندر مختلف معنی رکھتی ہے پسند آیا۔ کہانیوں میں صوفیہ آپی کی کہانی پیارے زندگی بہت پسند آئی۔ پلیز صوفیہ آپ مستقل پھول میں لکھنا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ زوبینہ جی کی میٹھی گولیاں بھی بڑی میٹھی تھیں۔ پروفیسر خالد پرویز اور پروفیسر ظریف خان کی بات ہی سب سے الگ ہے۔ یہی تو ہے زندگی ناصر صاحب اور پھول نے مل کر میری زندگی میں بہت سی مثبت تبدیلیاں پیدا کی ہیں اور میں پھول کو ہی اپنا روحانی استاد مانتی ہوں۔

(صائمہ رفیق۔ مظفر گڑھ)

☆ پھول واقعی شخصیت نکھارنے والا میگزین ہے۔ اس کی ادا سب سے جدا ہے۔ پورے رسالے کی تمام کہانیاں بے مثال تھیں۔ اس کا خوفناک نمبر بھی نکالیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جناب حمید نظامی صاحب کا یہ لگایا ہوا پودا قیامت تک ہمیں خوشبو دیتا رہے۔ (زبیر احمد' لاہور کینٹ)

☆ پھول کا تازہ شمارہ نظر سے گزرا۔ ماشاءاللہ آپ نے پھول کو پہلے سے کہیں زیادہ جاندار اور شاندار کر دیا ہے۔ ٹائیٹل ہو یا کہانیاں سب ہی بے مثال ہے۔ تازہ پرچے میں آپ نے ''ایشین ٹائیگر'' ملائیشیا کے عنوان سے ڈاکٹر مہاتیر محمد کے ملک ملائیشیا پر محمد بدر منیر کی تحریر رنگین اور جاذب نظر شائع کی ہے۔ بدر منیر صاحب کا نام مضامین کی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس بات کی صداقت میں کوئی کلام نہیں کہ ملائیشیا اس وقت ایشین ٹائیگر ہے اور اس نے ہم سے بعد میں آزادی حاصل کر کے ہم سے زیادہ ترقی کی ہے۔ بدر منیر صاحب کے کالم میں چند باتیں ایسی ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مثال کے طور پر محترم اپنے مضمون کی تیسری سطر میں ہی لکھتے ہیں کہ ملائیشیا میں آپ کو گداگر دکھائی نہ دے گا۔ یہ بات بہت حد تک غلط ہے وہاں گداگری ہم سے کم ضرور ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ آپ کو کوئی گداگر نہ مل سکے۔

چائلڈ لیبر کے حوالے سے بھی بہت کام ہونا باقی ہے اگر آپ کہیں چھوٹی چھوٹی دکانوں یا ہوٹلوں میں خریداری یا کھانے پینے کو جائیں تو وہاں چائلڈ لیبر ہے اکثر تو یہ دیہی علاقوں میں ہے مگر ہم سے پھر بھی کم ہے۔

حج کے بارے میں دوسری معلومات درست ہیں کہ حکومت قرضے فراہم کرتی ہے اور تنخواہوں سے کاٹ لیتی ہے مگر اس میں بھی ذرا سی تبدیلی کر لیں کہ جب آپ برسر روزگار ہوتے ہیں تو خود بخود حکومت آپ کی تنخواہ کا ایک مخصوص حصہ کاٹ لیتی ہے جو کہ عموماً 50 رنگٹ یعنی 8 یا 9 سو روپے پاکستانی ماہانہ بنتے ہیں۔ اتنی رقم ہر ماہ تنخواہوں سے کاٹ لی جاتی ہے اور پھر یہ حکومتی تنظیم تابونگ حاجی (حاجیوں کا گلا یا حاجیوں کا بنک) میں جمع ہوتی رہتی ہے جب آپ کی تنخواہ مخصوص حد تک جمع ہو جاتی ہے تو پھر آپ کو اطلاع کر دی جاتی ہے کہ اب آپ اپنی جمع شدہ رقم سے حج کر سکتے ہیں۔

(رانا راشد علی خان...... فیصل آباد)

صدارتی ایوارڈ یافتہ بچوں کے ادیب

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی



پاکستان میں سیرت النبی ﷺ پر بچوں کیلئے لکھی گئی پہلی صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب ''ہمارے حضور ﷺ'' کے مصنف ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی 21 اگست 1936ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام عابد حسین' اردو کے مشہور ادیب اور روحانی پیشوا خواجہ حسن نظامی نے رکھا۔ جبکہ قلمی نام عابد نظامی ہے۔ آپ کے والد محمد حسین نظامی خواجہ عابد نظامی کے خلیفہ اور پاکستان میں ان کے روحانی جانشین ہیں۔ آپ کے پردادا محمد حیات عرف ممی خان نے 1857ء میں انگریزوں کے خلاف لڑائی میں بھرپور حصہ لیا۔ بعدازاں آپ دہلی سے پنجاب میں منتقل ہوگئے۔

آپ نے میٹرک تک اسلامیہ وطن ہائی سکول لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ ایف اے پرائیویٹ کیا بعدازاں بی اے' اردو فاضل اور فارسی فاضل کیا۔ آپ تیسری جماعت میں تھے جب جمال الدین افغانی کا تابوت ترکی سے بذریعہ ٹرین کابل لیا گیا۔ یہ تابوت لاہور سے گزرا۔ شاہی مسجد کے پاس اس تابوت کی زیارت کروائی گئی تو آپ نے بھی قطار میں شامل ہو کر یہ سعادت حاصل کی۔ آپ کو بچپن میں پہلوانی کا بہت شوق تھا۔ آپ شام کو باقاعدگی سے اکھاڑے میں جاتے تھے اور کشتی لڑنے میں اپنے ہم عمروں میں ممتاز تھے۔ سکول کے زمانے میں ہی آپ نے بچوں کی ایک ادبی انجمن قائم کی جس کے ہفتہ وار اجلاس منعقد ہوتے اور بچے ان میں مضامین' نظمیں اور کہانیاں سناتے اور پھر ان کی روداد مختلف اخبارات میں شائع بھی کرواتے تھے۔ اس حوالے سے جن مدیروں سے ملاقاتیں رہیں ان میں مولانا ظفر علی خان' حاجی لق لق اور حمید نظامی شامل تھے جو بچوں کی حوصلہ افزائی کرتے۔ بزم ادب کے سرپرست ہائی سکول کے اساتذہ شفیقی عبدپوری اور سجاد رضوی تھے۔ سجاد رضوی بعد میں گورنمنٹ دیال سنگھ کالج میں پروفیسر ہو گئے۔ شفیقی صاحب نے بھی ادب میں خاصا نام کمایا انہوں نے کئی کتابیں تالیف کیں۔ ان کی مشہور کتاب ''اسلامی جنگیں'' چار جلدوں میں کتب خانہ انجمن حمایت اسلام نے شائع کی۔

خواجہ عابد نظامی اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں ہر سال منعقد ہونے والے انجمن حمایت اسلام کے اجلاسوں میں شرکت کرتے تھے جن سے ان کے ادبی ذوق کو تقویت ملی۔ ان اجلاسوں میں آپ کو مولانا صلاح الدین احمد' حفیظ جالندھری' آنند نرائن ملا اور علامہ سید سلیمان ندوی جیسے ادیبوں اور شاعروں جبکہ دیگر رہنماؤں میں لیاقت علی خان' عبدالرب نشتر' سکندر مرزا' ایوب خان وغیرہ کو سننے کا موقع ملا۔ 1946ء میں اپنے والد کے ہمراہ اسلامیہ کالج میں قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر سننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپ کو ادبی ذوق اور لکھنے کا شوق ورثے میں ملا۔ آپ کے والد محمد حسین نظامی ''نوائے وقت'' اور دیگر اخبارات میں مضامین لکھتے تھے۔

آپ نے 30 سال تک محکمہ مواصلات میں بطور انسٹرکٹر خدمات سرانجام دیں۔ 1970ء میں آپ نے اور پروفیسر خالد بزمی نے ہومیوپیتھی کی تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد کئی سال تک پاکستان ہومیو پیتھک میڈیکل کالج میں بطور پروفیسر آف میڈیسن پڑھاتے رہے۔ 1985ء میں ریٹائرمنٹ لے کر ہومیو پیتھک کلینک قائم کر کے پریکٹس شروع کی جو اب بھی جاری ہے۔

1948ء میں آپ کے والد کے دوست مولانا سلطان احمد وجودی نے اپنا رسالہ ''بچوں کا اخبار'' جاری کیا تو آپ سے اس کے لئے مضمون لکھوائے۔ آپ کے والد نے بھی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ پہلا مضمون اسی رسالے میں شائع ہوا۔ اس وقت لاہور کے ہفت روزہ ''پھول'' پندرہ روزہ ''ہدایت'' اور ماہنامہ ''تعلیم و تربیت'' زیادہ مشہور تھے۔ جبکہ دہلی کے ''نونہال'' ''دوست'' اور علامہ تاجور کا رسالہ ''پریم'' بھی شوق سے پڑھتے تھے اور ان میں

''ہمارے حضور ﷺ'' سیرت پر بچوں کے لیے لکھی ہوئی آپ کی پہلی صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب

آپ نے سکول میں ادبی انجمن قائم کی جس کے ہفتہ وار اجلاس منعقد ہوتے رہے

آپ نے 1948ء میں لکھنے کا آغاز بچوں کے معروف رسائل سے کیا

نظمیں اور مضامین لکھتے رہے۔ تحریروں کے معاوضہ کا سلسلہ سب سے پہلے حکیم محمد سعید نے ''ہمدرد نونہال'' جاری کر کے شروع کیا۔ اس میں مضامین اور نظمیں لکھ کر 10 روپے معاوضہ ملنا شروع ہوا۔

بچوں کیلئے لکھنے کے دوران خواجہ عابد نظامی کے والد کے علاوہ سید نظر زیدی، الطاف پرواز' مسعود احمد برکاتی' پروفیسر خالد بزمی' خوشتر امروہوی اور سلطان احمد وجودی نے آپ کی رہنمائی کی جبکہ آپ نے مولانا مضطر میرٹھی اور حفیظ جالندھری کی باقاعدہ شاگردی اختیار کی۔ آپ ''پھول'' ''ہمدرد نونہال'' ''نور'' ''تعلیم و تربیت'' ''ہلال'' ''ہدایت'' ''پریم'' ''دوست'' اور دیگر اخبارات ورسائل میں لکھتے رہے۔ آپ ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کے سترہ سال تک مدیر رہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنا رسالہ ''درویش'' جاری کیا جو سترہ سال تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔



ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی بے شمار نعتیں، نظمیں' کہانیاں اور مضامین لکھ چکے ہیں۔ آپ کی بچوں کیلئے شائع ہونے والی کتب یہ ہیں۔ ''میٹھے بول'' (1960ء۔ نظمیں) ''مصری کی ڈلیاں'' (1962ء۔ نظمیں) ''میٹھی میٹھی کہانیاں (1981ء) ''اچھی باتیں'' (ریڈیو پر پڑھے جانے والے مضامین) ''ہمارے حضور ﷺ'' (1983ء صدارتی ایوارڈ یافتہ) جبکہ دیگر کتابوں میں نعتیہ مجموعے ''رؤف الرحیم'' (صدارتی ایوارڈ یافتہ) ''فیضان کرم'' ''صل علیٰ محمد'' ''میاں دو کریم'' اور ''لاہور میں اسلام کے سفیر'' ''اولیاء اللہ'' ''اللہ کے آخری رسول ﷺ'' ''تاریخ کے جھروکوں سے'' ہیں۔ آپ کے پسندیدہ ادیبوں اور شاعروں میں علامہ اقبال' حفیظ جالندھری' صوفی تبسم (بطور بچوں کے شاعر) خواجہ حسن نظامی' مولانا صلاح الدین احمد اور اشرف صبوحی شامل ہیں۔

آپ ہومیو پیتھک پریکٹس کے ساتھ ساتھ روزنامہ ''نوائے وقت'' کے ملی ایڈیشن کے انچارج کے طور پر بھی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری ہے۔ آپ قومی و ملی موضوعات کے علاوہ بچوں کے لئے بھی لکھ رہے ہیں۔ ادب کے بارے میں آپ کا نظریہ یہ ہے کہ اس میں اسلام اور پاکستانیت کی روح کارفرما ہونی چاہیے۔ اچھے ادیب کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اس کے ذریعے معاشرے میں خیر اور بھلائی عام ہو' برائی کم ہو اور عام لوگوں میں نظریہ پاکستان کا شعور عام ہو۔ آپ کے خیال میں ''پھول'' ان مقاصد کے لئے قابل قدر خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ ''پھول'' کے قارئین کیلئے آپ کا پیغام یہ ہے کہ وہ اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ وہ مسلمان اور پاکستانی بچے ہیں۔ زندگی میں ان کی ہر بات اور ہر کام سے اس حقیقت کا اظہار ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی کی ایک بہت پہلے لکھی کہانی پیش خدمت ہے جس کی تازگی اب بھی برقرار ہے۔



شیر کی نانی

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم تیسری چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے۔ دسمبر کا مہینہ تھا اور سخت سردی کا موسم۔ شام کے کھانے سے فارغ ہو کر ہم نے بستروں میں گھس کر کشمیری چائے پی اور دادی جان کے گرد ہو گئے کہ کوئی اچھی سی کہانی سنائیں۔ نرگس، نجمہ، سلمہ اور محبوب سب نے اپنے کانوں کے گرد سے رضائیاں ہٹالیں اور کہانی کا شور مچانا شروع کر دیا۔ دادی اماں بولیں:

"کون سی سنو گے؟"

نرگس بولی۔ کوے کی۔"

"نہیں نہیں۔ ہم نہیں سنیں گے کوے کی کہانی، کالا کلوٹا۔ ابھی کل ہی کی بات ہے۔ ننھے کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھین کر لے گیا تھا"۔ ہم نے نرگس کی فرمائش کو رد کرتے ہوئے کہا۔

نجمہ بولی:۔ "اچھا دادی جان! چوہے کی کہانی سنا دیں۔ وہی جس میں چوہے کی ایک دیو سے کشتی ہوتی ہے۔"

"نہیں ہم نہیں سنیں گے یہ کہانی۔ کئی بار سنی ہوئی ہے۔" سلمہ نے جیسے اپنا حکم صادر فرمایا۔

جب کافی دیر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو دادی جان بولیں۔" اب تم خاموش رہو۔ میں اپنی مرضی سے ایک کہانی سناتی ہوں۔ خبردار جو درمیان میں کوئی بولا" اس کے بعد وہ کہانی سنانے لگیں۔

"ایک تھا چڑا اور ایک تھی چڑیا۔ چڑا لایا دال کا دانہ۔ چڑیا لائی چاول کا دانہ۔ دونوں......"

"نہیں، دادی اماں ہم یہ کہانی نہیں سنیں گے۔" ایک ساتھ کئی آوازیں آئیں۔"

"کیوں؟۔" دادی نے پوچھا۔

"یہ کہانی آپ نے بیس دفعہ سنائی ہے آج کوئی نئی کہانی سنائیں۔" ہم نے کہا۔

دادی جان گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد بولیں۔ "ہاں ایک کہانی یاد آئی ہے یہ کہانی شیر کی نانی کی ہے۔"

"شیر کی نانی؟ وہ کون تھی؟" نرگس نے پوچھا۔

دادی جان بولیں۔" یہ تو تم کہانی سنو گے تو معلوم ہوگا۔ اچھا۔ لو اب کہانی سنو۔"

سلمہ بولی۔ "بلی شیر کی خالہ ہوتی ہے اس کی نانی ہتھنی ہوگی۔"

نجمہ بولی۔ "نہیں، ریچھنی ہوگئی۔"

"شیر کی خالہ ہتھنی ہے نہ ریچھنی۔ چپ کر کے کہانی سنو۔ کہانی سنو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ شیر کی نانی کون ہے؟" دادی اماں نے کہا۔

"دادی جان! ہم خاموشی سے سنیں گے۔ آپ کہانی سنائیں۔" سب نے کہا۔

"لو سنو! بڑے عرصے کا ذکر ہے کہ ایک بڑی مچھلی کسی دریا میں رہا کرتی تھی۔......"

"اچھا اب معلوم ہوا۔ یہ مچھلی شیر کی نانی ہے۔" نرگس کہانی کے شروع میں ہی بول پڑی۔

"نہیں بھئی۔ خاموشی سے کہانی سنو۔ کہانی کے بیچ میں نہیں بولا کرتے یہ مچھلی شیر کی نانی نہیں ہے۔ اچھا تو ایک دفعہ کئی روز گزر گئے۔ مچھلی کو کوئی شکار نہ ملا۔ یعنی کچھ کھانے کو ہاتھ نہ آیا۔ جب اس کو بہت بھوک لگی تو اس نے سوچا کہ چلو دریا سے نکل کر سوکھے میں جا پڑوں۔ شاید وہاں سے کوئی شکار مل جائے۔ یہ سوچ کر وہ دریا سے نکل کر سوکھے میں جا پڑی۔ خدا کی قدرت جدھر مچھلی پڑی ہوئی تھی ادھر ایک سپاہی آ نکلا۔ سپاہی نے جو خشکی میں ایک مچھلی کو تڑپتے دیکھا تو اس نے سمجھا کوئی شخص اس مچھلی کو دریا سے نکال کر خشکی پر ڈال گیا ہے یہ بیچاری پانی کے بغیر تڑپ رہی ہے۔ اس نے سوچا میں اس کو پکڑ کر دریا میں ڈال دوں۔ وہ سپاہی مچھلی کے پاس گیا اور مچھلی کو پیٹھ پر لاد کر دریا کی طرف لے چلا۔ دریا کے پاس پہنچ کر سپاہی نے چاہا کہ مچھلی کو دریا میں ڈال دے کہ مچھلی بولی۔

"مہربان سپاہی! جہاں تو نے اتنی محنت کی ہے وہاں ذرا سی مہربانی اور کر کہ ذرا آگے بڑھ کر مجھے دریا میں ڈال تاکہ مجھے چوٹ نہ آئے۔

سپاہی اور آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ سپاہی کی کمر تک پانی ہو گیا۔ جب سپاہی نے مچھلی کو دریا میں ڈالنا چاہا تو مچھلی نے جلدی سے سپاہی کی ٹانگ پکڑ لی اور چاہا کہ سپاہی کو پانی میں کھینچ کر لے جائے۔ سپاہی نے کہا "بی مچھلی یہ کیا





کرتی ہو؟ مجھے پانی میں کیوں لئے جاتی ہو؟'' مچھلی نے کہا:

''میاں سپاہی! تو نہیں سمجھا کہ میں کس واسطے دریا سے خشکی میں گئی تھی۔ سن! مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ دریا میں کوئی چیز نہیں ملی تھی۔ اس لئے میں ریت میں آن پڑی۔ اب خدا نے تجھے میرے لئے بھیج دیا ہے میں تو تجھے ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔''

سپاہی نے کہا۔ ''میں نے تو تیرے ساتھ نیکی کی اور تو مجھے کھانا چاہتی ہے......''

''اف کتنی نمک حرام مچھلی تھی۔'' سلمہ بیچ میں بول پڑی۔

''نمک حرام نہیں طوطا چشم کہو۔ احسان فراموش کہیں کی۔'' نجمہ نے سلمہ کی بات پر گرہ لگائی۔

''رہنے دو۔ یہ فیصلے بعد میں دے لینا۔ چپ کر کے کہانی سنو''۔ ''اچھا دادی جان آپ کہانی سنائیں''۔ ''یہ سلمہ اور نجمہ کی بچی کو تو کہانی کے درمیان بولنے کی عادت ہے۔'' ہم نے سلمہ اور نجمہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ دادی جان بولیں۔

''سپاہی اور مچھلی میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں ایک لومڑی دریا کے کنارے پانی پینے کیلئے آ نکلی اور جب پانی پی چکی تو سپاہی سے پوچھنے لگی کہ یہ کیا جھگڑا ہے؟ سپاہی نے ساری کیفیت بیان کی۔ اس پر لومڑی نے کہا۔ مجھے تو یقین نہیں آتا کہ تو اتنی بڑی مچھلی کو اٹھا کر لے گیا۔ سپاہی نے کہا۔ نہیں میں سچ کہتا ہوں۔ لومڑی نے کہا نہیں میں کبھی نہیں مانوں گی تو جھوٹا ہے۔

سپاہی اور لومڑی کی باتیں مچھلی نے سنیں تو اس نے لومڑی سے کہا۔ نہیں بہن لومڑی! یہ سپاہی سچ کہتا ہے۔ یہی مجھے ریت میں سے اٹھا کر لایا ہے۔ لومڑی نے کہا مجھے تمہارے کہنے کا بھی یقین نہیں آتا۔ میں تو جب مانوں کہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ سپاہی نے کہا۔ اچھا میں تمہارے سامنے مچھلی کو یہاں سے سوکھے میں لے جا کر تمہیں دکھائے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کہ سپاہی نے مچھلی کو پھر پیٹھ پر اٹھایا اور جس جگہ پہلے مچھلی پڑی ہوئی تھی لے جا کر ڈال دیا اور لومڑی سے کہا۔ دیکھا تم نے؟ اب تو تمہیں یقین آ گیا کہ میں سچ کہتا تھا یا جھوٹ۔ لومڑی نے کہا ہاں مجھے یقین آ گیا۔ یہ کہہ کہ لومڑی نے سپاہی سے کہا۔ جا کمبخت بھاگ جا۔ خدا کا شکر ہے کہ تیری جان بچ گئی۔ اس فریبی مچھلی کو زمین پر پڑا رہنے دے۔

سپاہی تو لومڑی کو دعائیں دیتا ہوا بھاگ گیا' مگر مچھلی نے لومڑی سے کہا۔ تو مجھ سے بچ کر کہاں جائے گی۔ میں تجھ سے ایسا بدلہ لونگی کہ تو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اب ذرا اپنے بچوں کی خیر منا۔ سپاہی کے بدلے ایک دن میں انہیں چٹ کر جاؤں گی۔ لومڑی بولی کچھ پروا نہیں میرا خدا مجھے بچائے گا۔

لومڑی تو یہ کہہ کر چلی گئی مگر اس نے خیال رکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ میں غافل ہو جاؤں اور مچھلی مجھ کو یا میرے بچوں کو کسی دن کھا جائے۔

ایک دن جب لومڑی جنگل سے پھر پھرا کر اپنے بچوں کو ساتھ لئے ہوئے گھر آ رہی تھی اس نے دیکھا کہ جس جگہ دریا کے کنارے مچھلی پڑی ہوئی تھی وہاں سے اس کے گھر تک ایک لکیر ہے۔ یہ دیکھ کر لومڑی سمجھ گئی کہ آج ضرور مچھلی میرے گھر گئی ہے اس نے اپنے میاں سے کہا کہ دیکھو یہ لکیر کیسی ہے؟ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ مچھلی ہمارے گھر گئی ہے اس کے میاں نے کہا پھر اب کیا تدبیر کرنی چاہئے؟ لومڑی بولی۔ ایک تدبیر سمجھ میں آئی ہے۔ یہ کہہ کر اپنے گھر کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی اور دروازہ کھٹکھٹا کر کہا:

''اے مٹی کے گھر' اے مٹی کے گھر' روز تو تو بولتا تھا آج کیوں نہیں بولتا۔''

مچھلی مکان کے اندر بیٹھی سن رہی تھی۔ اس نے سمجھا شاید لومڑی کا گھر بولتا ہوگا۔ یہ سوچ کر اس نے کہا۔

''ہوں۔''

لومڑی نے جو ''ہوں'' کی آواز سنی تو اپنے میاں سے کہا۔ لو اب یہاں سے چلو۔ یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ لومڑی اپنے میاں اور بچوں کو لے کر بھاگی چلی جاتی تھی کہ راستے میں ایک شیر کا گھر ملا۔ اس میں لومڑی اپنے بچوں اور میاں سمیت گھس گئی۔ لومڑی کے میاں نے کہا۔ یہاں تو آ گئی ہو لیکن اگر شیر آ گیا تو کیا ہوگا؟ لومڑی نے کہا جب شیر کو دور سے آتا دیکھیں گے تو میں بچوں کے چٹکی لوں گی۔ جب وہ روئیں گے تو تم کہنا۔ بچو! کیوں روتے ہو؟''

میں کہوں گی۔ یہ شیر کا گوشت مانگتے ہیں۔ بس یہ سن کر شیر بھاگ جائے گا۔

لومڑی اور اس کا میاں یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں شیر آ گیا۔ لومڑی نے جو شیر کو آتے دیکھا تو اس نے بچوں کے چٹکی لی اور جب بچے رونے لگے تو اس کے میاں نے کہا۔

''بچے کیوں روتے ہیں؟''

لومڑی بولی:

''شیر کا گوشت مانگتے ہیں۔''

شیر نے جو یہ سنا تو وہ بھاگا کہ آج میرا گوشت کھانے والا کون آ گیا؟ میں تو سب کا گوشت کھاتا تھا۔ آج کوئی میرا گوشت کھانے والا بھی پیدا ہو گیا۔

اسی فکر میں شیر بھاگا چلا جا رہا تھا کہ راستے میں ایک درخت پر ایک بندر بیٹھا ملا۔ اس نے شیر سے پوچھا کہ میاں شیر کہاں جا رہے ہو؟ شیر نے کہا کیا بتاؤں۔ میں تو سب کا گوشت کھاتا تھا آج نہ جانے میرے گھر میں کون آ گیا ہے جس کے بچے میرا گوشت مانگتے ہیں

بندر بولا: ''معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے گھر میں بلی کی خالہ آئی ہے۔''

''شیر نے پوچھا۔ ''وہ کون ہے؟''

بندر بولا: بلی تمہاری خالہ ہے اور لومڑی بلی کی خالہ۔ لومڑی رشتے میں تمہاری نانی ہے۔ بس وہی تمہارے گھر آئی ہے۔''

شیر نے کہا۔ ''نہیں بھائی میں تو نہیں جانتا۔ وہاں لومڑی نانی نہیں کوئی اور بلا ہے۔''

بندر نے کہا۔ ''اچھا میں تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ یہ کہہ کہ بندر درخت پر سے اترا اور شیر کے ساتھ اس کے گھر کی طرف چل دیا شیر اور بندر دونوں ابھی گھر کے پاس بھی نہ پہنچے تھے کہ لومڑی نے پھر بچوں کی چٹکی لی۔ جب وہ روئے تو لومڑی کے میاں نے کہا۔ ''بچے کیوں روتے ہیں؟''

لومڑی نے کہا۔ ''شیر کا گوشت مانگتے ہیں۔''

لومڑی کے میاں نے کہا:

''دیکھو یہ بندر دو شیر لانے کا وعدہ کر کے گیا تھا مگر ایک ہی شیر لایا ہے۔''

شیر نے جو یہ سنا تو اس نے جانا کہ بندر مجھے فریب دے کر یہاں لایا ہے۔ اور مجھے مروانا چاہتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ سرپٹ بھاگا۔ بندر نے بہتیری آوازیں دیں مگر شیر نے ایک نہ سنی اور اس جنگل کو چھوڑ کر کسی دوسرے جنگل میں چلا گیا۔

شیر کے چلے جانے کے بعد لومڑی اس کے گھر کی مفت میں مالک بن گئی اور اپنے بچوں کے ساتھ بڑے ٹھاٹھ سے وہاں رہنے لگی۔

''دادی جان! بہت ہی مزیدار ہے'' میں نے کہا۔ دادی جان بولیں۔ ''نجمہ کی بچی تو بھی تو بتا کہانی کیسی ہے؟'' مگر کوئی جواب نہ ملا۔ دیکھا تو سب میٹھی نیند سو رہے تھے۔

توحید

نسیم اختر

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا جو بندہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اور پھر اسی پر اس کی موت آجائے وہ یقیناً جنت ہی میں داخل ہوگا۔

سفیان بن عبداللہ الثقفیؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتلا دیجئے کہ آپ ﷺ کے بعد مجھے کسی سے دریافت نہ کرنا پڑے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کہو میں اللہ پر ایمان لے آیا، پھر اسی پر ثابت قدم رہو۔''

حضرت عباسؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ کے رب، اسلام کے دین اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا''۔

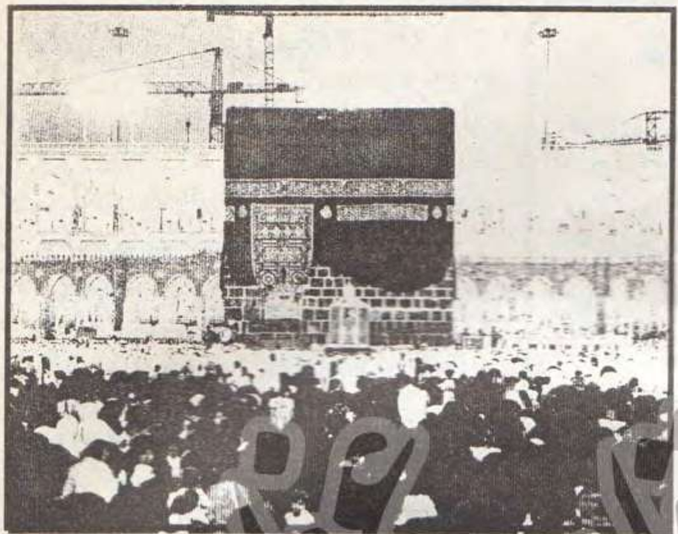
مندرجہ بالا احادیث میں اللہ کے ایک ہونے، اس کے خالق اور آقا ہونے پر محض زبانی اقرار مراد نہیں ہے بلکہ ایسا اقرار جس کے ساتھ قلبی یقین اور تصدیق بھی شامل ہونی چاہئے ظاہر ہے جب یقین، سچائی اور ایمان کے ساتھ اللہ کے وحدہ، لاشریک ہونے کا اقرار کیا جائے گا تو سیرت و کردار میں نمایاں تبدیلی رونما ہوگی اور زندگی کے تمام گوشوں پر اس کے اثرات پڑیں گے یعنی اللہ پر توکل، تقویٰ، صبر، ذرائع اور وسائل کی پاکیزگی، اخلاق اور عبادات، حق گوئی اور اللہ کے دیئے ہوئے پر راضی ہونا وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ ''اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تو کسی غیر اللہ کو اللہ کا شریک اور ہمسر ٹھہرائے حالانکہ اللہ تیرا خالق ہے''

حضرت ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں نہ بتا دوں کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے یہ کلمات تین بار دہرائے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ ضرور بتا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ غیر کو شریک بنانا، والدین کی نافرمانی کرنا، یہ کلمات ادا کرتے ہی آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کہا یاد رکھو ''جھوٹ بولنا، سب سے بڑا گناہ ہے'' اس فقرے کو آپ اس حد تک بار بار دہراتے رہے کہ ہم نے اپنے دلوں میں کہا کہ کاش آپ ﷺ خاموش ہو جائیں۔ یعنی یہ تکرار فرمانا بند کر دیں۔ بخاری شریف کی ایک اور حدیث میں بہ روایت حضرت انسؓ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ غیر کو شریک بنانا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینے کو کبیرہ گناہ بتایا ہے۔

مندرجہ بالا احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے شرک، والدین کی نافرمانی، قتل انسانی اور جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینے کو ایک جتنا یا برابر کا جرم اور گناہ قرار دیا ہے۔ گویا اللہ پر ایمان لانے اس کو ایک خدا تسلیم کرنے اس کو اپنا مالک خالق اور آقا تسلیم کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اوپر بیان کردہ گناہوں سے اگر نہیں بچتا ہے تو گویا اس کے زبانی اقرار اور تصدیق قلب میں فرق ہے یا یوں کہہ لیں کہ [illegible] وہ شخص حقیقی طور پر اللہ کو اپنا الٰہ نہیں مانتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے اور بخاری شریف میں کتاب الوصایا میں موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا سات تباہ اور برباد کر دینے والے کاموں سے بچو۔



صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ وہ کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) جادو کرنا (۳) اس جان کو قتل کرنا جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال ہڑپ کرنا (۶) جنگ کے دن منہ موڑ کر بھاگ جانا (۷) پاک دامن بھولی بھالی مومن خواتین پر تہمت لگانا۔

اس حدیث میں یہ فرمایا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے کہ اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو شرک کے ساتھ ساتھ چھ اور کاموں سے بچنا لازمی ہے۔ اب یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں توحید کے سلسلے میں انسانوں کو کیا تعلیم فرماتے ہیں۔

''اور (لوگو) تمہارا معبود خدائے واحد ہے، اس بڑے مہربان (اور) رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں'' (البقرہ ۱۶۳)

''اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی گواہی دیتے ہیں اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں'' (آل عمران۔۱۸)

''اور یہ نہ کہو کہ اللہ تین ہیں۔ اس اعتقاد سے باز آجاؤ۔ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اللہ ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس کا ہے۔ اور اللہ ہی کارساز کافی ہے'' (النساء۔ ۱۷۱)

''جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ ہیں وہ بے شک کافر ہیں۔ (ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ عیسیٰ ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟ اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ کی بادشاہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (المائدہ۔۱۷)

''کیا تم لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ (اے محمد ﷺ) کہہ دو کہ میں تو (ایسی) شہادت نہیں دیتا۔ کہہ دو کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور جن لوگوں کو تم شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں'' (الانعام۔۱۹)

''اور ان لوگوں نے جنوں کو شریک خدا ٹھہرایا۔ حالانکہ ان کو اسی نے پیدا کیا۔ بے سمجھ (جھوٹ بہتان) اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔ وہ ان باتوں سے جو اس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے اور (اس کی شان) بلند ہے'' (الانعام۔ [illegible])

''انہوں نے اپنے علما اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں

اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر سے پاک ہے" (التوبہ۔۳۱)

"جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی (سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے" (یوسف۔۳۹۔۴۰)

"اور کہہ دو! سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے ہرگز نہیں بنایا کسی کو بیٹا، اور ہرگز نہیں ہے اس کا کوئی شریک بادشاہی میں، اور ہرگز کوئی اس کا مددگار کمزوری کی بناء پر، اور بڑائی بیان کرو اس کی کمال درجے کی بڑائی" (بنی اسرائیل۔۱۱۱)

"کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے اسے چاہئے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے"

"وہ معبود (برحق) ہے (کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کے سب نام اچھے ہیں" (طٰحہ۔۸)

"اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں خدائے مالک عرش ان سے پاک ہے" (الانبیاء۲۲)

"اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو دو معبود نہ بناؤ معبود وہی ایک ہے تو مجھ ہی سے ڈرتے رہو" (النحل۔۵۱)

"اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا کہ ملامتیں سن کر اور بے کس ہو کر بیٹھے رہ جاؤ گے" (بنی اسرائیل۔۲۲)

"کہو اگر ہوتے اللہ کے ساتھ اور معبود بھی جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو ضرور کوشش کرتے وہ صاحب عرش تک راہ پانے کی۔ وہ پاک ہے اور جو کچھ یہ بکواس کرتے ہیں اس سے اس کا رتبہ بہت عالی ہے" (بنی اسرائیل۔ ۴۲۔۴۳)

خدائی کی جو صفات اللہ کے لئے خاص ہیں ان میں حاجت روائی، مشکل کشائی، فریاد رسی، دعائیں سننا اور غیب اور شہادت سے واقف ہونا یہ سب اللہ کی صفات ہیں۔ یہ صرف اللہ کا ہی حق ہے کہ بندے اس کے آگے اعتراف بندگی میں سر جھکائیں، اسی کی طرف اپنی حاجتوں میں رجوع کریں، اسی کو مدد کے لئے پکاریں، اسی پر بھروسہ کریں، اسی سے امیدیں وابستہ کریں اور اسی سے ظاہر و باطن میں ڈریں۔ یہ صرف اللہ کا حق ہے کہ بندے اس کی حاکمیت تسلیم کریں۔ اپنی زندگی کے معاملات میں اس کے فرمان کو فیصلہ کن قرار دیں اور ہدایت و راہ نمائی کے لئے اسی کی طرف رجوع کریں۔ جو شخص خدا کی ان صفات میں سے کوئی صفت کسی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اس کو خدا کا مدمقابل اور ہمسر بناتا ہے۔ اسی طرح جو شخص ان میں سے کسی صفت کا مدعی ہو اور ان حقوق میں سے کسی حق کا انسانوں سے مطالبہ کرتا ہو وہ بھی دراصل خدا کا مدمقابل اور ہمسر بنتا ہے خواہ وہ زبان سے خدائی کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو "اللہ" کو "الٰہ" صرف زبان سے نہیں بلکہ تصدیق لب کے ساتھ اپنا معبود اور آقا سمجھنے اور ماننے والا بنائے۔ (آمین!)

شہادت حضرت امام حسینؓ

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"حسنؓ اور حسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں"

(جامع الترمذی [illegible])

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

"جس نے حسنؓ اور حسینؓ دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔"

تاجدار عرب و عجم حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ حسنؓ اور حسینؓ سے جس نے محبت کی گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا گویا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ پھول ساتھیو ذرا غور کریں کہ حضور ﷺ سے بغض رکھنے والے کا کہاں ٹھکانہ ہے؟ اس کے دین و دنیا اور ایمان کی وقعت کیا ہے؟

حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ میں نے حسنؓ اور حسینؓ دونوں کو دیکھا نبی اکرم ﷺ کے کندھوں پر سوار ہیں میں نے کہا کتنی اچھی سواری ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فوراً فرمایا عمر سوار بھی تو کتنے اچھے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے عشاء کی نماز حضور اکرم ﷺ کے ساتھ پڑھی جب آپ ﷺ سجدہ میں گئے تو حسنؓ اور حسینؓ دونوں بھائی حضور ﷺ کی پشت مبارک پر چڑھ گئے۔ جب حضور ﷺ نے سر انور سجدے سے اٹھایا تو دونوں کو اپنے ہاتھوں سے آرام کے ساتھ تھام لیا اور زمین پر بٹھا لیا۔ جب آپ ﷺ سجدے میں جاتے تو دونوں یہی عمل دہراتے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اسی حالت میں پوری نماز ادا فرمائی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے دونوں شہزادوں کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت حسنؓ سینے سے لیکر سر تک رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے اور حضرت حسینؓ اس سے نچلے حصے میں آپ ﷺ کے مشابہ تھے۔ آقائے دو جہاں ﷺ کے وصال مبارک کے بعد جب لوگوں کو اپنے آقا ﷺ کی یاد ستاتی اور حضور ﷺ کے چہرہ اقدس کی یاد دلوں میں اضطراب پیدا کرتی تو وہ حضرت فاطمہؓ کے در دولت پر حاضر ہوتے اور حضرت حسینؓ کی زیارت کر کے اپنی آنکھوں کی تشنگی کا مداوا کرتے حضور اکرم ﷺ کا چہرہ اقدس آنکھوں میں سما جاتا۔ حضرت امام حسینؓ اصحاب رسول ﷺ کی نگاہوں کا مرکز بن گئے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپ ﷺ نے حضرت حسینؓ کو اٹھا رکھا ہے اور یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے اللہ میں حسینؓ سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل نے بتایا کہ میرا بیٹا حسینؓ عراق کی سرزمین میں شہید کر دیا جائے گا۔ میں نے کہا جبرائیل مجھے اس زمین کی مٹی تو لا کر دکھا دو جہاں میرے حسینؓ کو شہید کر دیا جائے گا۔ تو جبرائیل گئے اور مٹی لا کر مجھے دکھائی کہ یہ اس کے مقتل کی مٹی ہے۔

حضرت یحییٰ حضرمیؒ کا ارشاد ہے کہ سفر صفین میں مجھے شیر خدا حضرت علیؓ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ جب ہم نینوا کے قریب پہنچے تو داماد رسول ﷺ نے فرمایا اے ابو عبداللہ! فرات کے کنارے ٹھہرنا۔ میں نے عرض کیا یا علیؓ! وہ کیوں؟۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا مجھے جبرائیل نے خبر دی ہے کہ حسینؓ فرات کے کنارے قتل ہوگا اور مجھے وہاں کی مٹی بھی لا کر دکھائی۔

حضرت اصبغ بن نباتہؓ سے مروی ہے کہ ہم حضرت علیؓ کے ساتھ قبر حسینؓ کی جگہ پر آئے تو آپ نے فرمایا یہ ان کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ اور یہ ان کے کجاوے رکھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خون بہنے کا مقام ہے آل محمد ﷺ کا ایک گروہ اس میدان کربلا میں شہید ہوگا جس پر زمین اور آسمان روئیں گے۔

گویا حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حسینؓ کے مقتل کا مکمل نقشہ کھینچ دیا کہ یہاں پر وہ شہید ہوں گے اور یہاں رسول ہاشمی ﷺ کے خاندان کا خون بہایا جائے گا۔

حضرت ام سلمہؓ کی روایت کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسینؓ کو عراق میں قتل کر دیا جائے گا اور یہ کہ جبرائیل نے میدان کربلا کی مٹی لا کر حضور نبی کریم ﷺ کو لا کر پیش فرمائی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اے ام سلمہؓ جب یہ مٹی خون میں بدل جائے تو جان لینا کہ میرا یہ بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ ام سلمہؓ نے اس مٹی کو بوتل میں رکھ دیا اور وہ روزانہ اس کو دیکھتیں اور فرماتیں اے مٹی جس دن تو خون ہو جائے گی وہ دن عظیم ہوگا۔ یہ شہادت امام حسینؓ کی عظمت کا پہلو بطور خاص اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے تذکرے عہد رسالت ﷺ میں ہی ہونے لگے تھے۔ کسی واقعہ کا وقوع سے پہلے مقبولیت اختیار کر جانا اس کے غیر معمولی ہونے کی بہت بڑی دلیل ہوتی ہے۔

درخت لگایئے وطن کو سرسبز بنایئے



نور کا ساگر

غلام فاروق رضا

عرب کی دھوپ' تپتا ہوا ریگستان اور دوپہر کا وقت' ساری قیامتیں ایک ساتھ جمع ہو گئیں تھیں۔ قافلے والے پیاس کی شدت سے جاں بلب تھے انہیں یقین ہو چلا تھا کہ اب وہ چند گھڑی کے مہمان ہیں۔ اسی عالم یاس میں انہیں بہت دور ایک پہاڑ کے دامن سے گزرتے ہوئے چند ناقہ سوار نظر آئے۔

سردار قافلہ نے کہا۔ اونٹوں کی رفتار بتا رہی ہے کہ یہ حجاز کے نخلستان سے آ رہے ہیں۔ جانے کیوں میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ لوگ ہماری زندگی کی امید بن کر طلوع ہوئے ہیں۔ اپنی بکھری ہوئی قوتوں کو سمیٹ کر انہیں آواز دو۔ شاید ہماری چارہ گری انہی کے ہاتھ پر مقدر ہو گئی ہو۔ اپنے سردار کے حکم کے مطابق قافلے کے تمام چھوٹے بڑے افراد نے ایک ساتھ انہیں بلند آواز سے پکارا۔ خوش نصیبی کہ سلطان حجاز ﷺ کے گوش مبارک تک یہ آواز پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا۔ یہ عربی قبائل کا کوئی مصیبت زدہ کارواں معلوم ہوتا ہے چلو اس کی مدد کریں۔ بادصبا کی طرح تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ان کے قریب پہنچے۔ پیاس کی شدت سے وہ بے حال ہو رہے تھے۔

ناقہ سواروں میں ایک چمکتا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ چیخ اٹھے۔ اے رحمت و نور والے! ہم پیاس کی شدت سے جاں بلب ہیں۔ آپ ﷺ کے چھاگل میں پانی کے چند قطرے ہوں تو ہمارے حلق کو تر کر دیں۔ سرکار ﷺ نے تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اس پہاڑ کی دوسری جانب ایک حبشی نژاد غلام اپنی ناقہ پر پانی کی ایک مشک لئے جا رہا ہے۔ اس سے جا کر کہو کہ تجھے پیغمبر آخرالزماں ﷺ بلا رہے ہیں۔ فوراً قافلے سے ایک شخص دوڑتا ہوا پہاڑ کی دوسری طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ ہی فاصلے پر اسے ایک حبشی نژاد ناقہ پر سوار نظر آیا۔ اس نے اسے آواز دے کر روکا اور سرکار مدینہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ سرکار ﷺ کا نام سنتے ہی وہ رک گیا اور اپنی سواری سے اتر آیا۔ اب اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے وہ پاپیادہ اس کے پیچھے چل پڑا۔ جیسے ہی اس کی نظر سرکار ﷺ کے چہرہ انور پر پڑی اس کے دل کی دنیا بدل گئی۔ ایک ہی جلوے میں وہ کاکل رخ کا اسیر ہو کے رہ گیا تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ تیرا پانی کم نہیں ہو گا ان پیاسوں پر اپنی مشک کا منہ کھول دے' خدا تجھے روشن کرے۔ اب وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ سرکار ﷺ کے حکم کی تعمیل کیلئے بے ساختہ اس کے ہاتھ اٹھے اور اس نے مشک کا منہ کھول دیا۔ آبشار کی طرح پانی کا دھارا گر رہا تھا اور قافلے والے سیراب ہو رہے تھے۔ جب سارے اہل قافلہ سیراب ہو چکے تو سرکار مدینہ ﷺ نے حکم دیا کہ اب مشک کا منہ بند کر لے۔ مشک کا منہ بند کرتے ہوئے اسے سخت حیرت ہوئی کہ کئی مشک پانی بہہ جانے کے بعد بھی اس کے مشک کا ایک بوند پانی کم نہیں ہوا تھا۔

شیفتہ جمال تو پہلی نظر میں ہی ہو چکا تھا۔ اب یہ کھلا ہوا معجزہ دیکھ کر اپنے جذبہ شوق کو دبا نہیں سکا۔ بے خودی کے عالم میں چیخ اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ سرکار ﷺ نے دعائیں دیتے ہوئے اس کے چہرے پر رحمت و کرم کا ہاتھ پھیرا اور اسے رخصت کر دیا۔

حبشی غلام کا آقا پانی کا بہت دیر سے منتظر تھا۔ جوں ہی دور سے آتی ہوئی اونٹنی پر نظر پڑی اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ لیکن جوں جوں روشنی قریب ہوتی جا رہی تھی اس کا استعجاب بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ اونٹنی اسی کی ہے مشک بھی اسی کی ہے لیکن سوار اجنبی ہے۔ آخر اس کا اپنا حبشی غلام کہاں گیا؟ جب اونٹنی بالکل قریب آ گئی تو آقا دوڑتا ہوا آیا اور اس اجنبی شخص سے دریافت کیا کہ تو کون ہے؟ میرا وہ حبشی غلام کہاں ہے؟ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ تو نے اسے قتل کر کے میری اونٹنی پر قبضہ کر لیا ہے۔ سوار نے اظہار حیرت کرتے ہوئے جواب دیا۔ ہائے افسوس! آج آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ اپنے غلام کو بھی آپ نہیں پہچانتے۔ آپ کا غلام تو میں ہی ہوں۔ آقا نے غضب ناک لہجے میں جواب دیا۔ مجھے فریب دیتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی۔ میرا غلام حبشی نژاد تھا اس کے چہرے پر سفید نور کہاں تھا۔

اب جو آئینے میں اس نے اپنا چہرہ دیکھ لیا تو عالم بے خودی میں رقص کرنے لگا۔ جذبات کی والہانہ وارفتگی میں سرشار ہو کر اس نے اپنے آقا سے کہا۔

یقین کرو میں ہی تمہارا غلام ہوں۔ اعتبار نہ ہو تو مجھ سے اپنے گھر کے سارے حالات پوچھ لو۔ رہ گئی میرے چہرے کی یہ چاندنی تو یہ برکت ہے نخلستان عرب کے اس پیغمبر ﷺ کی جس کے چہرہ زیب کا عکس دل ہی کو نہیں چہرے کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ آج نور کے اس ساگر میں نہا کر آ رہا ہوں۔ پہاڑ کی ایک وادی میں حضور ﷺ کی زیارت سے شادکام ہوا۔ دم رخصت انہوں نے اپنے نورانی ہاتھ میرے چہرے پر مس کر دیئے تھے۔ ان ہی کی برکت ہے کہ میرے چہرے کی سیاہی چمکتی ہوئی سفیدی میں بدل گئی۔ آقا نے یہ کیفیت معلوم کر کے غلام کی پیشانی چوم لی اور وہ بھی دولت ایمان سے مالا مال ہو گیا۔

دوسرا آدمی

محمد طاہر عمیر

وہ کمرے سے باہر نکلنے لگا تو وہی منحوس آواز سنائی دی "سنو اظہر! انگلش میوزک کی نئی کولیکشن مارکیٹ میں آئی ہے۔ آج تم ضرور لیکر آنا......" اس کی آواز سن کر اظہر نے جلتی نگاہوں سے کمرے کے کونے میں موجود صوفے کی طرف دیکھا جہاں وہ بڑے کروفر سے بیٹھا تھا۔ کمرے سے باہر نکل کر اس نے پکا ارادہ کیا کہ وہ مارکیٹ جائے گا ہی نہیں...... مگر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ اس کی بات ماننے سے انکار کر دے۔ الغرض انکار کر بھی دے گا تب بھی...... اس کی بات تو ضرور پوری کرنا ہو گی...... دفتر پہنچ کر اس نے اپنا سر کرسی کی پشت سے لگا لیا۔ اور دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لئے۔ دماغ میں ان گنت خیالات کا طوفان برپا تھا۔ "وہ کیوں اس کی ہر بات مانتا ہے۔ جبکہ وہ تو اسے جانتا بھی نہیں۔ اسے تو اتنا بھی معلوم نہیں کہ وہ ہے کون؟ کب اس کی زندگی میں داخل ہوا اور کب اس کی ہر شے پر اس نے اپنا قبضہ کر لیا۔ تقریباً ایک ماہ قبل ہی اسے احساس ہوا تھا کہ وہ جب تنہا ہوتا ہے تب کوئی اس کے بالکل قریب آ جاتا ہے۔ مگر نظر نہیں آتا۔ اس نادیدہ وجود کی سانسیں تک اسے سنائی دیتی تھیں۔ شروع شروع میں وہ اسے وہم قرار دیتا رہا۔ ماہر نفسیات سے بھی مشورہ کیا۔ مگر ہر طرح سینظر انداز بھی کرتا رہا مگر پھر آہستہ آہستہ وہ نادیدہ وجود ایک پرچھائی کی طرح نظر بھی آنے لگا۔ تب وہ تھوڑا پریشان ہوا مگر کچھ نہ کر سکا۔ کیونکہ اس پراسرار وجود نے اس کی زندگی کا ریموٹ شاید اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ اب وہ اس کا بے دام غلام بن چکا تھا۔ وہ اسے مختلف مشورے دیتا اور اسے مجبوراً ان پر عمل کرنا پڑتا۔ ٹھیک ہے کہ مادی نقطہ نظر سے اسکے مشورے نہایت قیمتی ہوتے۔ مگر مذہبی نقطہ نظر سے بہت مختلف ہوتے۔ سب سے پہلے تو اس پراسرار وجود نے چھوٹی چھوٹی خواہشوں کا اظہار کیا۔ چند ایک مشورے دیئے مگر پھر وہ اسے اپنی ڈگر پر چلانے لگا۔ "او اظہر تم نے اپنا کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ تمہارا ہیر سٹائل کتنا عجیب ہے۔ تمہارے کپڑے کتنے پرانے ڈیزائن کے ہیں۔ چلو اپنا حلیہ تبدیل کرو...... تمہیں نئے رواجوں کا بالکل پتہ نہیں۔ تم انگلش موویز دیکھا کرو" اس کا حلیہ تبدیل کروا دیا گیا۔ اس کے بعد



اس نے اس کے کمرے کا تنقیدی جائزہ لیا۔ "تمہارے کمرے میں کوئی بھی خاص بات نہیں ہے۔ کل یہاں ایک عدد ٹی وی ہونا چاہیے۔ یہ اولڈ فیشن کا ڈیک اٹھواؤ وی سی ڈی پلیئرز خرید لو۔ تمہیں فلمیں دیکھنی چاہئیں کہ تم اس دنیا کو پہچان سکو...... غرضیکہ وہ دوسرا آدمی اس کا "بن مانگے مالک" بن گیا اور وہ کچھ نہ کر سکا۔ اس دن جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو دوسرا آدمی سامنے بیٹھا نظر آیا۔ مگر اس کی طرف دیکھتے ہی چلایا "تمہارے پاس کچھ ہے......" اظہر حیران ہوا "کیا......؟" وہ زور سے چلایا "تمہارے پاس کوئی چیز ہے اسے فوراً کمرے سے نکالو...... میرا دم گھٹ رہا ہے......" اظہر نے گھبرا کر اپنی جیبیں الٹ دیں۔ تو دائیں جیب سے سفید دانوں والی تسبیح نیچے آ گری جو وہ بے خیالی میں دادو کی اٹھا لایا تھا۔ تسبیح دیکھتے ہی وہ چلایا "او خدایا! یہی ہے وہ...... پلیز اسے کمرے سے باہر رکھ آؤ"

اظہر اسے باہر رکھ آیا۔ اس وقت دوسرا آدمی صوفے پر بیٹھا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ پھر وہ بولا "مذہب اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ سب کچھ ختم ہونے والا ہے۔ یہ دنیا' یہ زندگی اور تم...... پھر چند لمحے کی اس زندگی کو فضول میں کیوں گزاریں...... انجوائے کرو...... وہ موسیقی پر جھومتے ہوئے بولا۔ ایک طرف یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور دوسری طرف...... اسے لگ رہا تھا کہ وہ بھٹک گیا ہے۔ روشنیوں کے شہر سے تاریکیوں میں گھس گیا ہے۔ اس کی طبیعت پر ایک اداسی کیسی کیفیت طاری ہو گئی۔ دل پر بوجھ آ پڑا۔ چہرہ زرد ہونے لگا اور دن بدن اس کی صحت خراب ہوتی گئی۔ اس کی زندگی کا تو بس ایک ہی مشن بن گیا تھا۔ "اس دوسرے آدمی کی غلامی......" اس دن وہ جلدی گھر آ گیا۔ لان میں دادو بیٹھی تسبیح کر رہی تھیں۔ کچھ سوچ کر وہ ان کی طرف آ گیا۔ وہ اس کا حلیہ دیکھ کر چونک گئیں۔ "کیا ہوا بیٹا! تمہاری طبیعت ٹھیک معلوم نہیں ہو رہی" وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گیا "کچھ نہیں دادو...... دفتر میں کام بہت ہوتا ہے نا...... تھکن ہو ہی جاتی ہے۔"...... وہ اس کا سر سہلانے لگیں۔ "...... یہ تھکن نہیں ہے پتر...... سچ سچ بتا کیا ہوا ہے۔"...... دادو کی گود میں سر رکھ کر وہ یک لخت بچوں کی طرح رونے لگا۔ "مجھے سمجھ نہیں آ رہی دادو میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ دادو مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی" وہ اس کا سر سہلاتی رہیں اور وہ روتے ہوئے کہتا رہا۔ مجھے لگتا ہے دادو...... میرا وجود مجھ سے چھن گیا ہے۔ جانے وہ کون ہے؟ مجھے کچھ پتہ نہیں...... پر اس نے مجھے مجھ سے چھین

لیا ہے۔ میری ہر چیز چھین لی۔ میری خوشی' میری غمی' میری زندگی اور میرا مذہب۔ میرے روشن راستوں پر تاریکی پھیلا دی ہے۔ مگر میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور کیوں ایسا کر رہا ہے...... "دادو نے اسکا چہرہ اٹھایا' آنسو صاف کئے اور پیار کرتے ہوئے کہنے لگیں۔ "میں جانتی ہوں وہ کون ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ کیوں ایسا کر رہا ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ واپس بھی جا سکتا ہے۔ مگر مجھ سے وعدہ کرنا ہو گا کہ میں تجھے جو کچھ بتاؤں تمہیں اس پر عمل کرنا ہو گا۔ اسکے جانے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی......" اس نے سر اٹھایا "میں کروں گا دادو......سب کچھ کروں گا......" اور وہ بتانے لگیں کہ وہ کون ہے' کیوں یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ اور اس سے چھٹکارا کیسے ممکن ہے...... ساری باتیں سن کر اس نے دادو کے ہاتھوں کو پیار کیا اور بولا "میں ضرور ایسا کرونگا۔ بس دادو دعا کرو میں ثابت قدم رہوں۔"

"آؤ اظہر! تمہیں ایک مشورہ دوں تم بہت جلد کروڑ پتی بن سکتے ہوں......" اظہر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ دیواروں پر لگے پوسٹرز پھاڑ ڈالے ــــ اور ٹی وی' سی ڈی پلئیر سمیت ہر چیز کمرے سے نکال دی۔ وہ چلاتا رہا "کیا ہو گیا ہے اظہر یہ کیا کر رہے ہو......" اپنا کام ختم کرنے کے بعد اظہر واش روم میں گھس گیا اور قمیض کے بازو اوچیکر نے لگا۔ وہ پیچھے وہاں بھی پہنچ گیا۔ اظہر وضو کرنے لگا تو وہ خوفزدہ انداز میں چلایا "کیا کر رہے ہو اظہر...... رکو...... تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے" وضو کر کے اظہر نے جائے نماز بچھائی وہ خوفزدہ چلاتا رہا "میری بات سنو...... میری بات سنو......" "اللہ اکبر" کہہ کر اظہر نے نیت باندھی تو دوسرا آدمی غائب ہو چکا تھا۔ نماز پڑھ کر اظہر نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے...... "یا باری تعالیٰ تو سب کے دلوں کا بھید جانتا ہے۔ تو بڑا غفور و رحیم ہے۔ مجھے میری کردہ' ناکردہ غلطیوں پر معاف فرما...... مجھے اتنی ہمت دے کہ میں سیدھے اور روشن راستے پر چلتا رہوں۔ مجھے اتنی طاقت دے کہ میں اس شیطان ملعون کا مقابلہ کر سکوں جو ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اسے بھٹکاتا ہے۔ بیشک تو ایسا کرنے پر قادر ہے۔ آمین۔

دعا ختم کرنے کے بعد اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو ڈھیروں اطمینان دل میں اتر چکا تھا۔

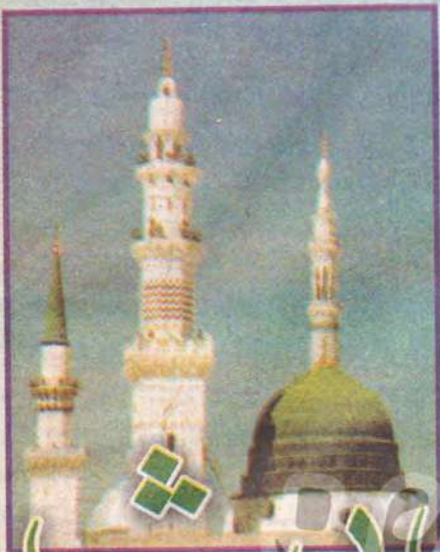
نعیم یوسف



عظیم ماں

حالانکہ آج جمعہ تھا مگر وہ خلاف معمول بہت خاموش تھا اور اس کی خاموشی سب کو حیران کر رہی تھی۔ جمعہ کو ہمارا آخری پیریڈ فارغ ہوتا ہے اور اس میں ہم پہلے سے طے شدہ موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں پچھلے جمعہ کو جب ضرغام نے مباحثہ جیتنے کے بعد اگلے موضوع کا اعلان کیا تھا تو بہت پر جوش تھا اور ہوتا بھی کیوں نہ آخر موضوع بھی تو اس کا پسندیدہ تھا۔ ضرغام ہماری کلاس کا سب سے ذہین اور لائق لڑکا ہے نصابی سرگرمیوں کے علاوہ ہم نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی آگے آگے رہتا ہے۔ آج جمعہ تھا اور آخری پیریڈ۔ سب بڑھ چڑھ کر آج کے موضوع "میری ماں دنیا کی عظیم ماں ہے"۔ پر اظہار خیال کر رہے تھے۔ ہر ایک پرعزم اور پرامید تھا کہ وہ اپنی ماں کو دنیا کی عظیم ماں ثابت کر کے انعام جیت جائے گا۔ ضرغام جو بہت بڑھ چڑھ کر بولتا اور اکثر جیت جاتا تھا آج بہت خاموش تھا حالانکہ موضوع اس کا پسندیدہ تھا۔ وہ ہاسٹل میں میرا روم میٹ تھا اور اکثر اپنی ماں کی تعریفیں کرتا رہتا تھا۔ اس کی ماں گاؤں میں رہتی ہیں پچھلے دنوں جب وہ چھٹیوں میں گاؤں سے لوٹا تو حسب معمول اپنے ہمراہ اپنی ماں کی شفقت اور عظمت کی باتوں کا پلندہ لایا تھا۔ وہ مجھے ایک واقعہ سنانے لگا۔ "یار عمران! میں گاؤں میں ایک رات چہل قدمی کرنے باہر نکل گیا۔ شومئی قسمت کہ جس وقت میں باہر نکلا اسی وقت باہر دو کتے ہڈی پر لڑ رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ سے ہڈی چھنی تو دوسرا غرا کر اس پر جھپٹا۔ عین اسی وقت امی چیخیں اور باہر کو دوڑیں حالانکہ گاؤں میں کتوں کا بھونکنا معمولی بات ہے مگر امی کو پتہ تھا کہ میں باہر گیا ہوں۔ وہ بھاگیں اور اس کوشش میں دروازے سے ٹکرا کر خود کو زخمی کر بیٹھیں۔ مگر جب تک انہیں میری خیریت کا اطمینان نہ ہو گیا وہ چین سے نہ بیٹھیں"۔ اپنے واقعہ کے اختتام پر ضرغام بولا۔ "میری ماں دنیا کی سب سے عظیم ماں ہے"۔ میں ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ ہمارے ٹیچر کی آواز آئی۔ "اب ضرغام حیدر اظہار خیال کیلئے تشریف لائیں گے"۔ ضرغام چونک پڑا اور اٹھ کر سٹیج کی طرف چل پڑا مگر آج اس کی چال بوجھل تھی جیسے اسے یقین ہو کہ اس کی جیت ناممکن ہے۔ عام حالات میں وہ ڈائس کی طرف اس انداز سے بڑھتا تھا جیسے اسے شکست کوئی نہ دے سکتا ہو اور بڑے مدلل اور پرجوش انداز سے بولتا تھا مگر آج وہ سٹیج پر پہنچ کر بڑی دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔ گزشتہ دنوں کشمیر کے موضوع پر ایک کتاب پڑھ رہا تھا پہلے میں اپنی ماں کو دنیا کی عظیم سمجھتا تھا مگر مجھے کل پتہ چلا کہ میری ماں دنیا کی عظیم ماں نہیں کہلائی جا سکتی۔ میری ماں جب مجھے ہاسٹل کیلئے رخصت کرتی ہے تو گھنٹوں آنسو بہاتی رہتی ہے حالانکہ اسے علم ہے کہ میں کسی محاذ جنگ پر نہیں جا رہا بلکہ ایک پرآسائش جگہ پر جا رہا ہوں۔ عظیم ماں تو وہ ہے کہ جو معلوم ہوتے ہوئے بھی کہ اس کا بیٹا محاذ جنگ پر جا رہا ہے آنسو نہیں بہاتی بلکہ مسکراتے ہوئے اپنے بیٹے کو رخصت کرتی ہے۔ عظیم ماں تو وہ ہے کہ جو یکے بعد دیگر اپنے شہید بیٹوں کی نعشیں مسکرا کر وصول کرتی ہے اور کوئی نالہ لب پر نہیں لاتی۔ کیا اسے اپنے بیٹوں سے پیار نہیں؟ مگر وہ اپنے جوان بیٹوں کی شہادت پر ایک اشک بھی نہیں بہاتی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے اپنے جوان بیٹے اس کی راہ میں قربان کر دیتی ہے۔ میری ماں تو اس ماں کے قدموں کی دھول بھی نہیں۔

یہ کہہ کر ضرغام سٹیج پر سے اتر گیا۔ کلاس پر خاموشی [illegible] ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ ضرغام تو کیا اس پوری کلاس میں اب کوئی بھی ایسا لڑکا نہیں جسے یہ دعویٰ ہو کہ اس کی ماں دنیا کی عظیم ماں ہے۔



کوزے میں دریا

ابن زیدی ناصر حسین

کوزے میں دریا۔ پھول بچوں کو اس محاورے کا مطلب آسانی سے اس وقت سمجھ میں آ جائے گا جب وہ آج کی نشست میں بیان کردہ حکمت و دانائی سے بھرپور باتوں کو بہت مختصر الفاظ کے ساتھ پڑھیں گے۔ ویسے تو عام طور پر اس محاورے کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کبھی بہت زیادہ باتوں کو کم از کم الفاظ میں بیان کیا جائے۔ چنانچہ اس وقت ہم نے بہت سوچ سمجھ کر یہ عنوان چنا ہے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی بیان کردہ حدیث میں زندگی کے تمام معاملات اور مسائل کا نچوڑ نہایت خوبصورت الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ کریم ہمیں توفیق بخشیں اور یہ سعادت نصیب فرمائیں کہ ہم خوب توجہ سے حکمت و دانائی قبول کریں اور اپنی زندگی کے شب و روز حضور اکرم ﷺ کی سیرت اور اطاعت میں بسر کر سکیں۔ آمین

بیان کیا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ...... "اے اللہ کے رسول ﷺ میں چاہتا ہوں کہ سب سے بڑا عالم بن جاؤں۔ آپ نے فرمایا...... خدا سے ڈرتے رہو سب سے بڑے عالم بن جاؤ گے۔ خدا کا خوف اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے انسان پر علم و حکمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں چاہتا ہوں کہ سب سے بڑا انسان بن جاؤں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں چاہئے کہ سب کیلئے نفع بخش بن جاؤ اس لئے کہ سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

پھر دریافت کیا گیا کہ میری خواہش ہے کہ میں عادل اور منصف بنوں۔ حضور اکرم نے فرمایا...... تم دوسروں کیلئے وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرو۔

پھر دریافت کیا گیا کہ میں خدا کے دربار میں زیادہ مقرب بننا چاہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا...... سب سے زیادہ خدا کا ذکر کرو۔ خدا کے مقرب بن جاؤ گے۔

پھر عرض کا گیا کہ میری خواہش ہے کہ میں نیک اور احسان کرنے والا بنوں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا...... نماز اس طرح پڑھو کہ گویا تم نماز میں اللہ تعالی کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم اس طرح پڑھو کہ حق تعالی تمہیں دیکھ رہا ہے۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا ایمان مکمل ہو جائے۔

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا...... اپنے اخلاق اور عادات کو سنوار لو ایمان مکمل ہو جائے گا۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں خدا کا اطاعت گزار بھی بننا چاہتا ہوں۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا...... اپنے فرائض ادا کرتے رہو

علوم و آگہی کا قابل قدر سلسلہ

الحدیث

گئے تو تمہارا شمار اطاعت گزاروں میں کیا جائے گا۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں خداتعالی سے اس حالت میں ملنا چاہتا ہوں کہ تمام گناہوں سے پاک و صاف ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا...... غسل جنابت کی برکت سے گناہوں سے پاک اٹھو گئے۔

پھر عرض کیا گیا کہ میری آرزو ہے کہ میدان حشر میں نور کے ساتھ اٹھایا جاؤں۔

رسول کریم نے فرمایا...... اگر ظلم نہیں کرو گے تو قیامت میں نور کے ساتھ اٹھو گے۔

اس ماہ کے انعامی سوالات

1۔ کوزے میں دریا...... محاورے کا کیا مطلب ہے؟
2۔ ایمان مکمل ہو جانے کیلئے کونسا عمل بیان ہوا ہے؟
3۔ نماز کس طرح پڑھنی چاہئے؟۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں چاہتا ہوں کہ خداتعالی مجھ پر رحم کرے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ...... اپنے نفس پر رحم کرو اور خلق خدا پر بھی رحم کھاؤ۔ خداتعالی تم پر رحم پر کرے گا۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے گناہ کم ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا...... کثرت سے استغفار پڑھا کرو تمہارے گناہ کم ہو جائیں گے۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں سب لوگوں سے بزرگ تر بننا چاہتا ہوں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ...... مصیبت کے اوقات میں اللہ کی شکایت نہ کرو صبر سے بزرگ بن جاؤ گے۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے رزق میں اضافہ ہو جائے۔

آپ نے ارشاد فرمایا...... ہمیشہ پاک و طاہر رہا کرو رزق میں برکت ہو گی۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا دوست بن جاؤں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا...... جو چیزیں اللہ کو پسند ہیں ان کو اپنے لئے بھی پسند کرو اور جو چیزیں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کو ناپسند ہیں ان سے نفرت اختیار کرو تو اللہ تعالی اور رسول ﷺ کے دوست بن جاؤ گے۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں اللہ کے غضب سے بچنا چاہتا ہوں۔

حضور اکرم نے ارشاد فرمایا...... اگر کسی پر بے جا غصہ نہ کرو گے تو خداتعالی کے غضب اور ناراضگی سے بچے رہو گے۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں اللہ تعالی کے ہاں مستجاب الداعوات بننا چاہتا ہوں۔

حضور اکرم نے فرمایا...... حرام باتوں اور حرام چیزوں سے بچتے رہو گے تو مستجاب الداعوات (جس کی ہر دعا قبول ہو جائے) بن جاؤ گے۔

پھر عرض کیا گیا کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے قیامت میں سب کے سامنے رسوا نہ کرے۔

حضور اکرم نے ارشاد فرمایا۔ اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو گے تو خدا تمہیں روز قیامت رسوائی سے بچا لے گا۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان سب باتوں کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عنایت فرما دیں۔

آمین ثم آمین